روزنِ جہانِ گانگویات

لوامع الیقین

صدر العلماء
سید احمد الدین گانگوی فرنگی محلیؒ

(اپنی فقہی وکلامی تعبیرات کی روشنی میں)

مصنف
ڈاکٹر عطاء المصطفیٰ مظہری

مقدمہ
علامہ محمد ریاض بھیروی

عکس
AKSPUBLICATIONS

لوامع الیقین

صدر العلماء سید **احمد الدین** گانگوی فرنگی محلیؒ

(اپنی فقہی و کلامی تعبیرات کی روشنی میں)

روزنِ جہانِ گانگویات

لوامع الیقین

صدر العلماء سید **احمد الدین** گانگوی فرنگی محلیؒ

(اپنی فقہی و کلامی تعبیرات کی روشنی میں)

جلد دوم

ڈاکٹر عطاالمصطفیٰ مظہری

مقدمہ

علامہ محمد ریاض بھیروی

عکس
AKSPUBLICATIONS

کتاب:	لوامع الیقین
مصنف:	ڈاکٹر عطاالمصطفیٰ مظہری
سنہ اشاعت:	2021
تعداد:	500
قیمت:	1200 (مکمل سیٹ 2400)

عکس

AKSPUBLICATIONS
Ph: 042-629400, Cell: 03004827500
E-mail: publications.aks@gmail.com
Ground Floor, Mian Chambers, 3-Temple Road, Lahore

حسنِ ترتیب

ابواب	عنوان	صفحہ نمبر
	باب سوم	
	سید احمد الدین گانگوی کی کلامی تعبیرات	385
فصل اول	بر صغیر کی کلامی روایت میں اختلاف، اسباب اور اثرات: افکارِ گانگوی کے تناظر میں تنقیحی جائزہ	387
	بر صغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب	388
	مولانا اسماعیل دہلوی اور مولانا حسین علی واں بھچروی میں مماثلت	393
	مولانا حسین علی سے اختلافات اور علاقائی علماء کی بعض کتب	395
	مسئلہ علم غیب میں مولانا حسین علی اور ان کے حامی علماء کا متفقہ فتویٰ	396
	مولانا گانگوی کا نقد اور سید امیر علی گانگوی کی کتاب تحفہ لاریب	398
	مولانا حسین علی کے فتویٰ تکفیر کے اثرات	399
	سید احمد الدین گانگوی کے تلمیذ رشید مولانا امیر علی گانگوی کی کتاب اور اس کے تائید کنند گان	400
	سید احمد الدین گانگوی کی نظر میں اختلاف کا بانی	400
	ہندوؤں سے مراسم کو تفریق بین المسلمین کا پیش خیمہ قرار دینا	401

ابواب	عنوان	صفحہ نمبر
	مسئلہ علم غیب میں مجالس و محافل اور فتاویٰ و مناظرے	405
	مولانا حسین علی کے آستانہ عالیہ سیال شریف میں ہونے والے مباحثے	407
	پیر سید مہر علی شاہ سے مناظرہ	412
	مولانا غلام محمود پپلانوی سے مناظرہ	413
	مناظرہ واں بھچراں کے متعلق مولانا حسین علی کی طرف سے شائع کردہ اشتہار	413
	مولانا غلام محمود پپلانوی اور مولانا محمد بخش شاہ سے پپلاں میں مناظرہ	417
	علماء اہل سنت کی طرف سے دیئے گئے بعض اہم قلمی فتاویٰ	418
	فتویٰ مولانا محمد حسین مصدقہ خواجہ ضیاء الدین سیالوی	418
	فتویٰ شیخ الہند مولانا معین الدین اجمیری مصدقہ خواجہ ضیاء الدین سیالوی و مولانا احمد الدین گانگوی	419
	فتویٰ مولانا غلام محمود پپلانوی مصدقہ سید جماعت علی شاہ و مولانا یار محمد بندیالوی وغیرہم	421
	مسئلہ علم غیب پر میانوالی میں ہونے والے دو اہم جلسے	423
	نجم الہدیٰ میں جلسہ واں بھچراں کی بازگشت	427
	مسئلہ علم غیب میں مولانا حسین علی سے ہونے والی مفاہمتی کاوش	429
	علماء کی مجالس میں زیر بحث مسائل کی نوعیت	431
	سید گانگوی سے خط و کتابت	433
	مکتوب میاں اصغر علی بنام سید گانگوی	434
	مکتوب میاں فلک شیر بنام سید گانگوی	435
	مولانا گانگوی کا جواب	435
	مکتوب مولانا فضلِ کریم بندیالوی بنامِ مولانا احمد الدین گانگوی	436
	مولانا احمد الدین گانگوی کا جواب	437

صفحہ نمبر	عنوان	ابواب
438	مکتوب ثانی مولانا فضل کریم بندیالوی	
439	مسئلہ علم غیب کی بناء پر سید احمد الدین گانگوی اور مولانا احمد خان کی تکفیر	
441	بلغۃ الحیران کے متعلق سید احمد الدین گانگوی کی رائے	
444	بلغۃ الحیران کے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے	
444	مولانا حسین علی کے متعلق علماء دیوبند کا فتویٰ	
446	علماء دیوبند کا فتویٰ اور مولانا حسین علی کی مشکلات	
447	مولانا حسین علی کا مولانا حسین احمد مدنی کی طرف رجوع	
448	سید گانگوی کا مکتوب مدنی پر تبصرہ	
450	سید احمد الدین گانگوی کا علماء دیوبند کی توصیف کرنا	
450	تقویٰ بجواب فتویٰ	
452	غایۃ القصوی فی توضیح ما فی التقویٰ	
454	مذکورہ اشتہارات پر سید گانگوی کا نقد و تبصرہ	
455	مولانا حسین علی پر تنقید کا سبب	
457	مسئلہ تکفیر میں سید گانگوی کا حزم و احتیاط	
458	انجمن شعبہ تبلیغ کے پلیٹ فارم سے مفاہمت کی کوشش	
460	قاضی نور محمد تلمیذ کبیر مولانا حسین علی کا مفاہمتی پیش کش پر نقد و تبصرہ	
462	فاضل بریلوی اور خواجہ قمر الدین سیالوی پر نقد و جرح	
464	تحفہ لاریب کے تائید کنندگان	
465	تحفہ لاریب کی وجہ سے علماء و مشائخ کی تکفیر کا جواب	
466	قائلین علم غیب کے نکاح باطل ہونے کے فتاویٰ	
467	فتویٰ مفتی مسعود احمد دیوبندی	
468	فتویٰ ثانی مفتی مسعود احمد دیوبندی	
472	مولانا حسین علی کے خوابوں پر سید احمد الدین گانگوی کا نقد و تبصرہ	

ابواب	عنوان	صفحہ نمبر
	خلاصہ	479
فصل دوم	سید احمد الدین گانگوی کی اہل سنت اور عقائد اہل سنت کے متعلق بعض تعبیرات	482
	اتفاق کی ترغیب اور افتراق کی مذمت	484
	دینِ حق سے مراد اہل سنت ہے	485
	فِرق قدیمہ وجدیدہ پر تنقید	485
	فرقہ بندی کی مذمت میں حدیث شریف سے استدلال	486
	سوادِ اعظم اور ناجی گروہ اہل سنت ہے	486
	اجمالاً عقائد اہل سنت کا بیان	487
	اہل سنت ہی مسلکِ اعتدال	488
	امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی	489
	اکثریتی جماعت کا مسلم شماری سے تعین	491
	شرک، اقسام اور عصری تعبیر	492
	تکفیر المسلمین کے لئے صراحت نص	495
	توسیع دائرہ اسلام	495
	تکفیر المسلمین کے لیے نصوص قطعیہ اور اجماع ائمہ ضروری ہے	496
	اعتدال فی التوحید	497
	مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق ہی مرغوب و مطلوب ہے	498
	تکفیر المسلمین کے لئے مسئلہ علم غیب کو بنیاد بنانا	498
	تکفیر المسلمین کے قواعد فقہیہ	499
	کفر سب سے بڑی سزا	499
	محض شک کی بنیاد پر حکم تکفیر	500
	اختلاف فقہاء کی صورت میں عدم تکفیر	501

ابواب	عنوان	صفحہ نمبر
	مسئلہ تکفیر میں مجتہدین کا فتویٰ	502
	فتویٰ تکفیر کے لیے اجماع کی ضرورت	502
	جس مسئلہ میں بکثرت وجوہ کفر ہوں	503
	کتب فتاویٰ میں مذکور الفاظ کفریہ	504
	سید احمد الدین گانگوی کا بعض اعتقادی مباحث اور اختلافی مسائل میں نقطہ نظر	505
	1۔ عقیدہ تحفظ ناموس مصطفیٰ ﷺ	505
	2۔ مسئلہ تفضیل صحابہ میں مؤقف	507
	3۔ نورانیت مصطفیٰ ﷺ	509
	4۔ میلاد مصطفیٰ ﷺ	510
	5۔ ندائے غائبانہ	515
	6۔ عقیدہ حیات الانبیاء والاولیاء	521
	خلاصہ	530
فصل سوم	چکڑالوی مذہب اور تحریک خاکسار: علماء میانوالی اور خصوصاً سید احمد الدین گانگوی کے افکار کے تناظر میں تحقیقی جائزہ	532
	برصغیر میں جدید معتزلہ اور مولانا عبد اللہ چکڑالوی کے افکار و نظریات	533
	برصغیر میں جدید معتزلہ کا ظہور	533
	سرسید کے مذہبی عقائد و افکار	534
	سرسید سے علما کے اختلاف کی بنیادی وجہ	535
	عبد اللہ چکڑالوی کے افکار و نظریات	537
	عبد اللہ چکڑالوی کی تالیفات	538
	ترجمہ القرآن بآیات الفرقان	538
	ولادت ورفع عیسیٰ کے بارے میں چکڑالوی کے تفردات	540

ابواب	عنوان	صفحہ نمبر
	احکام وراثت اور وصیت میں چکڑالوی کے تفردات	542
	ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری سے نکاح کی حرمت	543
	نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کی بھی نفی کرتے ہیں	543
	عید قرباں اسراف و تبذیر ہے	544
	کتاب اللہ کے مقابل احادیث پیش کرنا	544
	چکڑالوی کا خود کو کافر کہے جانے کا تذکرہ	545
	علماء پر تنقید	545
	انکار حدیث کی تفصیل	546
	علماء و صوفیہ پر نقد	546
	تقلید کا رد	547
	سید احمد الدین گانگوی اور قاضی قمر الدین محدث چکڑالوی کا تعاقب و محاسبہ	548
	سید احمد الدین گانگوی کی نظر میں فساد فی الدین کا سبب	548
	انکارِ تقلیدِ ائمہ کے اسباب	550
	تقلید کے قواعد و ضوابط	551
	مقلد غیر مجتہد ہو	551
	تقلید مجتہد کی کی جائے گی	552
	مجتہد اجتہاد میں کامل ہو	553
	مجتہد عادل ہو	553
	وجوب تقلید کے عقلی دلائل	554
	مولانا عبد اللہ چکڑالوی اور مولانا قاضی قمر الدین: علمی معرکے اور مباحثے	557
	قاضی غلام نبی سے عبد اللہ چکڑالوی	557
	چکڑالہ سے لاہور منتقلی	561

ابواب	عنوان	صفحہ نمبر
	عنایت اللہ مشرقی کے تفردات	566
	خاکسار تحریک	567
	مشرقی کی تصانیف اور افکار	567
	حدیث القرآن	568
	تذکرہ	568
	علامہ مشرقی کے تفردات	569
	مشرقی حدیث کو مآخذ تفسیر نہیں مانتے	569
	اجتماع میانوالی کے اہم فیصلے	575
	حکومت پنجاب کو انتباہ	576
	مجلس مشاورت کا لاباغ	577
	اتفاق رائے سے درج ذیل فیصلے کئے گئے	577
	تنظیم و عسکریت	577
	ادارہ عالیہ محمدیہ عسکریہ کا قیام اور اثرات	578
	ادارہ عالیہ کے اہم اعلانات اور ہدایات	579
	فوج محمدی میانوالی کی کابینہ	580
	رضاکاران اسلام کا حربی مظاہرہ	581
	خلاصہ	583
	باب چہارم	
	سید احمد الدین گانگوی کے فقہی تفردات وامتیازات	599
فصل اول	سید احمد الدین گانگوی کے فقہی تفردات	601
	موتی مسجد کے متعلق سید احمد الدین گانگوی کا فتویٰ	601
	تعمیر مساجد اور مشرکین	604
	مشرک مسجد کی تعمیر نہیں کر سکتا	604

صفحہ نمبر	عنوان	ابواب
605	مشرک کی تعمیر کردہ عمارت کو مسجد کہنا جائز نہیں	
606	تعمیرِ مساجد کی شرائط	
607	صفت اول: تعمیر کنندہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو	
608	صفت ثانی: تعمیر کنندہ پابند صلوٰۃ ہو	
609	صفت ثالث: تعمیر کنندہ صدقہ وزکوٰۃ کی ادائیگی کا پابند ہو	
609	صفت رابع: تعمیر کنندہ خوف خدا سے سرشار ہو	
610	مشرکین کے لیے تعمیرِ مساجد کی ممانعت کے اسباب	
610	سبب اول: مساجد کی بناء وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے ہے	
611	سبب دوم: مسلمان مشرک کا ممنون احسان نہیں ہونا چاہیے	
611	سبب سوم: کفار سے موالات کی ممانعت	
612	سبب چہارم: مشرک سے استعانت حرام ہے	
613	سبب پنجم: تعمیر مسجد میں نیت خالص اللہ کے لیے ہو	
613	سبب ششم: مشرک کا مال ناپاک ہوتا ہے	
614	شبہات اور ان کے جوابات	
614	آیت ممانعت کا شان نزول خاص ہے	
615	عمارت کا معنی آبادی ورونق ہے نہ کہ بناء وتعمیر	
617	حقیقت اور مجاز کے اصول سے استدلال اور اس کا جواب	
620	مشرکین کی نجاست سے مراد باطنی نجاست ہے	
621	آیتِ ممانعت سے صرف مسجد الحرام مراد ہے	
622	مسلمانوں کی تولیت سے استدلال	
623	قیاس سے استدلال	
628	تقاریظ اور تصدیقات / تصحیحات علماء کرام	
634	موسیقی اور آلات موسیقی: متقدمین صوفیہ اور سید احمد الدین گانگوی کی	

صفحہ نمبر	عنوان	ابواب
	فقیہانہ اور تفردانہ رائے	
636	امام شافعی کا مسلک: قشیری کا تبصرہ	
638	سماع کی حلت و حرمت: قشیری کا مؤقف	
639	سماع کے حوالے سے شیخ سہروردی کی رائے	
641	حکم سماع میں شیخ ابو طالب مکی کی موافقت	
643	سہروردی کا نام نہاد صوفیہ پر نقد	
644	موسیقی کی حرمت پر قرآن و حدیث سے استدلال	
645	موسیقی کے متعلق سید احمد الدین گانگوی کی رائے	
647	سماع اور غنا بغیر مزامیر اور مع المزامیر مباح اور حلال ہے	
648	سماع مشروع و غیر مشروع	
648	گانے بجانے کے مواقع	
649	حضور کریم ﷺ کی اجازت سے غنا مع المزامیر کا اثبات	
649	معازف کی حلت	
650	بربط کا جواز	
652	دف اور عود سے جملہ مزامیر و معازف کی حلت پر قیاس	
653	فقہا احناف سے آلات موسیقی کا جواز	
653	ڈھول کا اثبات	
655	مواقع السّماع	
657	آیت لہو الحدیث سے استدلال کا جواب	
660	خلاصۂ بحث	
664	**سید احمد الدین گانگوی کی امتیازی خصوصیات**	**فصل دوم**
664	1۔ سید احمد الدین گانگوی کے اختلاف رائے کی نوعیت	
665	حسن استدلال	

ابواب	عنوان	صفحہ نمبر
	(i) شیخ عبد الحئ فرنگی محلی کے فتویٰ میراث پر نقد و نظر اورادب اختلاف	666
	سید احمد الدین گانگوی کا مذکورہ فتویٰ پر نقد و تبصرہ	667
	یار محمد بندیالوی کے فیصلہ رویت ہلال پر نقد و نظر اور ادب اختلاف	667
	2۔ فقہی تبحر، وسعت نظر اور دقت نظر	672
	(i)فقہ المناکحات سے متعلق مفتی کفایت اللہ دہلوی کے فتویٰ پر نقد و نظر	672
	مفتی کفایت اللہ دہلوی کا فتویٰ	672
	سید احمد الدین گانگوی کا نقد و نظر	673
	(ii) شیخ محمد احمد علی کانپوری کی آراء پر نقد و نظر	674
	3۔ لغزش و خطا پر تنبیہات	676
	(i)علامہ عطا محمد بندیالوی کے فتویٰ پر نقد و نظر	674
	وجہ نزاع اور مولانا بندیالوی کا فیصلہ	678
	سید احمد الدین گانگوی کا نقد و نظر اور ناشزہ کی تعریف و توضیح	679
	مطالبہ طلاق سے ناشزہ ہونے کا استدلال	680
	(ii)سید فخر الزمان شاہ کے فتویٰ پر نقد و نظر	683
	قیود و شرائط	685
	جماعت مسلمین کی شرائط	686
	(iii)مفتی محمد حسین شوق پپلانوی کے فتویٰ پر نقد و نظر	687
	مفتی محمد حسین شوق پپلانوی کا فیصلہ	688
	سید احمد الدین گانگوی کا فیصلے پر تعاقب و محاسبہ	689
	تحکیم صرف حقوق العباد میں ہوتی ہے	690
	متولی کی حیثیت کا تعین	690
	شرائط وقف کا فقدان	691

صفحہ نمبر	عنوان	ابواب

697	4۔ فیصلوں کی تائید و توثیق	
697	سجادہ نشینی کا تنازعہ میں خواجہ قمر الدین سیالوی کا فیصلہ اور سید احمد الدین گانگوی کی توثیق	
700	حرمت مصاہرہ پر مفتی عطا محمد رتوی سے اختلاف اور خواجہ ضیاء الدین سیالوی کا حکم تنفیذ	
701	حضرت مفتی رتوی سے اختلاف اور سید احمد الدین گانگوی کا فتویٰ	
702	فتویٰ دربار عالیہ سیال شریف	
703	5۔ علم حدیث میں کمال اور قوت استنباط و استدلال	
703	فقہ البیع سے متعلق مولانا حسین علی واں بھچروی کی تردید اور احادیث کی توضیح	
705	حدیث قابل احتجاج نہیں	
707	6۔ اقوال میں تطبیق و ترجیح	
709	7۔ حسن ایجاز و اختصار	
711	8۔ مختلف علوم میں مہارت	
713	9۔ جزئیات کی فراہمی و استخراج و استحضار	
714	10۔ مذہب حنفی کی تائید و ترجیح	
727	خلاصۂ تحقیق	
741	فہرست تصاویر (انتخاب)	
743	(مخطوطات، مکتوبات، فتاویٰ اور مطبوعات)	
781	مصادر و مراجع	

باب سوم

سید احمد الدین گانگوی کی کلامی تعبیرات

فصل اوّل

برصغیر کی کلامی روایت میں اختلاف، اسباب اور اثرات:

افکارِ گانگوی کے تناظر میں تنقیحی جائزہ

شریعت اسلامیہ کی ہدایات و تعلیمات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلاف اور افتراق کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ افتراق مطلق مذموم ہے اور صرف مذمت کی جگہ پر ہی بولا جاتا ہے۔ (کیونکہ افتراق کا مفہوم ہے گروہ بندی و فرقہ بندی) جبکہ اختلاف کا یہ معاملہ نہیں ہے۔ اختلاف تو مذمت کے مقابلہ میں بھی بولا جاتا ہے اور عذر و عدم کے محل میں بھی۔ اور ساتھ ہی ساتھ کبھی کبھی یہ اختلاف ممدوح (پسندیدہ) بھی ہوتا ہے۔ اختلاف سے مقصود، رائے کا فہم وادراک ہے۔ یا عمل و کردار کی اصلاح چنانچہ جس طرح یہ نصوص کے فہم و افہام میں ہوتا ہے۔ اسی طرح اوامر و نواہی کے امتثال و عدم امر میں بھی ہوتا ہے۔ جبکہ افتراق صرف یہ ہے کہ لوگ گروہوں میں بٹ جائیں، فرقوں میں تقسیم ہو جائیں۔ اس کے باوجود بہتوں نے تو اختلاف محمود کو بھی اپنی انتہائی جانب دارانہ اور غیر منصفانہ عصبیت کی بھینٹ چڑھا کر اسے اختلاف مذموم بنا دیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اختلاف نے اپنی اصل صورت سے تجاوز کر کے افتراق میں داخلہ لے لیا۔

برصغیر میں بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں علماء کے مابین فروعی مسائل میں جنم لینے والے اختلافات نے اس قدر شدت آئی کہ باقاعدہ نئے مسالک کی شکل اختیار کر گیا۔عقائد میں رونما ہونے والے ان اختلافات کے اسباب کیا تھے اور پنجاب کے علماء خصوصاً سید احمد الدین گانگوی اور ان کے معاصر مخالف وموافق علماء اس اختلاف کو کس انداز سے دیکھ رہے تھے اس کا ایک تفصیلی جائزہ اس فصل میں لیا جائے گا۔ تا کہ کلامی مسائل میں سید احمد الدین گانگوی کے رجحانات کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

برصغیر میں افتراق بین المسلمین کے اسباب:

مبارک حسین مصباحی، ہندوستان میں افتراق بین المسلمین کے اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہندوستان میں انگریزوں کی آمد اور پھر برطانوی حکومت کی فتح یابی کے بعد انہوں نے اپنی فرماں روائی کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے قیامت خیز فتنہ سامانیوں اور بدترین شر انگیزیوں کا آغاز کیا۔ انگریزوں کی اس انتہائی بھیانک سازش "لڑاؤ اور حکومت کرو" سے ہر ہندوستانی واقف ہے مسلمانوں کا اتحاد اور ایمانی قوت برطانوی حکومت کے راستے کا سب سے بڑا پتھر تھی، مسلمانوں کا مستحکم دینی اور ملی شیرازہ ان کی آنکھ کا سب سے بڑا کانٹا تھا۔ انہوں نے پیہم تلاش وجستجو کے بعد اس حقیقت کو اچھی طرح پالیا تھا کہ مسلمانوں کے دینی اتحاد اور جہاد کے جوش جنوں کا بنیادی سر رشتہ مدنی تاجدار ﷺ کے دربار گہربار سے ملتا ہے۔ ان کی دینی و ملی عظمت وشوکت کا تاج محل عشق رسول اور محبت اولیا کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اسن کے ملی

شیرازہ کو بکھیرنے اور دینی شوکت کو منہدم کرنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ ان میں سے کچھ ایسے ضمیر فروشوں کو منتخب کیا جائے جو قرآن و حدیث کی نت نئی تعبیریں کر کے اخلاص پیشہ مسلمانوں کے دلوں سے عشق رسول اور عظمت اولیا کو ختم کر دیں۔ یہ سازشیں مسلمانوں میں اختلاف وانتشار کا باعث بھی ہو گی اور برطانوی حکومت کے استحکام کا سبب بھی"[1]

وہابی تحریک کے مخالف علماء ہندوستان میں اختلافات کا بانی شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کی کتاب تقویۃ الایمان کو قرار دیتے ہیں۔ علامہ شرف قادری لکھتے ہیں۔

"شاہ اسماعیل دہلوی کے مزاج میں ابتداء ہی سے آزادی پائی جاتی تھی، دہلی میں جب انہوں نے اپنے حنفی آباؤ اجداد اور اساتذہ کے برعکس رفع یدین شروع کیا تو ان کے چچا شاہ عبد القادر محدث دہلوی نے انہیں کہلا بھیجا کہ رفع یدین چھوڑ دو، اس سے خواہ مخواہ فتنہ پیدا ہو گا۔ انہوں نے جواب میں فوراً یہ حدیث پڑھ دی، من تمسك بسنتي عند فساد امتي فله اجر ماءة شهيد جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو اپنائے اس کے لئے سو شہید کا اجر ہے"۔[2]

اس پر شاہ عبد القادر محدث دہلوی نے فرمایا۔

"بابا ہم تو سمجھتے تھے کہ اسماعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ سمجھا۔ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور ما نحن فیہ (زیر بحث سلسلہ میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں، بلکہ دوسری سنت ہے، کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے،

یوں ہی ارسال بھی سنت ہے"(3)

اسی آزادی کا نتیجہ تھا کہ تقویۃ الایمان نامی کتاب لکھی جس میں انبیاء واولیاء کے حق میں ایسی زبان استعمال کی گئی جو قطعاً ان کے شایان شان نہ تھی، عامۃ المسلمین کے لئے بے دریغ مشرک کا لفظ استعمال کیا گیا اور اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔

اس تشدد کا خود انہیں بھی احساس تھا، چنانچہ ایک مجلس میں شاہ اسماعیل دہلوی نے کہا،

"میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے، شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہو گی مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔" (4)

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی بدولت وہ شورش پیدا ہوئی جو کبھی ختم نہ ہو سکی اور مسلمانوں میں ایسی فرقہ وارانہ خلیج حائل ہو گئی کہ بعد میں اس کے پاٹنے کی کوئی سبیل پیدا نہ ہو سکی، انگریز کو ایسے ہی افراد کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کر دیں اور کبھی متحد نہ ہونے دیں۔ شاطر فرنگی کی سیاست کی بنیاد ہی یہ ہے کہ لڑاؤ اور حکومت کرو۔ اس مقصد کے لئے وہ لوگ قطعاً موزوں نہ تھے جو قدیم طریقوں پر سختی کے ساتھ قائم رہنے میں ہی اپنی بقا تصور کرتے ہوں۔(5)

شاہ اسماعیل دہلوی کے ناقدین، ان کی کتاب تقویۃ الایمان کو تاج برطانیہ کی سازش قرار دیتے ہیں۔

ڈاکٹر قمر النسا اپنے پی ایچ ڈی کے عربی مقالہ، بعنوان العلامہ فضل حق الخیر آبادی میں رقم طراز ہیں:

"شاع کتاب تقویۃ الایمان اولاً من اشیاتك سوسائتی Royal Asiatic Society وقد اعترف البروفیسر محمد شجاع الدین (المتوفی 1960ء) رئیس قسم التاریخ بکلیہ دیال سنز بلاهور فی مکتوبہ الی البروفیسر خالد البرنی بلاهور، ان الانجلیزین قد وزعوا کتاب تقویۃ الایمان بغیر ثمن"[6]

"تقویۃ الایمان" پہلی بار رائل ایشیاٹک سوسائٹی (کلکتہ) نے شائع کی، پروفیسر محمد شجاع الدین صدر شعبہ تاریخ، دیال سنگھ کالج لاہور نے اپنا ایک خط بنام پروفیسر خالد برنی اعتراف کیا ہے کہ انگریزوں نے "تقویۃ الایمان" مفت تقسیم کی۔"

علامہ مصباحی نے لندن سے تقویۃ الایمان کی اشاعت پر نقد کرتے ہوئے لکھا:

"اب ذرا آپ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ یہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی جو انگریزوں کا ادارہ تھا ان تثلیث کے پجاریوں کو توحید خالص کی اشاعت کے پس پردہ کون سا فائدہ نظر آیا اور وہ بھی صرف چھاپی نہیں بلکہ مفت تقسیم کی۔ کیا اب بھی مجھے اپنے اس مدعا پر مزید کسی دلیل کی ضرورت ہے کہ انگریزوں نے جن مقاصد کے لیے یہ کتاب لکھوائی تھی ان مقاصد کیلئے یہ ایک کامیاب حربہ تھا جو سچے دیندار اور خوش عقیدہ مسلمانوں پر آزمایا گیا اور ان میں انتہائی بدترین جنگ چھڑ گئی اور یہ جنگ برطانوی حکومت کے استحکام میں کافی حد تک مفید اور معاون ثابت ہوئی"۔[7]

اسی پر بس نہیں بلکہ عالمی سطح پر اس کتاب کے مضر اثرات کو عام کرنے کے لیے لندن سے اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا گیا۔ جو قوم عہد رسالت سے آج تک مسلسل اسلام اور مسلمانوں کیخلاف بد ترین سازشیں رچاتی رہی ہے اور اسلام کے غلبہ حق کو سرنگوں کرنے کے لیے دولت سے لے کر حسن تک کی بے دریغ قربانیاں دیتی رہی ہے اس عیار قوم کے سامنے وہ کون سے فوائد تھے جن کو حاصل کرنے کے لیے 1825ء میں "تقویۃ الایمان" کو لندن سے شائع کرنا پڑا۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بانی سر سید احمد خاں لکھتے ہیں

"جن چودہ کتابوں کا ذکر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے ان میں ساتویں کتاب "تقویۃ الایمان" ہے چنانچہ، اس کتاب کا انگریزی ترجمہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) کے رسالہ جلد 12 / 1825ء میں چھپا تھا"(8)

تاریخ وہابیت پر گہری نظر رکھنے والے ایک مفکر لکھتے ہیں:

"انگریز نے پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو، کے آزمودہ حربے کو استعمال میں لاتے ہوئے مسلمانوں کے مسلمہ معتقدات کے خلاف "تقویۃ الایمان" لکھوائی اس مقصد کے لیے توحید کے نام پر رسالت مآب ﷺ سے محبت کو کم کیا گیا۔ دوسرے بہت سے لوگوں کے علاوہ مولوی اسماعیل دہلوی کی ان کوششوں کا مولانا فضل حق خیر آبادی نے جواب دیا مسلمانوں کے دو طبقے ہو گئے ایک نے اسلام کے اجتماعی مفاد میں کام کیا، جنگ آزادی 1857ء میں کارہائے نمایاں انجام دیئے اور دوسرے طبقے نے لوگوں کو دین کی اصل سے ہٹانا چاہا حضور ﷺ

سے محبت کم کر کے اسلام کے لیے قربانیاں دینے کا جذبہ ختم کر دینے
کی سازش کی"۔ (9)

مولانا اسماعیل دہلوی اور مولانا حسین علی واں بھچروی میں مماثلت:

مولانا اسماعیل دہلوی نے انیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں جن عقائد وہابیہ کی بنیاد رکھی تھی بیسیوں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں ان نظریات کو پنجاب میں پھیلانے میں مولانا حسین علی نے اہم کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا حسین علی کو افکار و نظریات کے اعتبار سے مولانا اسماعیل دہلوی کے سلسلہ کی ایک کڑی خیال کیا جاتا ہے۔

مولانا نے واں بھچراں کے مقام پر ایک دار العلوم قائم کیا یہاں ان سے بڑے بڑے علماء نے اکتساب علم کیا، جنہوں نے ان کے خیالات برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں تک پہنچائے۔ اس کے علاوہ مولانا واں بھچروی نے تحریر و تقریر کے ذریعے بھی اپنے افکار و نظریات کی تبلیغ کی۔ بلغۃ الحیران کے نام سے قرآن پاک کی ایک تفسیر بھی لکھی۔ جب ان کے افکار و نظریات علما و صوفیہ کے سامنے آئے تو ان کے لئے یہ خیالات و نظریات نئے تھے اور مولانا حسین علی فتویٰ دینے میں بھی جلد بازی کرتے تھے۔ لہذا علماء سے ان کے تحریری و تقریری مباحث اور مناظرے بھی ہوئے اور جانبین کی طرف سے فتاویٰ بھی آئے۔ مولانا حسین علی سے ہونے والے تحریری و تقریری مناظروں، مباحثوں اور نقد و جرح میں موافقین و مخالفین کے جو قد آور علماء شامل تھے ان کے ناموں پر نظر ڈالنے سے اختلافات کی سنگینی، شدت اور پھیلاؤ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چند معروف نام حسب ذیل ہیں

☆خواجہ ضیاء الدین سیالوی ،☆مولانا سید احمد الدین گانگوی،☆ پیر سید مہر علی شاہ، ☆ پیر سید جماعت علی شاہ☆خواجہ قمر الدین سیالوی ،☆مولانا غلام محمود پپلانوی،☆مولانا یار محمد بندیالوی،☆مولانا فضل کریم بندیالوی،☆مولانا انور شاہ کشمیری،☆مولانا معین الدین اجمیری،☆مولانافاضل محمود گنجوی،☆مولانااکبر علی چشتی،☆مولانا ابوسعد احمد خان کھولہ،☆مولانا حسین احمد مدنی،☆مولانا قاضی نور محمد، گوجرانوالہ، ☆مولانا قاضی شمس الدین، گوجرانوالہ، ☆مولانا منور دین، ☆مولانا محمد مسلم وغیرہ

مولانا اسماعیل دہلوی کے افکار وعقائد کا تعاقب علامہ فضل حق خیر آبادی نے کیا تو پنجاب میں تحریک وہابیت کے بانی مولانا حسین علی کے خیالات ومعتقدات کا محاسبہ مولانا گانگوی نے کیا۔ مولانا گانگوی، اسماعیل دہلوی اور مولانا حسین علی کو ایک ہی سلسلہ قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

”ہندوستان میں پہلا قدم اس میدان میں مولوی اسماعیل قتیل نے رکھا، جس کی نسبت علماء عرب وعجم نے بالاتفاق فتویٰ دیا کہ یہ شخص نہایت ملحد اور بے دین ہے۔ علمائے دیوبند میں اب تک اسی اسماعیل زہریلی تعلیم کا اثر باقی ہے، گوبیچ میں علماء دیوبند وفضلاء کانپور کے درمیان اس مسئلہ کی نسبت بہت کچھ چھیڑ چھاڑ ہوئی، بحث مباحثہ ہوا مگر چونکہ فریقین کے شیخ الطریقت جناب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مرحوم مہاجر مکی حنفی چشتی بقید حیات تھے، لہذا ہر دو فریق کی تحریریں جناب کی خدمت میں بغرض تصفیہ ارسال ہوئیں جن پر جناب حاجی صاحب مرحوم نے ثالثانہ صوفیانہ فرما کر ارسال کیا جو کہ

فیصلہ ہفت مسئلہ میں شائع ہو چکا ہے، مسئلہ اولی اور رابعہ میں اس کا ذکر ہے مگر تاہم علماء دیوبند اپنے مزموم قدیم سے باہر نہ آئے۔ ہمارے پنجاب ضلع میانوالی میں اب یہ بحث از سر نو چھڑی چنانچہ خانقاہ حسینیہ نقشبندیہ واقعہ واں بھچراں سے اس کی ابتداء ہوئی، سینکڑوں جلسے ہوئے، تقریریں ہوئیں، اہل حق کے ساتھ مناظروں میں منہ کی کھائی، جھوٹے اشتہار چھپوائے، رسالے لکھے، عاشقان رسول اللہ ﷺ پر شرک اور ارتداد کے فتویٰ جاری کئے۔"۔[10]

مولانا حسین علی سے اختلافات اور علاقائی علماء کی بعض کتب:

مولانا حسین علی کی تحریک وہابیت کے بعد احتجاجات و اختلافات کا بازار گرم ہو گیا۔ سینکڑوں مناظرے ہوئے اور درجنوں کتابیں شائع ہوئیں۔ علاقائی علماء کی طرف سے شائع ہونے والی بعض کتابوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

☆تحفہ لاریب فی تقاسیم علم غیب (سید امیر علی گانگوی تلمیذ رشید مولانا احمد الدین گانگوی)☆رسالہ علم غیب(مولانا حسین علی واں بھچروی)☆ بلغۃ الحیران فی ربط آیات الفرقان (مولانا حسین علی واں بھچروی)☆ تفسیر بے نظیر (مولانا حسین علی واں بھچروی)☆ مجموعۃ الفتاویٰ (مولانا حسین علی واں بھچروی)☆صاعقۃ الرحمن علیٰ حزب الشیطان(مولانا نور محمد دست راست مولانا حسین علی)☆ نجم الرحمن (مولانا غلام محمود پپلانوی)☆لوامع الضیاء فی علوم سید الانبیاء (سید احمد الدین گانگوی) ☆السیوف العتابیہ علیٰ انوف الوہابیہ(سید احمد الدین گانگوی)☆السیوف القہار علیٰ انوف الاشرار (سید احمد الدین گانگوی)☆رسالہ عقائد (سید احمد الدین گانگوی)

☆الحق المبین (سید احمد الدین گانگوی)☆زجر الاشقیاء عن اہانۃ الاصفیاء(سید احمد الدین گانگوی)☆الشعلۃ الجباریہ لاحراق مسجد آریہ(سید احمد الدین گانگوی) ☆ضرب الصادق علیٰ عنق الکاذب (مولوی مفتی محمد صادق)☆السیف البارق علیٰ راس الخارج المارق (مفتی محمد حسین شوق پپلانوی)☆القول الجلی فی رد حسین علی(ملا نظام الدین ملتانی)☆الایضاح الادلۃ(مفتی محمد حسین شوق پپلانوی)

مولانا حسین علی کے جس فتویٰ نے اختلافات کی بنیاد رکھی اور علم غیب کے اثباتی علماء کو کافر و مشرک قرار دیا اس فتویٰ کی عبارت کچھ یوں ہے اور یہ فتویٰ بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں جامعہ حسینیہ واں بھچراں سے شائع کیا گیا۔

مسئلہ علم غیب میں مولانا حسین علی اور ان کے حامی علماء کا متفقہ فتویٰ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرح متین ایسے شخص کے حق میں جس کا یہ عقیدہ کہ جناب رسول خدا محمد مصطفی ﷺ تمام مغیبات کو جانتے تھے۔ ہر چیز چھوٹی ہو یا بڑی۔ ماضی ہو یا مستقبل رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھی۔ اور تمام اشیاء یا ان کا علم محیط۔ یا اس شخص کا یہ اعتقاد کسی دوسرے نبی کے حق میں ہو۔ یا ایسا اعتقاد کسی شخص کا اولیاء یا فرشتوں کے حق میں ہو۔ ایسا شخص جو معتقد اعتقاد مذکورہ کا ہو، مصیب ہے یا مخطی بنیوا توجروا ۔

الجواب:

اعتقاد مذکورہ شرک ہے۔ اور مخالف کتاب اللہ واحادیث نبویہ و اقوال

مجتہدین کے ہے جو شخص معتقد اعتقاد مذکور کا ہو۔ وہ اگر امام مسجد ہے۔ تو اس کے پیچھے نماز پڑھنی ناجائز ہے۔ اگر مدعی پیری کا ہے۔ تو اس سے بیعت کرنی حرام ہے۔ مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسے شخص کے ساتھ معاملہ واختلاط نہ کریں۔ ثبوت قرآن سے قال اللہ تعالیٰ (فی) کتابہ المجید۔ پارہ نہم سورۃ اعراف يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ [11]۔ ترجمہ سوال کرتے ہیں تجھ سے اے محمد قیامت کے متعلق کہ کب قائم ہوگی۔ کہہ دے۔ تو اے محمد سوا اس کے نہیں کہ علم اس کا میرے رب کے نزدیک ہے۔ نہیں ظاہر کردے گا اس کو اپنے وقت پر مگر اللہ تعالیٰ پارہ نہم سورہ اعراف قال اللہ تعالیٰ قُل لاَّ أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلاَ ضَرًّا إِلاَّ مَا شَاء اللّهُ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لاَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ [12] ترجمہ اے محمد کہہ تو نہیں مالک میں واسطے نفس اپنے کے نفع اور نہ نقصان کا مگر وہ جو چاہے اللہ تعالیٰ اور اگر غیب کو جانتا ہوتا۔ تو البتہ اپنے لئے بہت کرلیتا بھلائی کو۔ اور نہ مجھ پر پہنچتی کوئی برائی، (پارہ بیس سورۃ نمل) قال اللہ تعالیٰ قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ [13] ترجمہ: کہو تو اے محمد نہیں جاتا آسمانوں اور زمینوں میں کوئی شخص غیب سوائے اللہ تعالیٰ کے اور نہیں جانتے ہیں وہ کہ کب کب اٹھائے جائیں گے۔ پارہ اکیس سورۃ لقمان قال اللہ تعالیٰ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ [14] ترجمہ: اور نہیں جانتا کوئی نفس کہ کس زمین میں مریگا تحقیق اللہ جاننے والا ہے خبردار۔ پارہ ہفتم سورۃ انعام ۔ قال اللہ تعالیٰ قُل لاَّ أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَآئِنُ اللّهِ وَلا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ

إِنْ أَتَّبِعُ إِلاَّ مَا يُوحَى إِلَيَّ (15) ترجمہ: کہہ تو اے محمدؐ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور میں نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں تو اس بات کی تعبیداری (تابعداری) کرتا ہوں جو مجھے وحی ہوتا ہے۔

اسمائے مفتیان میانوالی و چھچھ وغیرہ ذیل میں درج ہیں۔

مولانا حسین علی واں بھچراں، مولانا نصیر الدین غور غشتی، مولانا سعد الدین جلالوی، مولانا محمد قطب الدین غور غشتی، مولانا عبد اللہ جان جلالوی، مولانا محمد یوسف جلالوی، مولانا عبد الرحمن حمیدی، مولانا محمد رمضان، مولانا فیض رسول کیمل پوری، مولانا سید محمد ڈیروی، مولانا عبد الحق، مولانا عبد الکریم، مولانا حبیب اللہ ڈیروی، مولانا احمد ڈیرہ اسماعیل خان (16)

مولانا گانگوی کا نقد اور سید امیر علی گانگوی کی کتاب تحفہ لاریب:

اس فتویٰ کا تعاقب کرتے ہوئے مولانا گانگوی نے لکھا۔

> "تحریر کا یہ عالم ہے کہ اسی مسئلہ علم غیب کے بارے میں تمام پارٹی کے بڑے میاں اور چھوٹے میاں ڈیرہ اسماعیل خان سے کاملپور تک اور چیچھ ہزارہ غور غشتی سے گدائی تک کے تمام ممبران نے جمع ہو کر ایک چھوٹا سا ہشت ورقہ موازن چہار ورقہ لکھا مگر وہ بھی ایسا خبط اور بے ربط کہ نہ اس میں موضوع ہے اور نہ ہی تقریر مدعا، حالانکہ حسب دستور وصوابدید علما ہر زمان پہلے مدعا کی تقریر مفصل لکھتے اور اس کی ہر جزو کا اثبات کرتے جس سے معلوم ہو جاتا کہ اصل موضوع اس رسالہ کا کیا ہے۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند"(17)

مولانا گانگوی مذکورہ بالا فتویٰ کے مندرجات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان بے چاروں میں سے جس کو کوئی آیت اپنے مطلب کے مطابق یاد تھی وہ لکھ دی اور جس کو کوئی حدیث اس مضمون کی آگئی وہ لکھ دی اور جس کو کوئی ملفوظ آگیا وہ لکھ مارا، ترتیب کیا اور تہذیب کہاں کی، غرض ان کے کمالات علمی کیا کیا بیان کئے جائیں"(18)

مولانا حسین علی کے فتویٰ تکفیر کے اثرات:

مذکورہ فتویٰ کی وجہ سے کشیدہ حالات اور ان کے اثرات کا تذکرہ مولانا گانگوی نے اپنی کتب اور فتاویٰ میں جا بجا کیا ہے۔ یہاں صرف لوامع الضیاء کا حسب ذیل اقتباس پیش خدمت ہے۔

"اس بحث کو اگر ہم چھیڑیں تو دفتر وسیع چاہیے لیکن یہ مشت نمونہ خروار، ان کے علمی سرمایہ کا موازنہ ہدیہ ناظرین ہے، اس پر اہل عقل سلیم ان کی تبحر علمی کا اندازہ لگا سکتے ہیں، عقل کا حال یہ ہے کہ جب کسی تقریر یا تحریر پر زبان یا قلم اٹھائیں تو کفر و شرک کے سوا کوئی کلمہ نہیں نکلتا اور اسی پر بس نہیں بلکہ فسخ نکاح اور عدم جواز بیعت و سلام و کلام تک نوبت کو پہنچا دیتے ہیں، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ان کے گھر میں کفر و شرک کا خزانہ ایسا وسیع ہے کہ شب و روز اس کو تقسیم کرتے کرتے تھک گئے مگر اس خزانہ میں سر مو کمی نہ آئی، کمی آئے کیوں، خاصہ لازمہ اپنے معروض سے کبھی منفک نہیں ہوتا خواہ اس کے جدا کرنے میں کتنی ہی کوشش کی جائے مگر پھر بھی لوٹ لوٹ کر اپنے معروض سے عارض ہو جاتا ہے، اس تمام کاروائی کا اثر ان کی اپنی پارٹی

پر پڑا، ان میں سے جو جو شخص کسی مسجد کا امام تھا، اس کو مسلمانوں نے
امامت سے معزول کر دیا، اور جو کسی مدرسہ اسلامیہ کا معلم تھا، اس کو
برطرف کر دیا گیا اور جس کا گزارہ وعظ و گداگری پر تھا اس کو دوران
اجلاس منبر سے اتارا گیا غرض کونسا قسم اہانت کا جہاں میں ہے جو ان
کے ساتھ نہیں کیا گیا"۔(19)

سید احمد الدین گانگوی کے تلمیذ رشید مولانا امیر علی گانگوی کی کتاب اور اس کے تائید کنند گان:

اس فتویٰ کا مبسوط جواب مولانا گانگوی کے تلمیذ رشید اور مدرسہ گانگوی کے مدرس مولانا امیر علی گانگوی نے تحفۃ لاریب فی تقاسیم علم غیب جیسی معرکۃ الاراء کتاب میں دیا۔ یہ کتاب تین سو صفحات پر مشتمل تھی اور شاید برصغیر میں اس وقت تک علم غیب پر لکھی گئی کتابوں میں سب سے جامع کتاب تھی۔ اس کتاب کے تائید کنند گان میں برصغیر کے اجلہ علماء کرام مولانا احمد الدین گانگوی، مولانا احمد خان بانی خانقاہ سراجیہ، مولانا غلام محمود پپلانوی، مولانا یار محمد بندیالوی، مولانا غلام نبی امام جامع شہر لیہ، پیر جماعت علی شاہ، مولانا نور محمد ہاشمی، مولانا نور محمد ملتانی، مولانا حامد رضا خان خلف الرشید مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا سید غلام قاسم چک بندی، مولانا حسام الدین رکھی نمل، مولانا غلام یٰسین واں بھچراں، مولانا نعیم الدین مراد آبادی وغیرہ شامل تھے۔

سید احمد الدین گانگوی کی نظر میں اختلاف کا بانی:

بقول مولانا گانگوی اختلافات کی بنیاد مولانا حسین علی اور اس کی جماعت نے رکھی۔

"بد قسمتی سے جب مذہب وہابیہ پیدا ہو گیا تو مسلمانوں کو کافر بنانے کے لئے طرح طرح کے حیلے تراش کر لئے۔ پہلے تو علم غیب کی بحث چھیڑ دی جب اس میں منہ کی کھائی تو کلی جزوی گھڑ لی جب اس سے بھی خالی ہاتھ آئی تو حاضر ناظر ونداء غائبانہ کے بہانہ سے کفر وشرک کا طوفان بے تمیزی بہادیا۔ غرض کفر کے متعدد گڑھے کھود کر مسلمانوں کو دھکیل کر ان گڑھوں میں گرانے کی سر توڑ کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔" (20)

مولانا گانگوی نے جملہ اختلافات کا بانی مولانا حسین علی اور ان کے حامی علماء کو قرار دیا ہے۔

"اگر علم غیب کا مسئلہ چھیڑا تو وہابیوں نے کلی جزوی نداء غائبانہ حاضر وناظر سب ہی انہیں کے طبع زاد ہیں۔ اس میں علماء اہل سنت والجماعۃ کی طرف سے صرف ان بے دینوں سے مقابلہ کرنا اور ان کے عقائد فاسدہ سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا جن کی ہمت عالیہ کے نتائج ہیں کہ اللہ جل جلالہ نے مسلمانوں کو اس ناپاک فرقہ کے شرور و مکائد سے بچالیا۔ اب عموماً مسلمانان اس کی مکاری وبدکاریوں سے واقف ہو گئے ہیں۔ جو نہ ان کے جلسوں میں شامل ہوتے ہیں اور نہ ان کی بات سنتے ہیں۔ انگشت نما بن گئے ہیں۔ غرض ہر فتنہ کی بدایت وہابیوں سے ہوئی ہے اور دفاع فتنہ علماء اہل سنت سے"۔ (21)

ہندوؤں سے مراسم کو تفریق بین المسلمین کا پیش خیمہ قرار دینا:

سید گانگوی نے جب لوامع الضیاء لکھی اس وقت تک مولانا حسین علی سے

اہل سنت کی معرکہ آرائی کو دو عشرے گزر چکے تھے۔ درجنوں فتاویٰ مناظرے اور جلسے ہو چکے تھے۔ لوامع الضیاء کی تالیف سے تین سال قبل حضرت گولڑوی سے مولانا حسین علی کا مناظرہ ہو چکا تھا۔ لہذا اب پنجاب میں ایک واضح تقسیم نظر آرہی تھی۔ ایسے حالات میں مولانا گانگوی نے مولانا حسین علی اور اس کی جماعت کو تفردات کے پیش نظر کوئی الگ شناخت دینے کی بات کی اس کا ایک سبب یہ تھا کہ مولانا حسین علی اور ان کے حامی علماء کے ہندوؤں سے بڑے گہرے مراسم تھے۔ جس کا اندازہ قضیہ مسجد آریہ کے تناظر میں لگانا کوئی مشکل نہ تھا۔ ایسے میں مولانا گانگوی نے اس جماعت کے عقائد وافکار پر کچھ اس انداز میں اپنی آراء کا اظہار کیا۔

آپ لکھتے ہیں کہ پہلے اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ جس پارٹی کے خرافات سن کر میں نے دلی جوش میں آکر قلم اٹھائی ہے جس کو حسینیہ پارٹی کہتے ہیں، اس کا مذہب کیا ہے منہ سے تو اپنے آپ کو حنفی کہلاتے ہیں اور فروعات میں بھی حنفیہ کے مطابق عمل کرتے ہیں لیکن عقائد میں بالکل حنفیہ کے برخلاف اور کھلے وھابی بھی نہیں، کیونکہ وھابی کہلانے سے شرماتے ہیں اور وہابی ہوتے تو صاف کہہ دیتے کہ ہم وہابی نجدی ہیں اس میں ان کو کیا عار تھی اور سلسلہ بیعت وارشاد بھی جاری کیا ہوا ہے اور ساتھ ہی حضور کریم ﷺ کے کمالات وفضائل اور اولیائے کرام کی کرامات کے منکر۔ مزید لکھتے ہیں کہ:

> میرے خیال میں یہ لوگ نہ حنفی ہیں، نہ شافعی، نہ مالکی نہ حنبلی اور نہ ہی کھلے وہابی کیونکہ وھابی گو اکثر اعتقادات میں تو ان سے متحد ہیں مگر ایسے ہر محفل، ہر مجلس، ہر تقریر، تحریر میں تنقیص شان حضور کریم

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے درپے نہیں ہوتے اور نہ ہی ان میں اس قدر غلو ہوتا ہے۔ ہاں کہیں موقعہ پر اتفاق سے ایسی بات کہہ گزرتے ہیں مگر وہ بھی کنایۃً اور پھر ساتھ ہی حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی مدح و ثنا اور اتباع سنت سید ہر دو سرا کی تحریص کر دیتے ہیں جس سے عناد الرسول کا دھبہ ان سے اٹھ جاتا ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ جو جو باتیں وھابی لوگ کرتے ہیں یہ تمام اتباعِ سنتِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی محبت کے تقاضے ہیں، بخلاف اس مردود پارٹی کے کہ جب بھی حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تعریف کسی محب رسول کے منہ سے نکلے تو ان بے چاروں کے کپڑوں کو آگ لگ جاتی ہے، تمام تن من جل جاتا ہے، بے تحاشہ مقابلہ کو بھڑک جاتے ہیں، اور اگر عیاذ اباللہ کوئی خبر کسر شان کی سنیں تو خوشی کے نعرے مارتے ہوئے تالیاں بجاتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ حال میں عیسائی پادری بھی معاند الرسول تو ہیں مگر ہندو آریہ سب سے زیادہ متعصب اور دشمن ہیں، حضور کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تنقیصِ شان میں بڑی تبلیغ کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، رسائل و اخبارات شائع کر رہے ہیں اور اس مد کے واسطے بڑا سرمایہ جمع کر رکھا ہے۔ جس سے ضعیف ایمان مسلمانوں کو تنخواہیں دے کر خفیہ نمائندہ بنا رکھا ہے۔ وہ مسلمان بظاہر بڑے مولوی اور پیشواء خلق ہوتے ہیں۔ اگر یہ پارٹی بھی اسی مد کے ممبر ہو تو عجب نہیں اس پر قرائن بھی موجود ہیں۔[22]

مسجد آریہ کے قیام کی وجہ سے مولانا گانگوی ہمیشہ اس بات کے شاکی رہے کہ مولانا حسین علی اور ان کی جماعت کے ہندوؤں سے درپردہ مراسم ہیں۔ تحریک

پاکستان کے دور میں مولانا حسین احمد مدنی کی میانوالی آمد اور ایک ہندو پنڈت کے ہاں قیام کی وجہ سے مولانا گانگوی نے الشعلۃ الجباریہ میں اور دیگر رسائل میں اس بات کا جا بجا تذکرہ کیا کہ ان کے ہندوؤں سے مذہبی اور سیاسی روابط ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میانوالی میں ہونے والے اکثر جلسے، جن کا اہتمام مولانا حسین علی کے حامی علماء کرتے، ہندوؤں کی حویلیوں میں انعقاد پذیر ہوتے۔ جس سے یہاں کے علماء یقینی طور پر اس بات کے قائل تھے کہ مولانا حسین علی مسلمانوں کے مابین تفریق پیدا کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ سید احمد الدین گانگوی لوامع الضیاء میں لکھتے ہیں کہ:

(1) جب علماء اسلام نے ایک جلسہ دربارہ بیان فضائل و کمالاتِ آں سرورِ کائنات ﷺ میانوالی منعقد کرنا چاہا تو اس میں رکاوٹ کا حق اگر تھا تو ہندوؤں کو تھا۔ مگر ہندوؤں نے اس کے برخلاف کوئی تحریک نہیں کی بلکہ اسی پارٹی نے اس کے رکاوٹ کی از حد کوشش کی جو بفضلہ تعالیٰ ناکام رہے۔ اور جلسہ امید سے بڑھ کر زیادہ رونق افروز ہوا۔

(2) جس وقت علماء آئے اور حضور ﷺ کے فضائل و کمالات بیان فرمائے تو ہندو بالکل خاموش ہوگئے مگر اس پارٹی نے بذریعہ اشتہار اعلان دیا کہ جو فضائل حضور ﷺ کے علماء نے بیان کئے ہیں۔ وہ غلط ہے۔ اتنے فضائل حضور ﷺ کے کہاں سے آئے۔ ہمارے ساتھ مناظرہ کرو اس سے مسلمانوں کا تو کچھ بگڑا نہیں لیکن ہندو بہت خوش ہوئے اور جو زخم ہندوؤں کو اس جلسہ سے ہوئے ان کی گڑبڑ سے یکدم مندمل ہوگئے۔

(3) اس اسلامیہ جلسہ کے صدمہ نے ان بے چاروں کو ایسا بے قرار کیا کہ اس کے جواب میں انہیں دوسرا جلسہ، جس میں مراد توہین رسول ﷺ کی تھی اپنی پارٹی کے تمام ممبران کو بلا کر کرنا پڑا چنانچہ وہ جلسہ میانوالی کے کسی مسلمان کے مکان پر نہ ہوا بلکہ بیرون شہر ایک ہندو کے مکان میں وہ جلسہ ہوا اس سے پایا جاتا ہے کہ یہ جلسہ حسب خواہش اہل ہنود منعقد ہوا ہے۔

(4) اس جلسہ کے حضار عموماً اہل ہنود تھے۔ ان امور سے صاف ظاہر ہے کہ یہ پارٹی ہندوؤں کی خفیہ نمائندہ ہے ورنہ ایسا زور لگا کر حضور اکرم ﷺ کی تنقیص شان کی کوشاں نہ ہوتے۔ حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے اگر واقعی ایسے ہندوؤں کے نمائندہ ہیں تو خدا ان کو ہدایت کرے۔ دنیا کی لالچ میں دین کو برباد اور خلق میں بنائے فساد ڈال رہے ہیں۔[23]

مسئلہ علم غیب میں مجالس و محافل اور فتاویٰ و مناظرے:

سید احمد الدین گانگوی نے اس بات کو بڑی تفصیل کے ساتھ جابجا بیان کیا کہ پنجاب میں وہابیوں کی جو جو مجالس اور محافل ہوا کرتیں ان کا مرکزی موضوع مسئلہ علم غیب ہوتا۔ مولانا گانگوی رقم طراز ہیں۔

"اب بھی نجدیوں کو حرمین شریفین پر مسلط دیکھ کر تمام نجدی خیال ہندوستانیوں و پنجابیوں نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے جبری تبلیغ شروع کر دی مگر ان شاء اللہ کبھی اس میں کامیاب نہ ہوں گے لکل فرعون موسی اھل حق ان کی سرکوبی کے لئے ہر جگہ موجود ہیں

اگر حملہ نہ سہی تو مدافعت کر ہی سکتے ہیں، ان کے تمام منصوبے خاک
میں ملادیں گے"۔(24)

بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں درجنوں مناظرے ہوئے اور جانبین کی طرف سے بیسیوں فتاویٰ جاری کئے گئے۔ معروف مناظروں، مباحثوں اور جلسوں میں ہندوستان کے جو معروف علماء ومشائخ پیش پیش رہے ان میں پیر سید مہر علی شاہ، خواجہ ضیاء الدین سیالوی، مولانا احمد الدین گانگوی، شیخ الہند مولانا معین الدین اجمیری، مولانا غلام محمود پپلانوی، مولانا یار محمد بندیالوی، مولانا احمد خان، مولانا انور شاہ کاشمیری، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا فاضل محمود گنجوی اور مولانا اکبر علی چشتی وغیرہ کے نام زیادہ اہم ہیں۔

سب سے معروف مناظرہ پیر سید مہر علی شاہ اور مولانا حسین علی کے مابین ہوا۔ یہ مناظرہ 1924ء میں واں بھچراں کے مقام پر ہوا۔ اس مناظرے کے لئے مولانا حسین علی اور اس کی جماعت نے مسلسل تین ماہ تک تیاری کی، مگر جب پیر صاحب میدان مناظرہ میں تشریف لائے تو مولانا حسین علی میں آپ کا سامنا کرنے کی تاب نہ تھی۔ اس مناظرے کے کچھ عرصہ بعد مولانا حسین علی سے مولانا غلام محمود پپلانوی اور مولانا یار محمد بندیالوی سے مناظرہ ہوا۔ پھر اس کے متصلاً بعد دو سال مسلسل مولانا حسین علی مناظرہ کی غرض سے عرس مبارک آستانہ عالیہ سیال شریف کی نشستوں میں شریک ہوئے۔ جہاں انہیں مولانا اجمیری و گنجوی سے سابقہ پڑا۔ تیسرے ہی عشرے میں علم غیب کے موضوع پر تین معروف کتابیں تالیف کی گئیں۔

☆ نجم الرحمن (مولانا غلام محمود پپلانوی)

☆ صاعقۃ الرحمن علیٰ حزب الشیطان (مولانا قاضی نور محمد)

☆ لوامع الضیاء فی علوم سید الانبیاء (مولانا احمد الدین گانگوی)

اس کے علاوہ ملا نظام الدین ملتانی نے القول الجلی فی رد حسین علی کے نام سے بھی ایک رسالہ تالیف کیا۔

مولانا گانگوی سے علاقہ کے بااثر شخصیات نے التماس کی اور کئی علماء اس پیغام کے ساتھ آپ کے پاس آئے کہ دو عشروں سے جاری اس مناظرانہ کشمکش کا خاتمہ کیا جائے اور تصفیہ کی کوئی نہ کوئی صورت تلاشی جائے۔ مولانا گانگوی نے اس پیش کش کو خوش آمدید کہا آپ کی کاوشوں سے 1347ھ میں فریقین کے مابین تصفیہ کے لئے جامع مسجد میاں سلطان علی میں ایک اجلاس کیا گیا مگر مولانا حسین علی کی یکطرفہ کاروائیوں کی وجہ سے اتحاد کی یہ کاوشیں کارگر ثابت نہ ہو سکیں۔ مولانا گانگوی نے ان تمام تفاصیل کو موقع بہ موقع اپنے رسائل میں بیان کیا۔[25]

مولانا حسین علی کے آستانہ عالیہ سیال شریف میں ہونے والے مباحث:

مولانا حسین علی کے آستانہ عالیہ سیال شریف ہونے والے مناظروں، مباحثوں کا ذکر کرتے ہوئے مولانا گانگوی لکھتے ہیں۔

> "دربار عالیہ سیال شریف دوبار حاضر ہوئے پہلی دفعہ علم ماکان ومایکون کلی وجزئی آنحضور ﷺ کو حاصل ہونے کا اقرار وانکار اور فرار کرتے ہوئے اپنے آپ کو جماعت حقہ حنفیہ میں شمار ہونے کا حظ لیا۔ دوسری دفعہ بڑے زور وشور سے بڑھ چڑھ کر آئے اور جو تجویزیں موافق یامخالف ان کے پاس تھیں، حضرت غریب نواز حضرت قبلہ سجادہ

نشین صاحب سیال شریف کے سامنے سب پڑھ کر سنائیں، مناظرہ کی صورت بنائی، مولوی صاحب مولانا فاضل محمود گنجوی بالمقابل سینہ سپر ہوئے مگر ان بے چاروں کے چھکے صرف مولانا فاضل اجمیری شیر اسلام کی صورت دیکھتے ہی چھوٹ گئے، حواس باختہ ہو گئے مقابلہ سے عاجز آکر بسر اجلاس کہہ دیا کہ ہم مناظرہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ طالب حق ہو کہ مسئلہ علم غیب پوچھنے آئے ہیں، جو فیصلہ دربار عالیہ سے ہو گا ہمیں بسر و چشم منظور و مقبول ہو گا اس سے سر مو انحراف نہ کریں گے۔ فریقین کو اس امر کے اقرار نامہ تحریر کرنے کا حکم ہوا تا کہ کسی فریق کو انکار کی گنجائش نہ رہے۔اس پر بات ختم ہوئی اور مجلس قوالی حسب دستور مشائخ چشتیہ عالیہ شروع ہوئی، حسن اتفاق سے قوالوں نے پہلے پہل اس مولود شریف پر افتتاح مجلس پاک کیا

غریبم یارسول اللہ غریبم
زاقبال وصالہت بے نصیبم
مرض دارم زعصیان لادوائے
مگر الطاف تو باشد طبیبم

لفظ یارسول اللہ کا سنتے ہی ان کے چہرے فق ہوئے آنکھیں سفید ہوئیں مگر ہجوم خلقت نے ان کو کہیں نکل جانے کا رستہ نہ دیا، ان بیچاروں پر نہایت ہی غم و اضطراب کا عالم طاری تھا حیران سر گردان ہو کر کچھ تو بیٹھے مگر بالآخر اس یارسول اللہ کے تیر نے ان کے سینوں کو زخمی کر دیا اور بیٹھنے نہ دیا سراسیم ہو کر نکل بھاگے اور فیصلہ وہیں کا رہا۔

پر تونیکاں نہ گیرد ہر کہ بنیادش بلاست
تربیت نااہل راچوں کردگان ہر کہہ است[26]

مولانا گانگوی مزید لکھتے ہیں۔

افسوس کہ بدبخت پارٹی ایسی مبارک مجلس میں جہاں حضرت ﷺ کے فضائل وکمالات اور محبت اشتیاق کا درد آمیز کلمات سے اظہار ہو رہا تھا، بیٹھ نہ سکے، میں نہایت وثوق سے کہتا ہوں کہ اگر اس مجلس میں نیاز مندانہ بیٹھ کر ان الفاظ سوزوگداز کو اخلاص کے ساتھ سنتے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس مجلس کا اثر ایک لمحہ میں دیکھ لیتے اور محسوس کر لیتے کہ منازل علیا اور مقاصد اقصیٰ کے پہنچنے کو کونسی سیڑھی برتر ہے۔

جائے کہ زاہدان بہزاد اربعین رہند
مست شراب عشق بیک آہ مے رسد

اور دیکھ لیتے کہ تجلیات اسرا سر مدینہ وفیوض انوار محمدیہ کی بوند باری سے کس طرح مندفع ہو کر دل منور اور شیشے کی طرح صاف اور شفاف ہو جاتے ہیں، جس سے یہ کام جھگڑے ختم ہو جاتے اور جملہ عناد اور عداوت وحسد و دھو کہ مبنی ومنشا ان تمام تنازعات کا ہے۔ یکدم کافور ہو جاتا ہے پھر دیکھتے کہ کس قدر لطائف کھلتے مگر ان کی قسمت میں یہ سعادت کہاں

این سعادت بزور بازونیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

بے چارے عین موقعہ پر پہنچ کر اور مجلس متبرک میں داخل بھی ہوئے مگر

پھر بھی بے نصیب رہے۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر آب حیواں تشنہ مے آرد سکندررا

اسی طرح دربار عالیہ سیال شریف میں بھی عرس کے موقع پر بڑے کروفر سے حاضر ہوئے مگر علماء کرام کا ہجوم بالعموم اور مولانافاضل ہند وشیر اسلام مولوی معین الدین صاحب اجمیری کی صورت بالخصوص دیکھتے ہی بے چارہ بڑے میاں مرعوب ہوکر مستفتی بن بیٹھا اور سائل بن کر شیر ان اسلام کے حملہ سے جان بچائی اور موقع تاڑ کر بھاگ گیا،ہاں، ہم اس کی چالاکی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے، چالبازی اور زمانہ سازی کا اس کے پاس کافی سامان ہے، اگر اس موقعہ پر مستفتی اور سائل نہ بنتا تو اس بے چارے کے پرزے اڑ جاتے علما کرام نے پورا تہیہ کرلیا تھا کہ اب شغال بیابانی موقع پر قابو میں آگیاہے، اس کی خوب خبر لینی چاہیے اس کو اجلاس عام میں ایسا لاجواب کیاجائے کہ اپنے منہ سے کہے کہ لاجواب ہوں اور اپنے مزعوم فاسد سے تائب مگر اس کی بد قسمتی نے اس کا موقع ٹال دیا۔[27]

شمس الاسلام بھیرہ بابت ماہ نومبر / دسمبر 1926ء عرس سیال شریف کی روئیداد کے بیان میں مولانا حسین علی کی سیال شریف دوسری مرتبہ آمد کا تذکرہ کچھ اس انداز سے کیا گیا۔ ابھی تذکرہ کے متعلق بحث کا سلسلہ جاری تھا کہ کسی آدمی کے ذریعہ معلوم ہوا کہ جناب مولوی حسین علی ساکن واں بھچراں معہ اپنی جماعت پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب اپنے علاقہ کے ممتاز فاضل اور نقشبندی سلسلہ کے مشہور شیخ ہیں۔ عرصہ تین سال سے آپ نے اپنی زندگی کا اہم مقصد یہ سمجھ رکھا ہے

کہ لوگوں کے ذہن نشین اچھی طرح کرا دیا جائے کہ حضور سرور کائنات ﷺ کو علم غیب حاصل نہ تھا۔ چنانچہ آپ نے اور آپ کے متبعین علماء نے ایک فتویٰ دیا ہے جس میں حضور ﷺ کو عالم الغیب کہنے والے کی تکفیر کی گئی ہے۔ امیر ضلع میانوالی کے علماء نے ان سے مباحثہ و مناظرہ کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ عرس شریف کے موقع کو غنیمت سمجھ کر مولوی صاحب ممدوح معہ اپنی جماعت کے اس غرض سے سیال شریف حاضر ہوئے تاکہ حضرت صاحب قبلہ سجادہ نشین صاحب عم فیوضہم کو اپنا ہم خیال بنا سکیں۔

خاص جلسہ میں جناب مولوی حسین علی صاحب نے علمائے دیوبند وغیرہ کے فتاویٰ و دلائل بلند آواز میں پڑھ کر سنائے۔ اور فریق ثانی کے دلائل بھی علمائے بریلی کے فتاویٰ سے پڑھ کر سنائے اور حضرت سجادہ نشین صاحب قبلہ سے ثالثی کی درخواست کی۔ مولانا مولوی محمود صاحب گنجوی نے درخواست پیش کی کہ جلسہ عام میں مولوی حسین علی صاحب اپنے عقیدہ کے اثبات میں دلائل پیش کریں۔ اور میں ان کے جواب میں آدھ گھنٹہ تقریر کروں گا۔ بعد ازاں حضرت سجادہ نشین صاحب کی طرف حضرت معین الدین صاحب اپنا فیصلہ دے دینگے۔ گرمی کی شدت اور کثرت اژدھام کی وجہ سے جلسہ برخواست ہوا۔ اور 1 بجے مجلس خانہ میں اجتماع کثیر ہوا۔ مولوی حسین علی صاحب نے کھڑے ہو کر اپنی طرف سے اور اپنی جماعت کی طرف سے اعلان کیا کہ میں کسی مناظرہ، مباحثہ مجادلہ کے لیے حاضر نہیں ہوا۔ میری ہرگز یہ خواہش نہیں کہ یہاں گفتگو کروں۔ بلکہ میں صرف حضرت سجادہ نشین صاحب اور مولانا معین الدین صاحب کی رائے دریافت کرنے کے لیے آیا ہوں۔ اس پر مولانا

معین الدین صاحب اجمیری نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ فریقین اپنے اپنے عقائد مع دلائل لکھ دیں۔ اور دربار سیال شریف کے فیصلہ کو تسلیم کرنے کا اقرار کریں۔ تب فیصلہ دیا جائے گا۔ ورنہ بحالت موجودہ بغیر فریقین کی تحریرات کے موصول ہونے کے فیصلہ دینا نامناسب ہے۔ چنانچہ اس طرح اس ناگوار قضیہ کا خاتمہ ہوا۔[(28)]

پیر سید مہر علی شاہ سے مناظرہ:

مولانا گانگوی پیر مہر علی شاہ صاحب کے ساتھ ہونے والے مناظرے کا احوال کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

> "اس ملک کے ہر فرد بشر پر روز روشن کی طرح واضح ہو گا کہ اس پارٹی کے پاس نہ علم ہے نہ عقل نہ دیانت نہ امانت اب ان تمام امور کے فقدان پر انسان کی حیاتی پر موت کو ترجیح ہونی چاہیے۔ ویسے تو ہر کوئی اپنے آپ کو بڑا عالم کہلا سکتا ہے۔ اپنے منہ میاں مٹھو بننا، مگر علم کے اظہار کی عموماً دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک تقریر دوسری تحریر، جس وقت فاضل اجل عالم بے بدل جناب حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب مسند آرا گولڑہ شریف کے ساتھ اسی مسئلہ غیب میں مناظرہ مقرر ہوا تو اس پارٹی نے متواتر تین ماہ تیاری میں گزارے، جب حضرت صاحب نے شروع بحث میں ہی آیت شریفہ لایعلم الغیب الاھو تصدیق اور اقسام کا ان سے سوال کیا ہے تو ان کے بڑے میاں پر لرزہ اور رعشہ طاری ہو گیا جس سے وہ مبہوت اور مخبوط الحواس اور لاجواب ہو گیا، تدورا اعینھم بن کر کچھ تو بیٹھا مگر بالآخر مجبور ہو کر نکل بھاگا، تمام پارٹی نے پکڑنے اور بٹھلانے پر بہت ہی کوشش کی مگر اس

بیچارے کو حضرت پیر صاحب تجلیات انوار ربانی نے ایسا مرعوب کیا
کہ اس کو وہاں بیٹھنا موت نظر آیا، آخر ہاتھ چھڑا کر نکل بھاگا۔"(29)

مولانا غلام محمود پپلانوی سے مناظرہ:

پیر سید مہر علی شاہ صاحب کے بعد مولانا غلام محمود پپلانوی اور مولانا یار محمد بندیالوی سے ہونے والے مناظرے کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا گانگوی لکھتے ہیں۔

"پھر دوسری دفعہ اسی مسئلہ میں مولانا غلام محمود صاحب ساکن پپلاں کے ساتھ واں بھچراں میں مناظرہ کیا اس مناظرہ میں بھی تمام افراد اس پارٹی کے جمع ہوئے لیکن اس بڑے میاں بیچارے کے سر پر پھر آفت آگئی اور ذلت وہزیمت کا بوجھ پھر اٹھانا پڑا، بیچارہ لاجواب اوراسکت من البحر ہو کر بلکہ زارزار رو کر نکل بھاگا جس سے فضیحت اور خجالت تمام پارٹی کو نصیب ہوئی۔"(30)

مناظرہ واں بھچراں کے متعلق مولانا حسین علی کی طرف سے شائع کردہ اشتہار:

اس مناظرہ کے متعلق مولانا حسین علی واں بھچروی اور اس کے متعلقین نے ایک اشتہار شائع کیا مشتہر مولوی محمد اکبر اور عنوان "مناظرہ واں بھچراں کی اصل حقیقت، اہل حق کا بول بالا" تھا۔ مکمل اشتہار یہاں درج کیا جاتا ہے تاکہ مناظرہ مذکورہ کے متعلق مولانا حسین علی کی رائے جاننے میں آسانی ہو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مناظرہ واں بھچراں کی اصل حقیقت، اہل حق کا بول بالا جھوٹوں کا منہ کالا

خداوند تیری قدرت پہ ہم حیران ہوتے ہیں
اور اس پیر فلک کے بھی عجب سامان ہوتے ہیں
جنہیں انکار قرآں سے جنہیں اعتراض سنت سے
وہ ابلیس وشقی ازلی وہی شیطان ہوتے ہیں
جو خالق اور مخلوقات کے علمی مساواتی
کریں دعویٰ مسلمانی وہ بے ایمان ہوتے ہیں
جو کہیں علم نبی ہے علم اللہ کا مساواتی
اور صرف بالواسطہ کے فرق میں غلطان ہوتے ہیں
لاتدری ماا حد ثوابعدک بخاری میں
سنیں مشرک پڑھیں جاہل تو بادرمان ہوتے ہیں
جو علم الغیب خاصہ ہے میرے مالک ومولاکار
وہ سونپیں غیر کو احمق وہی نادان ہوتے ہیں
جنہیں ملعون ہے کہتا وہ حضرت پیر بغدادی
وہابی ہم کو کہتے ہیں عجب حیران ہوتے ہیں
خدا کی ہے قسم ہم کو وہابی ہم نہیں ہرگز
کہ بدعت کی نفوری سے یہ سب بہتان ہوتے ہیں
اگر کوئی عیب ہے ہم میں تو ہے یہ صرف اتنا ہی
رسول مکی ومدنی پہ ہم قربان ہوتے ہیں

الحمدللہ وحدہ والصلوٰۃ علی من لانبی بعدہ امابعد جمیع اہل انصاف پر واضح ہو کہ

مناظرہ واں بھچراں کے عنوان سے جو اشتہار شائع کیا گیا ہے اس میں علاوہ فحش لسانی اور بازاری گالی گلوچ و کمین پن اور رذیلہ بازی کے کذب و بہتان اور مکر و فریب عیارانہ چالاکی وانصاف کشی سے نہایت جہالت و بے باکی سے کام لیا گیا اور تصویر کے اصل رخ پر پردہ ڈالنے کی کوشش خوف خدا کو بالائے طاق رکھ کر کی گئی ہے اور بقول شخص کہ چہ دلا وراست دزز دے کہ بکفر چرغ دارد کا مصداق بننے میں کوئی کمی وکسر اٹھا نہیں رکھی گئی۔ اور طرہ یہ کہ اس سراسر لغو بیہودہ گوئی از ابتدا تا انتہا کا خاتمہ بھی جھوٹ پر کیا گیا ہے۔ یعنی المشتہران غلام محمد سرسی و غلام نبی ساکن لیہ، ناظرین! مسلمان اہل علم تو بجائے خود ہندو مردم شناس بھی جانتے ہیں کہ سرسی وامام جامع لیہ اولئك كالانعام بل هم اضل سے اہل علم کے نزدیک زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ گلستان و بوستان جیسی اولیٰ کتابیں سمجھنے سے عاجز و قاصر ہیں۔ حقیقت میں مشتہر مولوی یار محمد ساکن بندیال، مولوی غلام محمود پپلانوی تھے۔ قیامت ہے کہ جو لوگ شرم وحیا سے کوسوں دور علم و عمل کے کوچہ سے نابلد وہ کھلے بندوں، اہل اللہ کی توہین میں دریدہ دہنی کرنے کے علاوہ اشتہار بازی کرتے ہوئے اپنی شہرت کا ذریعہ واحد خیال کریں۔ (31)

ناظرین۔ تصویر کا اصلی رخ یہ ہے کہ مناظرہ واں بھچراں کے دن موضوع مناظرہ یہ تھا کہ ہر چیز کا ہر وقت علم سوائے ذات باری کے کسی کو نہیں۔ ہاں بذریعہ وحی انبیاء وذریعہ الہام اولیائے کرام کو جو اللہ چاہے بتلاتا ہے جیسے ہمارے رسول کریم ﷺ کو ہزار بلکہ لکھو کھہائے مغیبات پر اطلاع فرمائی۔ مگر حاضر ناظر خدا کا خاصہ ہے۔ اس کے مدعی حضرت مولانا فداہ قلبی وروحی حسین علی صاحب تھے۔ فریق ثانی یار محمد و مولوی غلام محمود کا دعویٰ یہ تھا کہ نہیں حضرت کا علم اور باری تعالیٰ کے علم میں

من کل الوجوہ مساوات ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ علم باری تعالیٰ بلاواسطہ اور علم الرسول بالواسطہ ہے اور رسول ﷺ ہر وقت ہر ایک چیز کو مانند خدا کے دیکھ رہے ہیں۔ اور دلیل دعویٰ میں یہ آیت پیش کی۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا۔[32] اور کہا کہ الغیب میں الف لام استغراقی ہے اور غیبیہ میں اضافت بھی استغراقی ہے اور استثناء بھی متصل ہے جس کے ترجمہ میں یوں درافشانی کی کہ جمیع مغیبات کا علم باری تعالیٰ کو ہے اور جمیع مغیبات پر کسی کو اطلاع نہیں دیتا مگر جس کو رسولوں سے پسند کر دے۔ لہذا ہمارے نبی کو جمیع مغیبات پر مطلع کیا گیا ہے۔

اس پر حضرت مولانا حسین علی صاحب نے اعتراض فرمایا کہ تمہاری اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ معاذ اللہ خدا کے رسول نہ تھے کیوں کہ تمام آیت یہ ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ کہو میں نہیں جانتا جس کا وعدہ دیئے گئے ہو۔ قریب ہے یا بعید ہے کیوں کہ غیب اللہ اطلاع رسولوں کو ہوتی ہے۔ ناظرین حق جائے۔ اس وقت ملا محمود پر تشخص فیہ الابصار کا معاملہ ہو رہا تھا۔ اسی اثناء میں آپ کے خواجہ تاش مولوی یار محمد نے یوں امداد فرمائی کہ غیب سے مراد غیب بالذات ہے۔ تو حضرت مولانا حسین علی صاحب نے فرمایا کہ یک نہ شد دو شد کہ اب یہ ثابت ہوا کہ عالم الغیب بالذات جمیع مغیبات پر باری تعالیٰ ہے اور نہیں اطلاع دیتا جمیع مغیبات پر بالذات مگر رسول کو جمیع مغیبات پر بالذات اطلاع دیتا ہے ان کی اس ہرزہ سرائی و یاوہ گوئی پر تمام علماء کرام کو بے اختیار ہنسی آئی اور مولانا غلام رسول صاحب ساکنہ انھی نے فرمایا وادعو اشھداء کم ، تم کو مہلت ہے جواب دو ناظرین خدارا انصاف جن کا مبلغ علم یہ ہو۔ وہ قابل التفات علماء ہیں!

اشتہار مذکورہ میں الٹا یہ لکھا ہے کہ مولوی حسین علی صاحب مناظرہ میں رونے لگ گئے اس کا جواب لعنۃ اللہ علی الکاذبین ہے اور نیز یہ شعر کہ تہمت فسق از جہاں بربادنہ درفت۔ یوسف ایں را متحمل ومریم برداشت اور حضرت مولانا کی تکفیر سے گھبراتے کیوں ہو۔ یہ تکفیر ان کی خود ساختہ نہیں ہے۔ بلکہ اس اعتقاد والے کو حضرت پیر بغدادی غوث اعظمؒ وقرآن وحدیث ومذاہب اربعہ کافر وضال ومضل قرار دے چکے ہیں اور امکان کذب میں ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ جو خدا کو جھوٹا کہے اس پر خدا کی لعنت وہ کافر ملعون جہنمی ہے، باقی ملاں غلام محمود کا مباحثہ کرنا سبحان اللہ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔

المشتہر: منشی فاضل ومولوی فاضل محمد اکبر ضلع جہلم حال وارد ساڑھ روغہ (وزیرستان)، پریس ڈیرہ اسماعیل خان[33]

مولانا غلام محمود پپلانوی اور مولانا محمد بخش شاہ سے پپلاں میں مناظرہ:

سید گانگوی نے علامہ پپلانوی سے ہونے والے ایک اور مناظرے کا بھی اجمالاً تذکرہ کیا ہے:

> "البتہ ان وہابیوں کے اصلی دماغی معالجہ کرنے سے سردست ہم قاصر ہیں جس سے ان کے دماغ صاف ہو جاتے اور فتنے وفسادات کرنے سے قطعاً رک جاتے۔ وہ معالجہ اسی وہابی کا ہوا تھا جو کہ آج کل اس تمام فتنے کا بانی مبانی بنا ہوا ہے۔ میانوالی مسجد حاجی شمس الدین میں بموقعہ وعظ مولوی غلام محمد سرسی صاحب اس کا دماغ بالکل صاف ہو گیا تھا۔ لیکن آٹھ دس سال کے بعد پھر اوسی (اسی) دماغی خمار نے دورہ کر دیا

جو کہ قابل معالجہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس موضع جال تحصیل میانوالی میں
جو (جہاں) تمام وہابیان مجتمع ہو کر مولانا محمد بخش شاہ ومولوی غلام
محمود صاحبان کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لئے گئے وہاں بھی ان کا
دماغی تزکیہ اچھا ہو گیا۔"(34)

اس مناظرے کی زیادہ تفاصیل کا علم نہیں ہو سکا۔

علماء اہل سنت کی طرف سے دیئے گئے بعض اہم قلمی فتاویٰ:

بیسویں صدی کے تیسرے عشرے میں ہونے والے بعض اہم مناظروں کا تذکرہ کرنے کے بعد بعض اہم فتاویٰ بھی درج کئے جاتے ہیں جو علماء مشائخ اہل سنت کی طرف سے مسئلہ علم غیب میں جاری کئے گئے۔ طوالت سے بچنے کے لئے صرف اہم فتاویٰ یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ راقم السطور کے پاس ان قلمی فتاویٰ کے علاوہ دیگر فتاویٰ بھی موجود ہیں۔

فتویٰ مولانا محمد حسین مصدقہ خواجہ ضیاء الدین سیالوی:

استفتاء:

مورخہ 15 اگست 1926ء

از سیال شریف

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس شخص کے حق میں جس کا یہ عقیدہ حضور فخر دوعالم سرور کائنات ﷺ کے متعلق ہو کہ آنحضرت ﷺ ماکان ومایکون کے عالم تھے اور بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر، اور تمام کائنات سے کیا جن کیا بشر کیا ملک سب سے اعلم واشرف ہیں اور محکمات کے لحاظ سے علم آنحضور کا کلی ہے اور تشریعات

میں بھی علم کلی ہے اور تکونیات میں جس قدر آنحضور کو مطلع فرمایا گیا ہے۔ سب صحیح ہے ہاں مغیبات خمسہ آنحضرت کو یا کسی غیر اللہ تعالیٰ کو نہیں بتائی گئیں اور تمام معلومات مغیبات پر ایمان ہے۔ آیا اس کے پیچھے اقتداء جائز ہے یا نہ اور ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر کوئی عالم مغیبات خمسہ کے متعلق نص صریح قرآن پاک یا حدیث شریف یا قول حضرت سراج الامۃ امام اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا دکھلا دیوے (دے) تو بسر وچشم قبول ہے ہرگز انکار نہیں ہے تو آیا ایسے شخص کی امامت جائز ہے یا نہ بینوا و توجروا (المستفتی مسکین محمد شفیع عفا اللہ عنہ)

الجواب ھو الموافق للصواب:

ایسے عقیدے والے کے پیچھے نماز پڑھنا بلا کراہت درست ہے یہی عقیدہ جمہور اہل سنت کا ہے واللہ اعلم بالصواب، محمد حسین عفی عنہ صدر مدرس ضیاء شمس الاسلام سیال شریف۔

"میں اس استفتاء کے جواب کی تصدیق کرتا ہوں اور یہی صحیح عقیدہ
ہے اس کے سوا افراط ہے یا تفریط"

فقیر محمد ضیاء الدین بقلم خود سیال شریف
مہر حضرت صاحبزادہ سیال شریف
مہر حضرت صاحبزادہ سیال شریف (35)

فتویٰ شیخ الہند مولانا معین الدین اجمیری مصدقہ خواجہ ضیاء الدین سیالوی و مولانا احمد الدین گانگوی:

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ

اس بارے مین(میں) کہ زید علم نبی ﷺ کی نسبت یہ عقیدہ رکھتاہے کہ وہ علم عطائی ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنے اسرار اور علوم غیبیہ آنحضرت ﷺ کو عطافرمائے جس کا علم حق تعالیٰ کو ہے۔ مخلوق اس کے انداز سے قاصر ہے کہ وہ علم کتنا ہے جو آنحضرت ﷺ کو عطا کیا گیاہے۔ زید اپنے استدلال میں نصوص الٰہیہ واحادیث نبویہ پیش کرتا ہے۔ ان میں سے ایک نص یہ بھی ہے کہ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ، (36) اس کے مقابل دوسرا شخص عمرو ہے جو اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا اور ایسے عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز میں اقتداء جائز نہیں سمجھتا اور اس عقیدہ کو شرک قرار دیتاہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان دونوں شخصوں میں کس کا خیال اور عقیدہ صحیح ہے اور ان میں سے کون افراط یا تفریط میں ہے۔ بینوا توجروا

الجواب:

صورت مسؤلہ میں زید کا عقیدہ صحیح ہے اس عقیدہ میں نہ شرک ہے نہ کفر بلکہ تمام ائمہ سلف کا یہی عقیدہ ہے۔ عمرو کا اس عقیدہ سے انکار اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے علم عطائی ہونے کا بھی منکر ہے اور اس طرح اس کا اثر رسالت و نبوت پر بھی پڑتا ہے جب العیاذ باللہ آنحضرت ﷺ کسی سر غیب پر مطلع نہیں اور نہ علم بامغیبات سے سرفراز ہیں تو یہ در حقیقت انہدام نبوت کے مرادف ہے اور علم نبی ﷺ کی تنقیص اور اس میں غایت درجہ کی تفریط ہے۔ جو الزام عمرو زید کو دیتاہے وہ در حقیقت اس پر عائد ہے۔ عمرو کو اس سے تائب ہونا چاہیے۔ واللہ اعلم فقط

کتبہ العبد المسکین

معین الدین الاجمیری (کان اللہ لہ) مہر

جواب تو صحیح ہے مگر استفتاء وجواب ضرورت زمانہ کے لحاظ سے مختصر بلکہ اختصر اس کی تفصیل کی پھر کسی وقت تشریح کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

فقیر محمد ضیاء الدین سیالوی مہر

الجواب صحیح والمجیب نجیح

حررہ المسکین احمد الدین عفاعنہ گانگوی بقلمہ

ہذا ھوالحق، والحق احق ان یتبع

فقیر ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ کان اللہ لہ سجادہ نشین جلالپور شریف[37]

فتویٰ مولانا غلام محمود پپلانوی مصدقہ سید جماعت علی شاہ و مولانا یار محمد بندیالوی وغیر ہم:

علامہ پپلانوی نے ایک فتویٰ مولانا احمد الدین گانگوی کے پاس تصدیق اور نظر ثانی کے لئے ارسال کیا اس کا کچھ حصہ درج کیا جاتا ہے۔

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں کہ علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو علم ماکان ومایکون الیٰ یوم القیامۃ کا دیا گیا ہے۔ یا نہ۔ اور جو شخص کہے کہ رسول اللہ ﷺ کو علم ماکان ومایکون کا دیا گیا ہے دوسرا شخص کہے کہ ایسی بات کہنے والا مشرک ہے۔ کیا یہ مخطی ہے یا مصیب۔ بینو بالصواب وتوجر وا عند الوہاب

الجواب:

جناب سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے علم جمیع

مغیبات کا دیا ہے۔ کقولہ تعالیٰ عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ۙاِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ [38]

یہاں استثنیٰ متصل ہے کیونکہ متصل حقیقت ہے اور منقطع مجاز ہے تو حقیقی معنی لینا اصل ہے مجازی معنی سے اور اضافت غیب کی استغراقیہ ہے۔ حیث لاعہد علی ماتقرر فی الاصول والنحو۔ پس اس آیت کا معنی یہ ہوگا پس اللہ نہیں مطلع کرتا تمام مغیبات پر کسی ایک کو مگر اس شخص کو کہ پسند کرے رسولوں میں سے اور بہت سی احادیث اس آیت کی معنی کی مؤید ہیں۔

احادیث اور تفاسیر سے دلائل دینے کے بعد علامہ پپلانوی لکھتے ہیں

> پس ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معتقد علم غیب الرسول پر کفر وشرک کا فتویٰ دینے والا جاہل اور مبتدع ہے لہذا اس کی بیعت ناجائز اور امامت مکروہ تحریمہ ہے۔

حررہ غلام محمود ساکن پپلاں

المجیب مصیب

الراقم جماعت علی عفااللہ عنہ بقلم خود علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ

من اجاب فقد اصاب ومن خالف فقد خسر فی ماضی والماب

یار محمد بندیالوی

المجیب مصیب

فقیر غلام نبی امام جامع شہر لیہ ضلع مظفر گڑھ بقلم خود

المجیب مصیب بعون اللہ تعالیٰ

محمد عبد اللہ عفی عنہ سکنہ کمر مشانی ضلع میانوالی

الجواب صحیح

غلام محمد سرسی واعظ بقلم خود

الجواب صحیح والمجیب نجیح

عبدہ نور محمد امام مسجد سٹیشن کندیاں بقلم خود(39)

مسئلہ علم غیب پر میانوالی میں ہونے والے دواہم جلسے:

تیسرے ہی عشرے میں جو اہم جلسے مسئلہ علم غیب پر میانوالی میں ہوئے ان میں سے دو جلسے انتہائی اہمیت کے حامل ہوئے۔ ایک میں انجمن اسلامیہ کے پلیٹ فارم سے ملا نظام الدین ملتانی کو مسئلہ علم غیب کے اثبات کے لئے مدعو کیا گیا۔ ملا نظام الدین ملتانی فن تقریر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے خود اپنی کتاب القول الجلی میں اس جلسے کا پس منظر بیان کیا ہے۔

خادم شریعت کو اراکین انجمن اسلامیہ میانوالی نے ایک خط میں مضمون تحریر کیا۔ اور دعوت دی کہ آپ اس وقت تشریف لائیں۔ کیونکہ شہر میں مولوی حسین علی دیوبندی و مولوی فضل کریم بندیالوی نے اشتہار دیکر جلسہ مخالف اہل سنت والجماعت حقہ احناف کے کھڑا کیا ہے۔ اور جس میں بڑے بڑے علماء، ہم خیال دیوبند وغیرہ دور ونزدیک سے طلب کئے ہیں۔ اور وہ آرہے ہیں اور اس مذہب حقہ احناف قدیمی پر طرح طرح کے بے جا حملے اور گوناگوں نکتہ چینیاں اور نقائص رکھ کر اس کی تردید کریں گے۔ اس لئے میانوالی کے اہل اسلام خطرہ میں ہیں اور آپ تشریف لائیں۔ اور اس مذہب حقہ اور دین رسول اللہ ﷺ کی صداقت واضح کریں۔ پس خادم شریعت بدیدن خط محبان اسلام میانوالی پہنچا۔ اور ان کے مقابلہ میں جلسہ قائم

کیا۔ اور منادی ہوئی اور مسلمانوں کے مردہ دل زندہ ہوئے۔

اور اراکین انجمن اسلامیہ[40] محمد اکبر خاں صاحب میونسپل کمشنر صدر غلام قادر صاحب سیکرٹری و مولوی محمد امیر علی صاحب گانگوی و مولوی نور محمد صاحب فاضل خطیب مسجد کندیاں و مولوی مہر محمد صاحب ہرنولی و مولوی محمد یحییٰ صاحب و سید حضرت پیر فیض علی و مولانا محمد قاسم شاہ صاحب چک بندی وغیرہ احباب نے خوب انتظام جلسہ کیا اور متانت سے کام لیا۔

خادم شریعت نے ہر جلسہ وعظ میں باآواز بلند فرقہ مخالف کو للکارا اور کہا کہ ایک ہزار روپے کا اشتہار جو انہوں نے بطلب ثبوت علم غیب ماکان ومایکون آنحضرت ﷺ کے دے رکھا ہے وہ روپیہ کسی معتبر آدمی کے پاس رکھ کر اس کی رسید روانہ کریں اور میدان میں آئیں اور منہ مانگی مراد پائیں۔ اور اسی مضمون کے خط بھی لکھے لیکن ان کے خیالات کاذبہ صداقت کے مقابلہ میں نہ آسکے۔ بلکہ انہوں نے منہ تک نہ دکھایا۔ آخر الامر خادم شریعت کو ایک رسالہ معروف بہ آنحضور علیہ السلام کی غیب دانی ملا۔ جس میں انہوں نے بشان محمد رسول اللہ ﷺ بخوبی زہر اگلا ہوا تھا، لہٰذا صاحبان مذکور و محبان اسلام نے بڑی امید سے کہا کہ آپ ضرور اس رسالہ کی مختصراً تردید فرما کر ثواب دارین حاصل کریں اور جناب کا ہم مسلمانوں پر بڑا احسان ہو گا۔ لہٰذا خادم شریعت نے یہ رسالہ بعون اللہ تعالیٰ لکھ کر شائع کر دیا۔

فقط خادم شریعت محمد نظام الدین ملتانی[41]

دوسرا جلسہ واں بھچراں میں مولانا حسین علی نے منعقد کیا۔ جلسے کا مقصد مسئلہ علم غیب میں اپنے فتویٰ تکفیر پر دیگر علماءِ ہندوستان سے تائید حاصل کرنا تھا۔ اس مقصد

کے لئے بطور خاص مولانا انور شاہ کشمیری محدث دیوبند کو مدعو کیا گیا۔ مولانا کشمیری نے اپنی تقریر کے دوران فتویٰ تکفیر سے اختلاف کر کے میانوالی کے اجلہ علماء کرام کی تائید کر دی۔ مولانا کشمیری کے موقف کی تصدیق علامہ پپلانوی نے نجم الرحمن میں اور مولانا گانگوی نے لوامع الضیاء میں کی۔ اس جلسہ کے فوراً بعد علماء اہل سنت نے واں بھچراں میں جلسہ کیا اور خطاب کے لئے پیر سید جماعت علی شاہ کو مدعو کیا۔

مولانا گانگوی نے لوامع الضیاء میں اس جلسے پر کچھ یوں تبصرہ کیا۔

> "زیادہ تر ان کو علماء دیوبند کا ناز تھا مگر افسوس کہ مولانا مولوی انور شاہ صاحب دیوبندی جو کہ ان کے جلسہ میں خاص مدعو تھے انہوں نے یہاں آکر اجلاس عام اس تکفیر و تشریک کے برخلاف عام منادی کرا دی جس کو تمام حضار جلسہ نے سن کر اس پارٹی کو جھوٹا تصور کیا۔"[42]

جبکہ ایضاح الادلۃ میں اس پر کچھ یوں تبصرہ کیا گیا۔

> "(مولانا احمد خان بانی خانقاہ سراجیہ) بلاپرسش فرمانے لگے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری جلسہ میانوالی کے بعد میری دعوت پر تشریف لائے (میانوالی میں جلسے) مولوی حسین علی سکنہ واں بھچراں نے اہلسنت والجماعت پر کفر کا فتویٰ لگانے کے لیے بلایا تھا۔ لیکن۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، مولانا انور شاہ صاحب کشمیری شیخ الحدیث مدرسہ دیوبند نے سنیوں کو فتویٰ کفر سے نہ نوازا جس پر مولوی حسین علی صاحب کچھ ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ شیخ الحدیث صاحب کو واپسی کے کرایہ سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔"[43]

علامہ غلام محمود پپلانوی نے نجم الرحمن میں مولانا انور شاہ کشمیری کی مکمل

تقریر جو انہوں نے جلسہ واں بھچراں میں کی تھی نقل کی ہے۔ وہ تقریر یہاں درج کی جارہی ہے۔

”حضرت محدث حاجی الحرمین الشریفین مولانا محمد انور صاحب کشمیری کا دوسرا وعظ جو یکم مارچ 1927ء ضلع میانوالی میں ہوا ہے۔ اس کی طویل تقریر جو متعلق مسئلہ علم غیب ہوئی اور میرے پاس اس کے شاگرد رشید کی تحریر شدہ آئی ہے ملخصًا یہ ہے۔ یاسید الکمال یاسید البشر، بعد از خدا توئی قصہ مختصر، مصنف عبد الرزاق میں حدیث ہے کہ پہلے پیغمبر ﷺ کا نور پیدا کیا گیا ہے۔ مبلغ نور مخلوقات کا نور نبی ﷺ سے نکلتا ہے۔ میری سمجھ میں ہے کہ جنت کی تقسیم نبی ﷺ کے تناسب سے ہوگی، اشارات روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ مولانا المحدث نے یہ فرمایا کہ میں یہاں اکیلا مولوی حسین علی کے مولانا مرحوم کے شاگرد ہونے کے واسطے آیا ہوں اس کو نفع ہو یا کچھ نہ ہو میں اللہ ورسول کے مطابق مسئلہ کروں گا چونکہ مجھے نبوت حاصل نہیں اس لئے میں حقیقت نبوت نہیں پہچان سکتا کسی نے خوب کہا ولی را ولی می شناسد و نبی را نبی می شناسد صرف مسئلہ جو کچھ مجھے علم غیب کے متعلق معلوم ہے بتائے دیتا ہوں نبی کریم ﷺ عالم اولین وآخرین ہیں سارے انبیاء کے علوم کی خدا تعالیٰ کے علم ساتھ وہی نسبت ہے جو قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہے۔ تاہم بعد قصیدہ خوانی حضرت محدث نے دعا خیر کہی اور جلسہ عام میں مولانا موصوف نے بوساطت مولوی نعیم الدین لدھیانوی الحال راولپنڈی منادی کرائی کہ

جو عقیدہ میں نے اپنا بیان کیا ہے اگر اس سے کسی کا عقیدہ بڑھ کر ہو یعنی یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ رسول کریم کو علم کل یعنی تمام مغیبات کا دیا گیا ہے تو اس کو میں کافر مشرک نہیں کہتا اور نہ کہنا چاہیے۔"(44)

نجم الہدیٰ میں جلسہ واں بھچراں کی بازگشت:

خواجہ زین الدین مکھڈوی بھی اس جلسہ میں شریک تھے اور اس جلسے کا احوال انہوں نے اپنی کتاب نجم الہدیٰ میں کچھ اس طرح لکھا ہے۔

شاہ صاحب (مولانا انور شاہ کشمیری) نے یکم مارچ 1927ء خاص میانوالی میں جو تقریر کی تھی جس میں مَیں خود موجود تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ مقام مدح میں یہ کہنا کہ حضور ﷺ تمام غیب جانتے ہیں کوئی حرج نہیں اور اپنا قصیدہ ہمہ دانی بھی پڑھا۔ یہ قصیدہ سن کر تمام وہابی ہکابکا رہ گئے اور ان کو منہ کی کھانی پڑی۔ اور مولوی نعیم الدین لدھیانوی کے ذریعہ اپنی موجودگی میں اسی جلسہ میں مولوی حسین علی واں بھچروی نے اعلان کرایا کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ حضور ﷺ کو علم کلی یعنی تمام مغیبات کا علم دیا گیا ہے تو اس کو میں کافر مشرک نہیں کہتا اور نہ کہنا چاہیے۔ انتہی۔

مولانا محدث موصوف کو جماعت وہابیہ نے پرزور اپیل کی کہ جو علم کلی حضور ﷺ کے قائل ہوں ان پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے۔ لیکن مولانا انور شاہ کشمیری نے صاف انکار کر دیا اگرچہ مولوی انور شاہ صاحب مولوی حسین علی بھچروی کے بلائے ہوئے تھے۔ مولانا کا یہ محاکمہ منصف مزاج لوگوں کے نزدیک آب زرین کے ساتھ لکھنے کے قابل ہے۔ ہاں مجھے بھی یاد آ گیا مولانا محمد نعیم کے ذریعے یہ بھی اعلان کر دیا کہ

علم جزئی کے قائل علم کلی کے مسلک رکھنے والوں کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں اور مجھے یہ بھی یاد ہے کہ مولوی انور شاہ صاحب کے دیوبند روانہ ہو جانے کے بعد دوسرے دن مولوی حسین علی پوستین پہنے ہوئے ایک چھوٹے سے بے رونق مجمع میں مولوی انور شاہ صاحب کی تردید کر رہا تھا۔ اور آیت مفاتیح الغیب الخ پڑھ کر بڑے جوش سے کہہ رہا تھا کہ مولوی انور شاہ صاحب نے غلط کہا ہے کہ علم کلی کے قائل (حضور ﷺ) کے لئے کافر نہیں اور کہا کہ علم کلی کے قائلین کی ذبح شدہ چیز کھانی حرام ہے اور ان کی عورتیں ان پر مطلقہ اور حرام ہیں۔ اور اگر اس عقیدہ والے پیر ہوں تو ان کی بیعت ناجائز ہے، اور اگر امام ہوں تو ان کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔ مولوی حسین علی کے اس فتویٰ پر اس کے خلیفہ خاص اور شاگرد خاص مولوی فیض اللہ نے خوب عمل کیا۔ اس مسئلہ کو آڑ بنا کر ستر مسلمانوں کے نکاح بغیر ان کے طلاق دینے کے فسخ کئے اور بغیر ان کے خاوندوں کے بیان لینے کے لئے کوئی عورت جب اس کے پاس جا کر یہ کہہ دیتی کہ میرا خاوند حضور ﷺ کے علم کلی کا قائل ہے اور یہی عقیدہ رکھتا ہے پس وہ عورت کے اسی بیان کو کافی سمجھ کر اسے فتویٰ لکھ دیتا تھا کہ جب تیرا نکاح ہی نہیں تو طلاق کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ تیرا خاوند ابتداء سے ہی کالا کافر تھا اور کفر کی حالت میں جب نکاح ہی سرے سے نہیں ہوتا تو طلاق لینے کی کیا ضرورت پس اس کا فتویٰ لے کر عورتیں بغیر طلاق خاوند کے دوسری جگہ نکاح پڑھا لیتی تھیں۔ اور مولوی صاحب کے اس فتوے کی وجہ سے ہمارے ضلع میں کئی حرامی النسل اولادیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ ہمارے علاقہ تحصیل عیسیٰ خیل میں شہر عیسیٰ خیل کے رہنے والے حافظ محمد المعروف کنو کے لڑکے محمد رمضان جو کہ آج کل جنگلات کا سپاہی ہے اس کی زوجہ کا نکاح اسی

طرح بلا طلاق بغیر بیان محمد رمضان اسے علم کلی حضور ﷺ کا قائل قرار دے کر فسخ کیا گیا۔ مولوی فیض اللہ کے اس فتویٰ کے متعلق مولوی حسین احمد مدنی صاحب سے پوچھا گیا جب کہ وہ قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پہلے کانگرس کی طرف سے دورہ سرحد ختم کر کے میانوالی آئے تھے تو انہوں نے کہا تھا کہ ایسا شخص جو اس مسئلہ کو آڑ بنا کر لوگوں کے نکاح فسخ کرتا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ وہ قلمی فتویٰ میرے پاس موجود تھا۔[45]

پیر سید جماعت علی شاہ کی واں بھچراں آمد کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا گانگوی لکھتے ہیں۔

> "علی ہذا القیاس جناب حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث وسجادہ نشین نے خود واں بھچراں میں آکر وعظ کیا اور پارٹی کی خوب قلعی کھول دی اور مولوی حسین علی کو بار بار بلایا اور مناظرہ کی دعوت دی مگر وہ بے چارہ ہزیمت کی فضیحت کے خوف سے باہر نہ آیا۔"[46]

مسئلہ علم غیب میں مولانا حسین علی سے ہونے والی مفاہمتی کاوش:

علاقہ کے بااثر افراد اور شخصیات کے کہنے پر مولانا گانگوی مسئلہ علم غیب میں فریقین کے مابین مفاہمت کے لئے تیار ہوئے اس حوالے سے جامع مسجد سلطان علی میں ایک مفاہمتی اجلاس ہوا جس میں مولانا گانگوی کی جانب سے آپ کے تلمیذان رشید مولانا اکبر علی و مولانا میاں نور احمد اور مولانا فتح محمد بھوروی پیش ہوئے۔ جبکہ دوسرے جانب سے مولانا حسین علی اور ان کے حامی علماء تھے۔ مفاہمتی تحریر مولانا اکبر علی کی معاونت سے تیار کی گئی مگر بعد میں شائع شدہ اشتہار میں مولانا حسین علی نے یکطرفہ

کاروائی کے ذریعے اپنی من پسند تحریر شائع کرکے پنجاب میں اتحاد کی اس کوشش کو ناکام کر دیا۔ مولانا گانگوی اجمالاً اس قضیے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اور دیانت کا یہ حشر ہے کہ جس مناظرہ یا مباحثہ میں الزام اور شکست کھائیں اس کا جھوٹا اشتہار دے کر اپنی فتح ظاہر کریں۔ لطف یہ ہے کہ اس علاقہ میں جہاں کے ہزارہا لوگ اس مباحثہ میں موجود ہوں اور یہ تمام ماجرا ان کی شکست اور جماعت حنفیہ کی فتح ان کی چشم دید انہیں کے سامنے اپنی فتح کے یہ اشتہار پیش کر دیا۔ دروغ گویم برروئے تو چنانچہ تین یا چار ان کے جھوٹے اشتہار اس وقت میرے سامنے ہیں جن کے دیکھنے سے تمام مسلمانان متعجب ہو کر انگشت بدنداں ہیں اور نوہائے نفرین بلند کر رہے ہیں، میرے خیال میں راست باز شخص کبھی اشتہار نہیں دیتا بلکہ اشتہار دینا جھوٹے آدمی کا کام ہے جو اپنے جھوٹ پر ملمع چڑھا کر بھولے بھالے آدمیوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ امانت کا یہ عالم ہے کہ ماہ صفر 1347ھ میں میانوالی مسجد میاں سلطان والی میں اس پارٹی کے اعلیٰ معتبر مولوی حسین علی اور منجانب علمائے حنفیہ کے مولوی اکبر علی صاحب و مولوی نور احمد صاحب و مولوی فتح محمد صاحب بغرض مفاہمت مسئلہ علم غیب کے جمع ہوئے اور فریقین نے اپنی اپنی دانست کے مطابق کچھ قدر مضمون تحریر کیا اور ہر ایک فریق نے اپنی اپنی تحریر پر دستخط کئے، لیکن بعد میں اس تحریر میں اس پارٹی کے بڑے میاں نے کچھ مضمون بڑھایا اور کچھ کم کر کے تغیر و تبدل کیا اور اپنے مطلب کے موافق اس کا خلاصہ نکالا اور تمام علماء کے دستخط

کردہ نقل پر اس کو چھاپ کر شائع کر دیا۔"(47)

علماء کی مجالس میں زیر بحث مسائل کی نوعیت:

یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ مولانا حسین علی کے افکار و نظریات کی وجہ سے علماء کی مجالس میں کس نوعیت کے مسائل زیر بحث آتے ایضاح الادلۃ کا یہ طویل اقتباس انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ در حقیقت یہ کتاب مفتی محمد حسین شوق نے ان مجالس کے تذکرے پر لکھی ہے جس میں علامہ پپلانوی کی مولانا احمد خان بانی خانقاہ سراجیہ سے ملاقاتوں اور مولانا انور شاہ کشمیری کی مولانا احمد خان و مولانا حسین علی سے ملاقاتوں کا احوال ہے۔ ایضاح الادلۃ کا بیش قیمت طویل اقتباس حسب ذیل ہے۔

> دراصل یہ گفتگو جو حضرت قبلہ والد صاحبؒ اور حضرت مولانا مولوی احمد خان صاحب کھولہ، بانی خانقاہ سراجیہ کے درمیان ہوئی اور اس کے اندر مولانا انور شاہ صاحب کشمیری شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ دیوبند اور مولوی فضل کریم بندیالوی کے درمیان ہوئی، سلک تحریر میں لائی گئی ہے۔ جو آیت کریمہ ما اھل بہ لغیر اللہ کی صحیح تفسیر کی وضاحت کرتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں میں ایک دن فقیر نور حسین صاحب قریشی ساکن ڈنگ برد اللہ مضجعہ کے ہاں مہمان تھا۔ ایک آدمی اتفاقاً آ گیا جو حضرت مولانا احمد خان صاحب کا مرید تھا۔ اس سے کسی نے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو تو اس نے جواباً کہا کہ میں حضرت میاں نور محمد صاحب گھنجیرا کی خانقاہ پر جا رہا ہوں تا کہ وہاں سے کوئی بکرا خرید لاؤں کل آپ کے کچھ مہمان آنے والے ہیں۔ میں نے کہا کہ شیخ معاصر جنہیں مولوی حسین علی قیوم زماں کے لقب سے

پکارتا ہے۔ پہلے تو خانقاہوں کے بکرے نہ کھاتے تھے۔ کیا اب کھانے لگے ہیں۔ اس نے جواباً کہا وہاں ریوڑ میں میرے حضرت کا اپنا بکرا موجود ہے مجھے اس کے لانے کا حکم دیا ہے، میں نے کہا اپنے حضرت کو میری طرف سے السلام علیکم کہنا میں کل انشاء اللہ وہاں ایک دو مسئلوں کی تحقیق کے لیے حاضر ہوں گا۔ (48)

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری جلسہ میانوالی کے بعد میری دعوت پر تشریف لائے (میانوالی میں جلسے) مولوی حسین علی سکنہ واں بھچراں نے اہلسنت والجماعت پر کفر کا فتویٰ لگانے کے لیے بلایا تھا۔ لیکن۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ، مولانا انور شاہ صاحب کشمیری شیخ الحدیث مدرسہ دیوبند نے سنیوں کو فتویٰ کفر سے نہ نوازا جس پر مولوی حسین علی صاحب کچھ ایسے دل برداشتہ ہوئے کہ شیخ الحدیث صاحب کو واپسی کے کرایہ سے بھی ہاتھ دھونے پڑے۔ (49)

حضرت شیخ معاصرؒ نے فرمایا کہ مولوی فضل کریم بندیالوی نے جو سایہ کی طرح شیخ الحدیث پر مسلط تھے دریافت کیا کہ جو جانور لوگ خانقاہوں پر آکر چھوڑتے ہیں یا ذبح کرتے ہیں اور وقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے وہ حلال ہیں یا حرام؟ جو الفاظ مجھے یاد ہیں میں نقل کرتا ہوں۔ شیخ الحدیث نے فرمایا تعظیم قبور انبیاء عظام واولیاء کرام ثابت ہے۔ یہ الفاظ آپ کے منہ میں تھے کہ مکبر نے عصر کی نماز کے لیے تکبیر شروع کر دی۔ آخر الامر نماز ختم کر لینے کے بعد مولوی فضل کریم نے پھر اپنا سوال دہرایا(شیخ معاصر نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جن چھوڑے بھوت چھوڑے مولوی فضل کریم کہاں چھوڑے) تو حضرت شیخ الحدیث نے

فرمایا حلال ہیں حرام نہیں ہیں۔

پہلے پہل یہ فتویٰ یعنی حرمت منذورہ اولیاء حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے دیا ہے لیکن ان کے اس فتوؤں کو آپ کے معاصرین نے بھی تسلیم نہیں کیا اور حضرت شاہ صاحب کے خاندان والوں نے بھی تسلیم نہیں کیا پھر آپ نے شاہ صاحب موصوف کے فتویٰ پر ایک اعتراض ذکر فرمایا جو عقدہ لاینحل ہے فرمایا کہ جس وقت اس پر کسی ولی یا پیغمبر کا نام لیا گیا وہ جانور حرام ہو گیا کلحم الخنزیر، اس کا کھانا ناجائز ہو جاتا ہے اور جب وہی ناذر اپنے اس قول سے تائب ہو جائے اور توبہ کے بعد اسی جانور کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرے تو وہ جانور حلال ہو جاتا ہے (بعینہ یہی عقیدہ مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی کے مترجم قرآن کریم کے حاشیہ پر مذکور ہے گویا ان کا مذہب بھی شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی کے موافق تھا)[50]

سید گانگوی سے خط و کتابت:

1930ء میں مولانا گانگوی سے مباحثہ و تصفیہ کے لئے خطوط کا سلسلہ شروع ہوا۔ مولانا گانگوی کے نام لکھے گئے مکتوبات علماء اور عمائدین شہر کی طرف سے تھے۔ ان میں سے بعض خطوط میں مولانا گانگوی سے مسئلہ علم غیب میں تصفیہ اور مفاہمت کرانے کی التجاء کی گئی اور بعض خطوط میں مولانا گانگوی کو مباحثہ اور مناظرہ کے لئے کہا گیا۔ چند مکتوبات یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔ جن سے صورت واقعہ کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

میانہ خاندان کے چار بااثر سرداروں میاں سیف العلی، میاں امیر علی چاہ

میانہ، میاں فلک شیر اور میاں اصغر علی نے مشترکہ ایک خط کے ذریعے آپ سے یہ گذارش کی کہ مسئلہ علم غیب کے متعلق کوئی فیصلہ کیاجائے تاکہ انتشار واختلاف کاخاتمہ ہو۔

مکتوب میاں اصغر علی بنام سید گانگوی:

بگرامی صد جناب مولوی صاحب سلمکم ربکم

آپ کی جماعت کے رسائل مشتہرہ (تحقیق لاریب وغیرہ) مین (میں) ہمارے حضرات کی طرف منسوب کیاگیا کہ یہ لوگ رسول خدا ﷺ کے علم کلی وجزی ہر قسم کے منکر ہیں اور آن حضور فدا ابی وامی کو بے علم کہتے ہیں جو ہمارے حضرات کے متعلق غلط پروپیگنڈا اور بے حقیقت الزام ہے۔اور اپنا عقیدہ یون (یوں) ظاہر کیاگیا ہے کہ آنجناب ہر وقت حاضر اور عالم الغیب ہین (ہیں) وغیرہ وغیرھا، جس کی وجہ سے ہر دو جماعتوں میں جن کو حنفی اہل سنت ہونے کا دعویٰ ہے ایک نزاع قائم ہوگیا۔ چونکہ آپ کی ایسے رسائل پر تصدیق موجود ہے اور سنا ہے کہ کل جمعہ کے وعظ میں آپ نے ایسے دعاوی کے اثبات کی آمادگی بھی ظاہر فرمائی ہیں، لہٰذا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ تحقیق لاریب میں جو اس قسم کے مسائل ہیں ان کے تصفیہ کے لئے ایک مجلس عامہ میں تبادلہ خیالات ہوجائے کہ عام اہل اسلام کی تشویش رفع ہو براہ کرم ہمارے اس درخواست کے جواب باصواب سے ممنون فرمادیں۔ [51]

میاں اصغر علی(30-08-30)

مکتوب میاں فلک شیر بنام سید گانگوی

بگرامی صدجناب مولوی صاحب سلمکم ربکم

آپ کی جماعت کے رسائل مشتہرہ (تحقیق لاریب وغیرہ) مین (میں) ہمارے حضرات کی طرف منسوب کیا گیا کہ یہ لوگ رسول خدا ﷺ کے علم کلی وجزی ہر قسم کے منکر ہیں اور آن حضور فدا ابی وامی کو بے علم کہتے ہیں جو ہمارے حضرات کے متعلق غلط پروپیگنڈا اور بے حقیقت الزام ہے۔اور اپنا عقیدہ یون (یوں) ظاہر کیا گیا ہے کہ آنجناب ہروقت حاضر اور عالم الغیب ہین (ہیں) وغیرہ وغیرھا، جس کی وجہ سے ہر دو جماعتوں میں جن کو حنفی اہل سنت ہونے کا دعویٰ ہے ایک نزاع قائم ہو گیا۔ چونکہ آپ کی ایسے رسائل پر تصدیق موجود ہے اور سنا ہے کہ کل جمعہ کے وعظ میں آپ نے ایسے دعاوی کے اثبات کی آمادگی بھی ظاہر فرمائی ہیں، لہٰذا بہت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ تحقیق لاریب میں جو اس قسم کے مسائل ہیں ان کے تصفیہ کے لئے ایک مجلس عامہ میں تبادلہ خیالات ہو جائے کہ عام اہل اسلام کی تشویش رفع ہو براہ کرم ہمارے اس درخواست کے جواب باصواب سے ممنون فرمادیں۔[52]

فقط فلک شیر بقلم خود (30-08-30)

مولانا گانگوی کا جواب:

جناب میاں صاحب میاں فلک شیر و میاں اصغر علی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ ہر دوصاحبان کے رقعے پہنچے ان کا مضمون واحد ہے۔چونکہ آپ صاحبان علم دین نہیں رکھتے۔اس لئے قابل مناظرہ ومباحثہ نہیں۔ البتہ آپ کے ہادی میاں حسین علی صاحب سکنہ واں بھچراں اگر اپنے دستخطی دعوت مناظرہ دیویں (دیں) تو دعوت منظور آنے کو ہر وقت تیار ہیں۔کیوں کہ جس قدر فتنہ وفساد عقائد میں پڑاہوا ہے وہ انہی کی طرف سے ہے۔گو قبل ازیں کئی بار میاں حسین علی صاحب بحث کرکے ناکام ہو چکے ہیں۔تاہم ان کا دعوت نامہ پوہنچیگا (پہنچے گا) ہم اسی وقت لبیک کہنے کو تیار ہیں۔ البتہ مناظرہ کے ہر قسم کے انتظام کے ذمہ دار آپ صاحبان ہوں گے۔دیگر شرائط بعد میں طے کئے جائیں گے۔ [53]

احمد الدین گانگوی(30-08-30)

مکتوب مولانا فضلِ کریم بندیالوی بنامِ مولانا احمد الدین گانگوی

بخدمت جناب مولوی احمد الدین صاحب

احقر فضل کریم بعد اسلام علیکم ورحمۃ اللہ عارض ہے کہ فقیر اور مولوی شمس الدین صاحب یہاں اتفاقاً آج موجود ہو گئے۔لہذا عرض ہے کہ تقریری مناظرہ کے لئے کل صبح 9 بجے عید گاہ میں جلسہ منعقد کیا گیا ہے۔اور شرط مناظرہ یہ ہے کہ فریقین کو بغیر نصوص قرآنیہ کے استدلال مسموع نہ ہو گا۔آپ صاحبان کو چاہیے کہ وقت موعود پر عید گاہ تشریف لائیں۔جو فریق حاضر نہ ہو گا جھوٹا تصور ہو گا۔ [54]

عبدہ فضل کریم

☆ مولانا احمد الدین گانگوی کا جواب[55]

787

بخدمت مولوی فضل کریم صاحب السلام علیکم ورحمتہ اللہ

1۔ کل شام آپ کا قلمی رقعہ پہنچا۔ آپ نصوص قرآنیہ کے علاوہ باقی تین دلائل شرعیہ (یعنی حدیث شریف اجماع امت وقیاس مجتہد) کے مسموع کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس تحریر کا جواب خداوند تعالیٰ کی کلام پاک میں موجود ہے۔ اور وہ فیصلہ قطعی ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ

فَلاَ وَرَبِّكَ لاَ يُؤْمِنُونَ حَتَّىَ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِيۤ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيماً[56] ایضاً وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا[57]

2۔ مناظرہ کے متعلق میری سابقہ تحریر یہ تھی کہ: مد مقابل مولوی حسین علی صاحب (صاحبِ بلغۃ الحیران) اپنی دستخطی دعوت نامہ بھیجیں اور شرائط کا تصفیہ قبل از مناظرہ ہو اور انتظام امن عامہ کی ذمہ داری اپنے ذمہ لیں تو ہم ہر وقت لبیک کرنے کو تیار ہیں۔ کیونکہ بانیء فتنہ و فساد وہی واقع ہوئے ہیں۔ مگر وہ گریز کر رہے ہیں۔ آپ کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے میرے شاگرد کافی ہوں گے اس حالت میں جبکہ آپ سچ کے متلاشی ہوتے۔

3۔ اب بھی اگر آپ اپنے عقیدہ سے تائب ہو کر تمام ادلہ شرعیہ کے قائل ہو جائیں تو

آپ کے ساتھ مناظرہ کے لئے میرے شاگردان تیار ہیں۔

4 ستمبر 1930

مسکین احمد الدین بقلم خود

مکتوب ثانی مولانا فضل کریم بندیالوی:

بخدمت مولوی احمد الدین صاحب (گانگوی)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مہربانی فرما کر بروقت موعودہ عید گاہ پہنچیں کہ جناب کی انتظار کی جارہی ہے۔ تشریف لاویں[58]

احقر، فضل کریم (بندیالوی)

عید گاہ میانوالی میں ہونے والے مذکورہ مناظرانہ اجتماع کے کیا نتائج برآمد ہوئے اس کا اندازہ مولانا گانگوی کے حسب ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

"ازینوجہ اب یہاں جب کہ اس وہابیت کی آگ بھڑکی اور شہر شہر میں اس فتنہ کو ترقی دینے کے لئے جلسے تقریریں تحریریں شروع ہو گئیں اور عوام بلکہ بعض خواص کو بھی غلط راستہ پر چلانے اور بہکانے کے کارنامے شروع ہو گئے اس وقت لوگوں کو گمراہ ہوتا دیکھ کر مجرمانہ خاموشی اختیار کر کے بیٹھ جاتے تو ہم بھی العیاذ باللہ اس آیت شریفہ کی زد میں آجاتے مگر بفضلہ تعالیٰ ہم نے ان کے جلسوں کا جلسوں سے تقریروں کا تقریروں سے اور تحریروں کا تحریروں سے ایسا ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ منکرین کے دانت کھٹے کر دیئے اور ہم نے

روک دیئے اور جو کفر کے بم اور شرک کا بارود اپنے کفریہ قلع سے لائے تھے ان سے مسلمان تو بفضلہ تعالیٰ بال بال بچ گئے البتہ وہابیوں کے قلوب بمضمون تیغ ہندو بر گردن ہندو ان کا نشانہ بن کر سوراخ سوراخ ہو گئے منتقم حقیقی نے ان سے خوب انتقام لیا۔ عید گاہ سے حکماً نکالے گئے اور جس مسجد کو انہوں نے اپنا مرکز قرار دے رکھا تھا اس سے روکے گئے غرض اب ناقوس سر پر اٹھائے پھرتے ہیں کسی مسجد میں جلسہ کرنے کے مجاز نہیں البتہ سنا گیا ہے کہ شہر میانوالی سے باہر رنڈیوں کے چکلے کے قریب ناقوس لگا کر کسی کسی وقت بخار اندرونی کو نکال لیتے ہیں"۔ (59)

1930ء کے اجتماع عید گاہ کے بعد مولانا حسین علی اور ان کی جماعت کے لوگوں پر عید گاہ میں داخلے پر پابندی لگا دی گئی۔

مسئلہ علم غیب کی بناء پر سید احمد الدین گانگوی اور مولانا احمد خان کی تکفیر:

اس سے اختلافات میں مزید اضافہ ہوا اور حالات اس قدر سنگین ہوئے کہ مولانا حسین علی نے مسئلہ علم غیب کی وجہ سے مولانا احمد الدین گانگوی اور مولانا احمد خان بانی خانقاہ سراجیہ پر فتویٰ کفر لگاتے ہوئے انہیں کافر قرار دے دیا۔ بات صرف یہیں تک ختم نہ ہوئی اس سے مزید آگے بڑھ کر مولانا حسین علی نے علم غیب پر یقین رکھنے والوں کو کافر اور مشرک قرار دے دیا اور اشتہارات کے ذریعے اس بات کا اعلان کر دیا کہ ایسے لوگوں کے نکاح باطل ہیں جو "تحقیق لاریب" اور "لوامع الضیاء" جیسی کتابوں میں مذکورہ مسائل علم غیب پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ ملا یار محمد ملتانی نے فتویٰ فضول

لاثانی شائع کرکے قائلین علم غیب کو کافر ومشرک قرار دے دیا۔ پھر یہی فتویٰ ''بلغۃ الحیران ''میں بھی شائع ہوا۔ ''بلغۃ الحیران '' کی اشاعت کے بعد اس کتاب کو اسی تناظر میں دیکھا گیا جس تناظر میں ایک صدی پہلے ''تقویۃ الایمان'' کو دیکھا گیا۔ اب مولانا گانگوی نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے مولانا حسین علی اور اس کے اتباع کو وہابی قرار دے دیا۔ پنجاب بھر کے علماء سے تائیدات حاصل کی گئیں حتیٰ کہ دیوبند سے بھی فتاویٰ حاصل کرکے مولانا حسین علی کو اہل سنت سے خارج قرار دیا گیا۔ مولانا حسین علی کے دست راست قاضی نور محمد نے ''صاعقۃ الرحمان علیٰ حزب الشیطان ''لکھ کر ہندوستان بھر کے ان تمام علماء کو کافر قرار دے دیا جو مسئلہ علم غیب پر یقین رکھتے تھے۔ اس کے جواب میں مولانا گانگوی نے دو معرکۃ الاراء کتابیں لکھیں۔

☆السیوف القہار علیٰ انوف الاشرار

☆السیوف العتابیہ علیٰ انوف الوہابیہ

مولانا گانگوی نے دیگر رسائل کے ذریعے بھی مولانا حسین کے معتقدات کا محاسبہ کیا۔ جن میں رسالہ العقائد، تکفیر المسلمین کے قواعد فقیہہ اور خواب نامہ وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ 1929ء میں مون گیر سے مولانا بشیر الدین رضوی وارثی نے مولوی محمد علی کانپوری ناظم ندوۃ العلماء کے عقائد و نظریات کے متعلق 16 سوالات کے ذریعے استفتاء حاصل کرنے کی استدعا کی گئی اور اس استفتاء میں وہ تمام سوالات مذکور تھے جو علماء اہل سنت اور ان کے مخالفین کے مابین نزاع کا باعث تھے۔ استفتاء کے سوالات اور جوابات مولانا حسین علی کے ساتھ ہونے والے مناقشوں کے بعد ذکر کئے جائیں گے۔

یہاں 1930ء کے بعد سے مولانا حسین علی کی وفات تک ہونے والے مباحثوں کے بعض شواہد ذکر کیے جاتے ہیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ جس رسالہ تحفہ لاریب کی وجہ سے مولانا احمد خان (خانقاہ سراجیہ) کی تکفیر کی گئی اور مولانا گانگوی کی تشریک وہ رسالہ نہ تو علامہ گانگوی کا تھا اور نہ ہی مولانا احمد خان کا بلکہ اس رسالہ کے مصنف مولانا امیر علی تھے جبکہ جس عبارت کی بنیاد پر تکفیر کی گئی وہ اس رسالہ میں موجود نہ تھی، مولانا امیر علی گانگوی کی کتاب تحفہ لاریب فی تقاسیم علم غیب اس وقت لکھی گئی جب پنجاب میں مسئلہ علم غیب کی ابتداء ہو رہی تھی۔

تحفہ لاریب کے متعلق مولانا گانگوی نے لکھا:

> "ہاں البتہ اس کارنامہ سے وہابیوں کی قابلیت معلوم شد، کیونکہ تحقیق لاریب تقریباً تین سو صفحہ کی کتاب ہے اور اس میں مقربان بارگاہ الہٰی کی غیب دانی کے ہزاروں دلائل ہیں اور عرصہ تقریباً پچیس تیس سال سے شائع ہو چکی ہے مگر آج تک اس کی تردید پر کسی وہابی سے جرات نہ ہو سکی۔ حالانکہ یہ تو ایک طالب العلم کی تصنیف ہے علماء کی تصانیف تو اور بہت ہیں جن پر ان کی ذہن رسائی بھی ناممکن"۔[60]

بلغۃ الحیران کے متعلق سید احمد الدین گانگوی کی رائے:

بلغۃ الحیران کے متعلق جب استفتاء پوچھا گیا تو آپ نے اسے تفسیر قرآن کی بجائے تغییر قرآن قرار دیتے ہوئے لکھا۔

> "قرآن کریم کی نسبت جو ہذیانات وبکواس اس مردود فرقہ سے صادر ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں کسی مسلمان کی زبان ان کے کہنے اور کان سننے

کی طاقت نہیں رکھتے، ہاں عوام کی آگاہی کے لئے مشتے نمونہ از خروار بفحواء نقل الکفر لیس بکفر بیان کر دینا نہایت ضروری۔ اس مخبوط فرقہ نے مل کر ایک کتاب بنائی کہنے کو تو علم تفسیر میں لیکن فی الحقیقت تفسیر نہیں بلکہ تغییر القرآن ہے اس میں تحریف معنوی کرنے سے (میں) یہود و نصاریٰ کو بھی مات کر دیا"۔ (61)

چونکہ بلغۃ الحیران میں کلام الٰہی کو مجذوب کے کلام کے مشابہہ قرار دیتے ہوئے لکھا گیا تھا اس پر مولانا گانگوی نے سخت نقد کیا۔

"شروع میں ہی ملحدانہ چال کے مطابق قرآن شریف پر ایک سنگین حملہ کیا جس سے ہر مسلمان سن کر کانپ جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس نے کلام الٰہی جل جلالہ کو پاگل کے کلام سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا کہ ایک مجذوب یعنی (پاگل) کا قصہ کرتے ہیں کہ اکثر وہ اول اول کرتا رہتا تھا اور درمیان میں بے پر کی اڑا جاتا جس کا ما قبل سے کچھ تعلق نہ ہوتا مثلاً یوں کہتا اول اول درمیان میں ناگاہ یہ بھی کہہ جاتا کہ سکندر بڑا بادشاہ تھا پھر وہی اول اول اور پھر کہتا انگریز تباہ ہو جائیں پھر اول اول کہنے لگ پڑتا پھر کہہ دیتا بکری پہاڑ پر بیٹھی ہے وغیرہ وغیرہ تو گویا قران شریف بھی (معاذ اللہ) اس مجذوب کے کلام کے مانند ہے۔ الخ"(62)

بلغۃ الحیران کے ساتھ شائع شدہ فتویٰ فضول لاثانی مؤلفہ یار محمد ملتانی پر نقد کرتے ہوئے اور مسئلہ علم غیب کی بنیاد پر تشریک و تکفیر کو مسلمانوں کے مابین تفریق کا سبب قرار دیتے ہوئے مولانا گانگوی نے لکھا۔

"اس کے خاتمہ پر تمام قرآن شریف کے نتیجہ کے طور پر ایک فتویٰ لکھا جس کا حاصل یہ ہے کہ تمام قرآن شریف کا لب لباب اور اس کے اترنے کی علت غائی صرف یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ علم غیب سے بالکل بے بہرہ ہیں اور جو شخص آپ کے غیب کے جاننے کا عقیدہ رکھے وہ مشرک ہے کافر ہے اور جو شخص اس کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر ہے اور جو اس کو کافر نہ کہے وہ بھی ...... الی یوم القیامۃ اور تعجب یہ ہے کہ جو آیات بتوں اور باطلہ معبودوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں ان کو انبیاء و اولیاء کرام پر محمول کیا گیا ہے"۔ (63)

بلغۃ الحیران کو مولانا گانگوی نے تفسیر بالرائی قرار دیا ہے اور تفسیر میں موجود اقوال مفسرین کے متعلق لکھا کہ مولانا حسین علی نے صرف وہ اقوال نقل کئے جو ان کے عقائد و نظریات سے مطابقت رکھتے تھے۔

"اس میں اول سے آخر تک تمام تفسیر بالرائی ہے کسی مقتداء علم تفسیر کی طرف نسبت نہیں ہاں البتہ جہاں کسی مفسر نے اپنی تفسیر میں کوئی ایسا قول نقل کیا ہو جو اس فرقہ کے خیال کے مطابق ہو تو وہاں ضرور اس کا حوالہ دیا گیا ہے ورنہ کل بالرائی حال آنکہ ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں صحیح حدیث ہے۔ من قال فی القرآن برائیہ فلیتبوء مقعدہ من النار و من قال فی القرآن برائیہ فاصاب فقد اخطاء الحدیث" (64)

سید گانگوی نے بلغۃ الحیران کو سر سید احمد خان کی تفسیر اور مولانا عبد اللہ چکڑالوی کی تفسیر القرآن بالقرآن سے بھی شدید ترین قرار دیا اور ان تینوں کتابوں کو ایک ہی کڑی کا تسلسل بتایا۔ اور یہ بھی تحریر کیا کہ کسی مسلمان کے لئے اس کتاب کو

دیکھنا جائز نہیں ہے۔

"اب اس کتاب کا نام بلغۃ الحیران فی ربط آیات القرآن رکھا ہے مگر یہ نام اسم با مسمی نہیں صحیح نام لعبۃ الصبیان یا افحش الھذیان فی تحریف معانی القرآن نہایت موزوں ہے۔ اس کتاب کا دیکھنا مسلمانان اہل سنت والجماعۃ کو زہر ہلاہل کا اثر رکھتا ہے۔ اگر اپنے ایمان کی حفاظت منظور ہے تو اس کتاب کو ہرگز نہ دیکھیں۔ یوں تو ہر ملحد بد مذہب نے اپنے ایجاد کردہ طریقہ کے مروج کرنے کے لئے قرآن شریف کو تختۂ مشق بنا رکھا ہے جو آیات کی بے جا تاویلیں کر کے اپنے عندیہ کی تائید کر دی مثلاً سید احمد نیچری نے تفسیر لکھی اس طرح مرزا نے اور چکڑالوی نے بھی پھر مشکری تذکرہ لکھا"۔[65]

بلغۃ الحیران کے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی کی رائے:

علماء دیوبند کے حوالے سے بھی اس بات کا ذکر کیا کہ انہوں نے اس کتاب کو ناپسندیدہ قرار دیا حتیٰ کہ مولانا اشرف علی تھانوی کے پاس یہ کتاب پہنچی تو انہوں نے اسے جلا دیا۔

"سب سے زیادہ خطرناک یہی کتاب ہے جس کو اس فرقہ باطلہ نے لکھا ہے۔ کیونکہ جس قدر اس میں تحریف معنوی ہے دیگر کسی کتاب میں نہیں، صدق و کذب بر گردن حاکی سنا گیا ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی کے پاس جب یہ کتاب پہنچی تو انہوں نے دیکھتے ہی آگ میں جلا دی"۔[66]

مولانا حسین علی کے متعلق علماء دیوبند کا فتویٰ:

جیسے ہی مولانا حسین علی کا فتویٰ تکفیر عام ہوا تو علماء میانوالی نے ہندوستان کے دیگر علماء کی طرح علماء دیوبند سے بھی رابطہ کیا، علماء دیوبند نے مولانا حسین علی کے فتویٰ تکفیر کی وجہ سے اس کے خلاف فتاویٰ جاری کیئے۔ مولانا حسین علی کے افکار و نظریات کی تردید میں علماء دیوبند و جالندھر نے فتاویٰ جاری کیئے جو ایجوکیشن پریس جالندھر سے شائع ہوئے۔ ان دونوں فتاویٰ کو انجمن تائید حق لاہور سے بھی شائع کیا۔ مولانا عبد العزیز جالندھری اور مولانا مسعود احمد دیوبندی (نائب مفتی دار العلوم دیوبند) نے مولانا حسین علی سے لاتعلقی کا فتویٰ دیا۔ مولانا عبد العزیز جالندھری نے لکھا۔

> "ایک تفسیر جسکا نام بلغتہ الحیران فی ربط آیات الفرقان حال ہی میں بزبان اردو مذہب خیز خطہ پنجاب میں شائع ہوا ہے اس مفسر نے اہل سنت والجماعت کے عقیدے پر ایک کاری ضرب لگائی ہے، دوستی کے بھید میں دشمنی کی ہے۔ اس نے خود رائے سے کام لیتے ہوئے سلف صالحین کے خلاف لکھا ہے، نیز وہ اپنے سوا کسی کو بھی قرآن پاک کا سمجھنے والا نہیں مانتا اور فخریہ بیان کرتا ہے کہ قرآن کی سمجھ کسی کو بھی نہیں چنانچہ اس دور کے علماء ربانی میں سے بعض امت کے ولیوں کا نام لے کر جنہوں نے قرآن حکیم ترجمہ باالتفسیر شائع کر کے عامتہ المسلمین پر احسان کیا ہے، پھبتاں اڑاتا ہے"(67)

علماء دیوبند نے مولانا حسین علی کے دورہ ہائے تفسیر قرآن کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اور افتراق بین المسلمین کا سبب قرار دیتے ہوئے لکھا۔

> "اور معمولی استعداد کے طلبا کو ایک مہینے کے عرصہ میں سارے قرآن کی تفسیر پڑھا دیتا ہے اس چودھویں صدی کے مفسر کا نام

مولوی حسین علی بن محمد بن عبد اللہ نقشبندی ساکن وانڈھا مولوی حسین علی اسٹیشن واں بھچراں ضلع میانوالی ہے اور اپنے سواسب کو مشرک خیال کرتا ہے۔ فتویٰ کفر کا عام دیتا ہے چنانچہ قدوۃ السالکین عارف و محدث زماں مولانا ابو السعد احمد خان صاحب نقشبندی المجددی حنفی خلیفہ مجاز حضرت خواجہ محمد سراج الدین صاحبؒ پر بھی فتویٰ کفر کا جڑ ہی دیا"۔ (68)

پھر علامہ جالندھری نے بلغۃ الحیران میں بیان کردہ رویا اور مبشرات کارد کرنے بعد ان خیالات پر فتویٰ دیتے ہوئے لکھا

"جس شخص کے عقائد و خیالات مذہب اہل سنت و جماعت کیخلاف ہوں اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے وہ بدعتی ہے و نیز وہ ضال و مضل ہے اس سے اجتناب کلی کرنا چاہیے۔ ھو الموفق اللصواب "(69)

مولانا مسعود احمد دیوبندی (نائب مفتی دار لعلوم دیوبند) نے لکھا

"یہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے اس کے جملہ اقوال کاذب ہیں، مسلمانوں کو اس سے ملنا جلنا اور تعلق رکھنا کسی طرح جائز نہیں ہے، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں مولانا روم فرماتے ہیں

ای بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دسی نبادار دست (70)

علماء دیوبند کا فتویٰ اور مولانا حسین علی کی مشکلات:

علمائے دیوبند و جالندھر کے ان فتوؤں نے مولانا حسین علی کی مشکلات میں اضافہ کر دیا، اس کا اندازہ علامہ گانگوی کی حسب ذیل تحریر سے لگایا جا سکتا ہے

"جب یہ فتوے چھپ کر شائع ہو گئے اور مسلمانوں نے ان کو دلچسپی سے دیکھا تو ان کے شکم میں درد قولنج پیدا ہو گیا جس کے معالجہ میں گوناگوں چالیں کھیلیں پہلے تو ان پرچوں کے نابود کرنے کی کوشش کی، جہاں جہاں وہ پرچے تھے ان کو عاریتاً مانگ کر نذر آتش کر دیا۔ چنانچہ ان کا ایک وفد میرے پاس بھی آیا اور بڑی الحاح سے وہ فتویٰ عاریتاً مانگے، مگر میں تو ان کے مکائد فاسدہ سے واقف ہوں، ان کو کب وہ فتوے دیتا"(71)

مولانا حسین علی کا مولانا حسین احمد مدنی کی طرف رجوع:

مولانا حسین علی اور ان کے حامی علما نے علما دیوبند، جالندھر کے فتاویٰ سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے مولانا حسین احمد مدنی کی طرف مراجعت کی، مولانا مدنی نے مولانا واں بھچروی کی تائید میں ایک خط تحریر کیا، جس کی عبارت حسب ذیل تھی۔

"محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم! ولا نامہ باعث عزت افزائی ہوا، یاد آوری کا شکریہ ادا کرتا ہوں مجھ کو یہ خبر سن کر بہت زیادہ افسوس ہوا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب کے متعلق یہ غلط پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ علماء دیوبند نے کفر کا فتویٰ دے دیا ہے، جواباً گزارش ہے کہ علماء دیوبند میں سے حضرت موصوف کے متعلق کسی نے بھی کفر کا فتویٰ نہیں دیا، یہ محض افتراء اور بہتان ہے جو ان لوگوں کی عادت قدیمہ ہے، ہم مولانا حسین علی صاحب کو اپنا بزرگ مانتے ہین، دعوت صالحہ اور خدمات لائقہ سے فراموش نہ فرمائیں جملہ واقفین

پرسان حال کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیں۔ دستخط مولانا
حسین احمد بقلم اصغر علی غفرلہ از دار العلوم دیوبند"[72]

سید گانگوی کا مکتوب مدنی پر تبصرہ:

یہاں غور طلب پہلو یہ ہے کہ مولانا حسین علی نے مولانا حسین احمد مدنی کے مکتوب کا سہارا کیوں لیا کسی اور دیوبندی عالم کا سہارا کیوں نہ لیا گیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا حسین احمد مدنی اس سے پہلے جنوبی پنجاب کے سیاسی دورے کر چکے تھے نظریہ قومیت میں تائید کے لئے وہ میانوالی میں قیام کر چکے تھے۔ جن علاقوں میں یہ مذہبی جنگ جاری تھی وہاں کے علماء عوام ان کے نام سے واقف اور شخصیت سے آگاہ تھے۔ دورہ میانوالی میں مولانا مدنی، مولانا احمد خان خانقاہ سراجیہ، مولانا اکبر علی وغیرہ سے ملاقات کر چکے تھے،لہذا یہ تائید علماء پنجاب میں مولانا واں بھچروی سے متعلق نرمی پیدا کر سکتی تھی۔ مولانا گانگوی چونکہ فرنگی محل و لکھنو سے فارغ التحصیل تھے اور 1865ء میں فرنگی محل سے اکتساب فیض کر کے واپس آئے تھے اور دارالعلوم دیوبند کی بنیاد اس کے دو سال بعد پڑی تھی لہذا انہوں نے علامہ مدنی کے اس مکتوب کا محاسبہ کیا اور دیوبند و جالندھر کے فتاویٰ اور مکتوب کا تعاقب کرتے ہوئے لکھا

"اگر مولوی حسین احمد صاحب سے اس فتویٰ کی تردید نہیں ہو سکتی تھی بلکہ صرف اشک شوئی ہی منظور تھی تو کم از کم اشک شوئی تو مکمل کر دیتے مگر وہ بھی بدقسمتی سے نہ ہو سکی کیونکہ ان کے مکتوب پر دار العلوم کی مہر ہے اور نہ ہی ان کے اپنے دستخط بلکہ ایک مہمل لفظ لکھ دیا (دستخط مولوی حسین احمد بقلم اصغر علی) یہ عجیب معمیٰ ہے کہ اس

کے سمجھنے سے ہمارے اذہان قاصر، دست خط تو مولوی حسین احمد کا اور قلم ہو اصغر علی کا اس کا معنی کیا ہے، اگر مولوی حسین احمد صاحب نے اس مکتوب کو اپنے ہاتھ سے تحریر کیا ہے تو دستخط کہنا صحیح بلکہ اصغر علی سے لکھوایا ہے تو دستخط کا کیا معنی؟ بہر کیف یہ ایسا معمیٰ ہے جس میں مشغول ہونے سے اصل مطلب فوت ہوتا ہے تو ایسے مکتوب کا کیا اعتبار ہوا"(73)

مولانا گانگوی نے مکتوب مدنی پر تبصرہ کرتے ہوئے مزید لکھا

"مولوی حسین احمد صاحب کا یہ کہنا کہ علماء دیوبند میں سے حضرت موصوف کے متعلق کسی نے بھی کفر کا فتویٰ نہیں دیا، بالکل امر واقعہ ہے اس میں کوئی کذب نہیں ہے کیونکہ جو فتویٰ مولوی حسین علی کے بارہ میں علماء دیوبند نے دیا ہے وہ کفر کا فتویٰ نہیں بلکہ عدم برتاؤ کا فتویٰ ہے، عدم برتاؤ اور شے ہے اور کفر چیزے دیگر کمامر فیمامر، مولوی حسین احمد صاحب کا یہ لطائف الحیل داد دینے کا قابل ہے، بات بھی سچی کہدی اور ان سے جان بھی بچالی، ثانیاً مولوی حسین احمد صاحب بحیثیت مدرس ہونے کے افتاء کی حد میں دخل انداز نہیں ہوسکتے۔ ہر کسے بہر کار ساختند۔ بلکہ یہ کام مفتی یانائب مفتی کا ہے جس نے بلا روو ریا فتویٰ لکھ کر اس پر دار العلوم کی مہر لگادی۔ بس فیصلہ شد۔ اب اگر مولوی حسین احمد یا دیگر مدرسین اس کی اشک شوئی کرتے پھریں تو اس سے اصل فتویٰ رد ہرگز نہیں ہوسکتا، ہاں اگر فتویٰ کی باقاعدہ تردید کرتے اور اس تردید پر دار العلوم کی مہر بھی لگادیتے تو اس وقت

یہ کہنا بے جانہ ہوتا کہ فتویٰ رد ہو گیا"۔[74]

سید احمد الدین گانگوی کا علماء دیو بند کی توصیف کرنا:

علامہ گانگوی کی وسعت قلبی اور عالمانہ شرافت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جہاں ایک طرف وہ مولانا مدنی وغیرہ کا رد کر رہے ہیں وہیں علماء دیو بند کے فتویٰ عدم تکفیر کی تائید بھی کر رہے ہیں، علامہ گانگوی لکھتے ہیں۔

"علاوہ ازیں مولوی حسین علی کے حق میں علماء دیو بند و جالندھر نے اپنے فتویٰ میں کفر کا لفظ نہیں لکھا بلکہ عدم برتاؤ کا حکم لکھا ہے اور ان دونوں میں جو فرق ہے کسی ذی بصیرت مسلمان سے مخفی نہیں اور علماء دیو بند وغیرہ کا مولوی حسین علی کو کفر کا حکم نہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ علماء اہل سنت والجماعت تکفیر المسلمین کے بارہ میں بہت احتیاط کرتے ہیں جیسا کہ اصول مذہب حنفیہ ہے"۔[75]

فتویٰ دیو بند کے جواب میں مولانا حسین علی اور ان کے حامی علماء کے شائع کردہ اشتہارات:

مولانا حسین علی اور ان کے حامی علماء کی طرف سے بعض اشتہارات شائع کئے گئے جن کا بنیادی مقصد علماء دیو بند کے فتاویٰ، مولانا گانگوی اور مولانا ابو سعد احمد خان کی تکفیر و تشریک اور مولانا حسین علی پر کئے جانے والے اعتراضات کی توضیح و تشریح تھا۔

تقویٰ بجواب فتویٰ:

"بعض بد طینت اور دین سے بے خبر لوگوں نے دار العلوم دیوبند کی آڑ لے کر نائب مفتی سے جو ایک محرر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھچروی شاگرد خاص حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور خلیفہ اعظم حضرت خواجہ محمد عثمان صاحب دامانیؒ اور استاد حضرت خواجہ سراج الدین صاحبؒ بلغۃ الحیران کی ایک مبہم عبارت کی وجہ سے کفر کا فتویٰ حاصل کر کے شائع کیا ہے۔ ہم نے عوام کو گمراہی سے بچانے کے لئے مولانا موصوف کی خدمت عالیہ میں یہ عرض کیا کہ اس مسئلہ پر بقدر ضرورت روشنی ڈال کر خلق اللہ کی رہبری فرمائیں۔ الحمد للہ کہ مولانا نے ہماری اس درخواست کو شرف پذیرائی سے بخشا، ایک مدلل تحریر بغرض اشاعت روانہ فرمادی۔ جو ذیل میں درج کی جاتی ہے"۔(76)

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ ایک تو مذکورہ اشتہار علماء دیوبند اور دیگر علماء کی طرف سے جاری کردہ فتویٰ کے جواب میں جاری کیا گیا اور دوسرا اس اشتہار کی مکمل عبارت مولانا حسین علی کی اپنی تحریر کردہ تھی۔ مولانا حسین علی نے بلغۃ الحیران کی عبارات کی توضیح کرتے ہوئے ابتداءً ہی لکھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"اللھم صل علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آل سیدنا محمد وبارك وسلم علیه، بلغۃ الحیران صفحہ 133 سطر 12 میں ہے قولہ تعالیٰ الا فی کتاب مبین۔ اس سے یا لوح محفوظ مراد ہے۔ یا علم اللہ تعالیٰ یا وہ اعمال نامے جو فرشتوں کے پاس ہوتے ہیں۔ باقی اس کی تحقیق کماحقہ میں ایک رسالہ

سے سورۃ ہود میں جو لفظ ہے کہ ماقبل کے ساتھ متعلق نہیں اور بلکہ لفظ نہیں ہے اصل میں لفظ یا کہ ہے۔ اس میں نہ لوح محفوظ کا انکار ہے۔ نہ تقدیر کا انکار بلغۃ الحیر ان تصنیف نذر شاہ وغلام خان کی ہے۔ انہوں نے استاذ کی تقریریں قلمبند کی ہیں۔ کچھ ان کے اپنے عندیے بھی ہیں۔ مگر بعض دجالوں کذابوں نے کسی کذاب کے کہنے پر بلا سوچے سمجھے اشتہار شائع کر دیا۔ اور مشرکوں کو خوش کیا"۔ (77)

مولانا احمد خان کے متعلق دیئے گئے فتویٰ کا سبب بیان کرتے ہوئے اور تحفہ لاریب کو مولانا احمد خان کی تصنیف قرار دیتے ہوئے مولانا حسین علی نے لکھا:

"اور یہ جو اشتہار میں درج ہے کہ مولوی احمد خان پر کفر کا فتویٰ دیا۔ سو فتویٰ میں تو کسی کا نام نہیں لکھا بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب مسمی لاریب میں یوں لکھا ہے۔

نفی کہتامیں جو فرمائی پاک محمد سائیں
کسر نفسی تے ہورتو اضع کیتی آپ اور تھائیں
کیوں جو غیب داعلم خداوند پاک نبینوں دتا
حاسد ضدی داکیوں سڑدا ہے کلیجہ پتا" (78)

تقویٰ بجواب فتویٰ کی مزید توضیح کے لیے مولانا حسین علی کے حامی علماء کی طرف سے غایۃ القصویٰ کے نام سے ایک اور اشتہار جاری کیا گیا اور اس کا سبب تقویٰ بجواب فتویٰ کی مزید تشریح اور تفصیل بیان کیا گیا۔ مفتی محمد مسلم دیوبندی نے اس اشتہار کی ابتداء میں اس بات کو بیان کرتے ہوئے لکھا۔

غایۃ القصوی فی توضیح مافی التقویٰ:

"بعض دوستوں نے فقیر سے کہا کہ اشتہار تقویٰ بجواب فتویٰ میں جو تحریر مولانا حسین علی صاحب کی شائع ہوئی ہے وہ کلام الملوک ملوک الکلام ہونے کی وجہ سے عوام کی نظر میں ویسا ہی محتاج تشریح ہے جیسا کہ اصل کتاب بلغۃ الحیران ہے۔ کیا اچھا ہو کہ اس کی وضاحت کر دی جائے تا کہ لوگوں کو اس کا سمجھنا آسان ہو۔ میں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ عامۃ الناس کو سمجھانے کے لیے ایسے آدمی کا ہونا جو عوام ہی کا ایک فرد ہو زیادہ مناسب ہے۔ اس لئے میں نے بقدر استطاعت اشتہار اور اصل کتاب کے اس مسئلے کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ تا کہ عوام الناس اصل حقیقت سے واقف ہو کر صحیح رائے قائم کر سکیں"۔(79)

بلغۃ الحیران کی جن بعض عبارات کی وجہ سے علماء دیوبند نے مولانا حسین علی سے قطع تعلق کا فتویٰ جاری کیا ان میں سے بعض کی توجیہات کو بیان کیا گیا۔ مولانا مفتی محمد مسلم دیوبندی نے اس اشتہار میں کل فی کتاب مبین کی تفسیر پر وارد اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے لکھا:

"کل فی کتاب مبین۔ سورۃ ہود کی ظاہری عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ علم الٰہی کی تمام چیزیں لوح محفوظ میں درج ہیں۔ اس پر ملا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ میں یہ اعتراض نقل کیا کہ علم الٰہی غیر متناہی ہے۔ اور غیر متناہی چیز کبھی تحریر میں نہیں آسکتی۔ اس لئے علم الٰہی کا بتمامہ لوح محفوظ میں لکھا جانا ناممکن ہے۔ اس سوال کا ایک جواب تو خود ملا علی قاری نے بحوالہ حدیث در منثور یہ دیا ہے کہ لفظ

کل سے وہ چیزیں مراد ہیں جو قیامت تک ہونیوالی ہیں۔ اور جس حدیث میں الی الابد کی قید آئی ہے اس میں بھی یہی مراد ہے۔ تمام علم کا لکھا جانا مراد نہیں"۔(80)

الزام اعتزال کے جوابات دینے کے بعد مولانا احمد خان کی تکفیر کے حوالے سے وضاحت کرتے ہوئے اس اشتہار میں تحفہ لاریب کو مولانا گانگوی کی طرف منسوب کیا گیا۔ حالانکہ اس سے قبل سابقہ اشتہار میں مولانا حسین علی رسالہ تحفہ لاریب کو مولانا احمد خان کی طرف منسوب کر چکے تھے۔

"رہا مولانا مولوی احمد خان صاحب کا معاملہ سو ان کے متعلق کسی فتوی میں تکفیر نہیں کی گئی کہ انہوں نے یعنی مشرکانہ خیالات رکھنے والے لوگوں نے مختلف دستخطوں سے ایک رسالہ تحفہ لاریب میں شائع کیا جس کا مصنف احمد دین (گانگوی) ہے اس میں لکھا گیا کہ نبی علیہ السلام کو بھی کلی طور پر خدا کے برابر علم غیب حاصل تھا"۔(81)

مولانا احمد خان کی تکفیر کے متعلق اس اشتہار کے آخر میں مزید یہ بات تحریر کی گئی:

"اس عبارت سے مولوی احمد خان کے دوستوں نے بلاوجہ ان کی تکفیر نکال لی اگر مولوی صاحب کا خیال جزوی طور پر علم غیب حاصل ہونے کا ہے تو چشم ما روشن دل ماشاد ہم بھی یہی کہتے ہیں اور ایسا نہ جاننے والے کو کافر سمجھتے ہیں اور اگر خدا کی طرح وسعت علمی اور کلی علم غیب نبی علیہ السلام کے لئے تجویز کرتے ہیں۔ تو ان کو خود ہی اپنے لئے شرعی فیصلہ کر لینا چاہیے کسی کو کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے"۔(82)

مذکورہ اشتہارات پر سید گانگوی کا نقد و تبصرہ:

علامہ گانگوی نے اس اشتہار کا تعاقب کیا اور اس کی عبارات پر بھی گرفت کی، علامہ گانگوی نے لکھا:

> "ہاں ملوک الکلام نے اس امر کو واضح کر دیا کہ تقویٰ کا جو شرعی معنی ھو الاجتناب عن الفواحش ہے وہ ان کے نزدیک نہیں بلکہ ان کے نزدیک التقوی ھو ارتکاب الفواحش، چنانچہ اسی تقویٰ میں شروع سے اخیر تک سوا فحش وبدزبانی کے دیگر کچھ بھی نہیں، ظاہر ہے کہ اس فتویٰ علماء اسلام کے شائع کرنے والے نہ ہندو ہوں گے اور نہ ہی یہود و نصاریٰ بلکہ مسلمان ہی ہوں گے جن کو تقویٰ اور ملوک الکلام نے کھلے الفاظ سے دجال کذاب محض اس وجہ سے کہہ دیا کہ مولوی حسین علی کی غلط بیانی کو کیوں فاش کیا"۔[(83)]

مولانا حسین علی پر تنقید کا سبب:

علامہ گانگوی کھلے بندوں مسلمانوں کو کافر و مشرک کہنے کے اس رویے سے سخت نالاں تھے اور یہی وہ بنیادی سبب تھا جس کی وجہ سے وہ بڑی شدت سے مولانا حسین علی اور ان کے ہمنواؤں کا مقابلہ کر رہے تھے، مولانا حسین علی سے شدید ترین اختلافات کے دور میں گانگوی کی عمر نوے سال سے زائد تھی، ان کے تقویٰ و پرہیز گاری کا زمانہ معترف تھا، خواجہ محمد دین سیالوی کے سلسلہ چشتیہ میں خلافت یافتہ تھے، سینکڑوں علما ان سے اکتساب فیض کر چکے تھے، حافظہ قوی، علم مضبوط، عمل صالح اور کامل تجربہ کے اوصاف سے مالا مال تھے، ایسے میں جہاں ایک طرف قیام پاکستان کے لئے چلائے جانے والی تحریکوں کی سرپرستی کر رہے تھے، وہیں نومولود افکار و نظریات

کی تردید میں بھی کمربستہ تھے، انہیں دکھ اور افسوس اس امر کا تھا کہ کس بے باکی سے مسلمانوں کو مشرک کہا جارہا ہے، اس کا اظہار وہ کچھ یوں کرتے ہیں۔

"تعجب تو یہ ہے کہ مسائل اختلافیہ میں علماء ہمیشہ جھگڑتے اور ایک دوسرے کے اقوال کی تردید تکذیب کرتے چلے آئے ہیں مگر ان کو ایسا کرنے کی وجہ سے نہ دجال کہا جاتا ہے نہ کذاب، ہاں اگر کلام الٰہی جل جلالہ یا فرمان رسالت پناہی پر نکتہ چینی العیاذ باللہ کوئی کرے تو اسے دجال کذاب کہنا بے جا نہ ہوگا مگر یہاں تو مولوی حسین علی کے ارشاد کی تنقید کرنے والوں کو دجال کذاب و مشرک علی الاعلان کیا جارہا ہے"۔[84]

یہ بات قابل غور ہے کہ جس رسالہ لاریب کی وجہ سے مولانا احمد خان (خانقاہ سراجیہ) کی تکفیر کی گئی اور مولانا گانگوی کی تشریک وہ رسالہ نہ تو علامہ گانگوی کا تھا اور نہ ہی مولانا احمد خان کا بلکہ اس رسالہ کے مصنف مولانا امیر علی تھے جبکہ جس عبارت کی بنیاد پر تکفیر کی گئی وہ اس رسالہ میں موجود نہ تھی۔

مولانا منور دین نے مزید مسئلہ تکفیر در مسئلہ علم غیب میں مولانا مرتضیٰ حسن دیوبندی کے فتویٰ کو بطور استدلال پیش کیا، جو بلغۃ الحیران کے ابتدائی میں شائع ہو چکا تھا، اس فتویٰ کا ذکر کرتے ہوئے اور مخالفین کی تکفیر کرتے ہوئے مولانا منور دین لکھتے ہیں:

"بلغۃ الحیران ص 4، فتویٰ بغدادی میں ہے، فتویٰ مولانا مرتضیٰ حسن ناظم تعلیم دیوبند، بحوالہ پرچہ اخبار امرتسر 14 اکتوبر 1927ء ان عقائد باطلہ پر مطلع ہو کر انہیں کافر و مرتد ملعون و جہنمی نہ کہنے والا ویسا

ہی مرتد و کافر ہے"۔[85]

مولانا گانگوی نے مولانا مرتضیٰ حسن دیوبندی کے اس فتویٰ اور پرچے کا محاسبہ کرتے ہوئے لکھا۔

"ناظم صاحب کا قول اور پھر منقول از پرچہ اخبار کو وصی من اللہ قرار دینا اور تکفیر المسلمین جیسے معاملہ میں آلہ کار بنا کر مسلمانوں کو صرف کافر ہی نہیں بلکہ مرتد و ملعون و جہنمی کہہ دینا اور اسی پر بس نہیں بلکہ جو شخص مسلمانوں کو ایسا نہ کہے اس کو بھی ویسا کہہ دینا پھر اس کو ایسا نہ کہنے والا بھی علی ہذا القیاس۔ یہ سب بے ہودہ پن ہے"۔[86]

مسئلہ تکفیر میں سید گانگوی کا حزم و احتیاط:

مولانا گانگوی حکم تکفیر کے معاملہ میں انتہائی محتاط تھے اسی کا اظہار کرتے ہوئے مذکورہ فتاویٰ کے تناظر میں لکھتے ہیں۔

"معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کفر و ارتداد و لعنت و جہنم ان کے گھر کا متاع (ہے) جسے چاہا چسپاں کر دیا، حالانکہ فقہاء کرام نے صریحاً ارشاد فرمایا ہے کہ جس کلام کا محمل صحیح بن سکتا ہو یا اس میں اختلاف ہو اگرچہ روایت مخالفہ ضعیفہ یا کسی دوسرے مذہب کی بھی کیوں نہ ہو تو حکم کفر ہرگز نہ دیا جائے"۔[87]

مسئلہ تکفیر کے لئے ائمہ مذہب کے اجماع کو ضروری قرار دیتے ہوئے اور فقہاء احناف کی تصریحات سے ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"بلکہ تکفیر المسلمین کے لئے ائمۃ المذہب کا اجماع ضروری ہے دیکھو اشباہ والنظائر ص 220 اور شامی جلد 3 ص 293 جسکی عبارت ذیل ہے:

"۔والذی تحرر انہ لا یقضی بتکفیر مسلم امکن حمل کلامہ علی محمل حسن ولو کان فی کفرہ اختلاف ولو روایتہ ضعیفۃ اور حموی میں ھے اقول ولو کانت تلك الروایۃ لغیر مذھبنا ویدل علی ذلك اشتراط کون ما یوجب الکفر مجمعاً علیہ. اور ابن ہمام کا ارشاد ہے :والحق ان ما صح عند المجتھدین فھو علی حقیقۃ وما ثبت عنی غیر ھم فلا یغتنی بہ فی مسئلۃ التکفیر"۔[88]

علامہ گانگوی مزید لکھتے ہیں:

"غرض تکفیر المسلمین کے بارہ میں ہر کہہ ومہ کو اقدام کرنے کی گنجائش نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے نظام شرعی ہے جس کے ماتحت چلنا ضروری ہے، ورنہ اپنے آپ کو کفر کے گڑھے میں ڈالنا ہو گا"۔[89]

اخبار امر تسر میں شائع شدہ قول تکفیر پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"اب دیکھنا یہ ہے کہ ناظم صاحب کا قول اور وہ بھی پرچہ اخباری سے منقول، ادھر معاملہ تکفیر المسلمین، حیف صد حیف، بات کرتے شرم نہیں آتا، اول تو اخباری باتوں پر کوئی اعتبار نہیں ہوتا، دوسرا یہ کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ ناظم صاحب کا واقعی یہی ارشاد ہے تاہم قابل بحث یہ امر ہے کہ ناظم صاحب نہ امام المذہب ہے اور نہ ہی اس کی طرف وحی من اللہ آیا ہو گا تو اس کے قول پر ایسے مسائل میں حتمی اعتبار کر لینا کہاں کی ایمانداری ہے"۔[90]

انجمن شعبہ تبلیغ کے پلیٹ فارم سے مفاہمت کی کوشش:

1940ء کے عشرے میں انجمن شعبہ التبلیغ کے پلیٹ فارم سے مفاہمت کی ایک اور کوشش کی گئی۔ چونکہ تمام تر نزاع کی بنیاد مسئلہ علم غیب تھا اور سید گانگوی اور ان کے مؤیدین علم غیب النبی ﷺ کے جواز کے قائل تھے جبکہ مولانا حسین علی قائلین علم غیب کو کافر و مشرک قرار دے رہے تھے۔ انجمن شعبہ تبلیغ میں علاقہ کے معروف علماء سیاسی سماجی راہنما شامل تھے۔ لہذا اشتہار دیا گیا کہ مسئلہ علم غیب میں اختلاف سے احتراز کیا جائے کیونکہ بحث ومباحثہ سے مسلمانوں کی قوت وطاقت کمزور پڑ رہی ہے اور مسلمانوں کو آزادی کے لئے اتفاق واتحاد کی ضرورت ہے۔ مگر مفاہمت کی یہ کوشش بھی ناکام ہوئی اور اس کے جواب میں مولانا حسین علی اور ان کی جماعت کی طرف سے آنے والے فتاویٰ اس قدر سنگین نوعیت کے تھے کہ ان سے میانوالی اور نواح کے مسلمانوں کی مشکلات میں مزید اضافہ ہو گیا۔

اشتہار کا مفاہمتی حصہ کچھ یوں تھا۔

> "مسلمانو! آپ کی روز بروز دگرگوں حالت اور اختلافی مسائل کی الجھن میں آکر شیرازہ قدیم کو بکھرتے دیکھ کر آپ کی دینی و دنیاوی زندگی کا علاج کرنا علماء دین نے از حد محسوس کیا ہے اور ایک مجلس شعبۃ التبلیغ میانوالی میں قائم کی جس نے پہلا فرض عین آپ کے اختلاف کو دور کرنے کا سمجھا۔ بڑے بڑے علماء دین کو دعوت دی گئی۔ انہوں نے بالاتفاق عوام الناس کو بچانے کے لئے یہ راستہ بتایا کہ ہر کسی کا اعتقاد یہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ اللہ نے رسول ؐ کو علم دیا۔ ہمارا اس پر اعتقاد ہے۔ آپ کو فرقہ بندی چھوڑ دینی چاہیے۔ اور رسول ؐ کے حق میں بے ادبی کے الفاظ ہرگز استعمال نہ کرنے چاہییں۔ نیچے ارکان

مجلس کے نام ہیں۔حاجی مولوی احمد الدین صاحب گانگوی، مہتمم
وغیرہ جن علماء کو دعوت دی گئی تھی ان میں مولوی غلام محمود صاحب
ساکن پپلاں کانام بھی ہے"۔[91]

قاضی نور محمد تلمیذ کبیر مولانا حسین علی کا مفاہمتی پیش کش پر نقد و تبصرہ:

اس مفاہمت کا صاحبِ صاعقہ الرحمان نے کچھ یوں جواب دیا

"عبارۃ مذکورۃ لصدر سے معلوم ہوا کہ (1) عوام الناس رسول اللہ ﷺ کے علم غیب میں مختلف تھے(2) علماء نے اختلاف کو اس طرح ختم کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو جس قدر علم عطا کیا گیا ہے اس پر ہمارا ایمان ہے۔ تفصیل میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ کتنا ہے۔ خواہ وہ اتنا خدا کا علم ہے یا اس سے کم ہو یا زیادہ کوئی بحث نہیں۔ علماء کرام نے سمجھا اب قصہ ختم ہو گیا بحث ختم ہو گئی اور ختم ہو بھی جاتی"۔[92]

قاضی نور محمد انجمن شعبۃ التبلیغ کے اشتہار پر مزید تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لوگوں کو تو وہم گمان بھی کبھی نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ علم الغیب اور حاضر وناظر ہیں۔ ہر ایک امتی کی صدا نداسنتے ہیں۔ وہ بے چارے تو یہی جانتے تھے۔ عالم الغیب اور حاضر وناظر صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کوئی نہیں اور چھوٹی چھوٹی پنجابی کتابوں میں ایمان کی شرائط میں انہوں نے پڑھا تھا۔ دوجا علم غیب دا خاص خدا تعالیٰ نون"۔[93]

علماء کرام کا خیال یہ تھا کہ تین عشروں سے جاری اس کشمکش کا مذکورہ مفاہمتی کاوش سے خاتمہ ہو جائے گا اور مسلمان قیام پاکستان کے لئے کی جانے والی کوششوں

میں بغیر کسی افتراق کے شریک ہو پائیں گے ۔ مگر ایک مرتبہ پھر خانقاہ حسینیہ واں بھچراں سے اس مخلصانہ پیش کش کا جواب تنقید و تکفیر کی صورت میں سامنے آیا۔ قاضی نور محمد نے نقد کرتے ہوئے لکھا۔

"لیکن یہی سجادہ نشینان اور جبہ و دستار پوشاں علماء کرام تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے علم غیب کا عقیدہ لوگوں کے دلوں میں بٹھایا وعظ اور تصنیف دونوں طریقوں سے لوگوں کو جادہ اعتدال سے ہٹایا چنانچہ ان بزرگوں کے ملفوظات آئندہ پیش کئے جائیں (گے) اور بتایا جائے گا کہ یہ حضرات لوگوں سے کیا کیا انہونی منواتے رہے اور اب کہ بعض علماء نے ان مکائد کو میانوالی میں جا کر واضح کیا اور لوگوں کو ہوش آنے لگا تو ناصح مشفق بن کر ایک اجمال کی اڑلینی شروع کر دی"۔ (94)

سید گانگوی نے اس کا جواب کچھ یوں دیا

"میں کہتا ہوں کہ انجمن شعبہ تبلیغ کے پرچہ اغراض و مقاصد پر نکتہ چینی کرنے کے لئے مصنف رسالہ کفریہ نے ایڑھی سے چوٹی تک زور لگانے کے باوجود کوئی موقع نہ ملا۔ ادھر سے وفد وہابیہ نے مجبور کر رکھا کہ اس پرچہ کا نقص نکالیں اور ضرور نکالیں ورنہ ہمارا کیا کرتا خاک میں مل جائے گا تو مصنف نے آنکھیں بند کر کے دو اعتراض جڑ دیئے۔ (اعتراض اول) پرچہ کی اس عبارت پر کہ کس کو اعتقاد یہ ہونا چاہیے کہ جو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو علم دیا ہمارا اس پر اعتقاد ہے۔ بس اس عبارت کی سلاست نے تمام جھگڑے ختم

کر دیئے کوئی انصاف پسند عقلمند صلح جو انسان نہیں جو اس عبارت کے
کسی فقرے کو قابل اعتراض قرار دے دیا۔ وہابی چونکہ مفسد وشریر
ہیں ان کو یہ صلحی الفاظ کب پسند آتے فوراً اعتراض جڑ دیا"۔ [95]

فاضل بریلوی اور خواجہ قمر الدین سیالوی پر نقد وجرح:

قاضی نور محمد نے فاضل بریلوی اور خواجہ قمر الدین سیالوی کے عقیدہ علم غیب پر نقد وجرح کی ہے اور ہر دو علماء کی عبارات کا موازنہ کیا ہے۔

"مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی جو مخالف فریق کے پیشواء ہیں
رسالہ خالص الاعتقاد ص ۸۲ میں تحریر فرماتے ہیں علم یقیناً ان صفات
میں ہے کہ غیر خدا کو بعطائے الٰہی مل سکتا ہے تو ذاتی وعطائی کی طرف
اس کا انقسام یقینی یونہی محیط وغیر محیط کی تقسیم بدیہی ان میں اللہ عزوجل
کے ساتھ خاص ہونے کے قابل صرف ہر قسم کی قسم اول ہے یعنی علم
ذاتی اور علم محیط حقیقی آگے تحریر فرماتے ہیں "آخر بنائے تکفیر یہی تو
ہے کہ خدا کی صفت خاصہ دوسرے کے لئے ثابت کی ہے۔" [96]

مولانا قاضی نور محمد فاضل بریلوی کی عبارت سے بعض فوائد کشید کرتے ہوئے اور خواجہ قمر الدین سیالوی کے عقیدہ علم غیب سے موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس عبارت سے فوائد ذیل حاصل ہوئے (1) خاصہ خدا علم غیب
ذاتی ہے خواہ وہ کتنا ہی تھوڑا کیوں نہ ہو (2) نیز خاصہ خدا علم غیب محیط
کلی ہے یعنی ہر ایک چیز کا علم بلا استثناء (3) خصوصیت کی وجہ بداعقلی
ہے نہ نص قرآنی (4) جو علم خدا کے ساتھ خاص ہے وہ کسی غیر میں
تسلیم کیا جائے تو کفر لازم آجاتا ہے۔ ہمیں سے بحث نہیں کہ جو کچھ

مصنف مذکور نے ذکر کیا ہے وہ صحیح یا غلط لیکن یہ تو دیکھنا چاہیے کہ مصنف مذکور کے نزدیک اشتہار دہندگان کیا کچھ ہیں اور خان صاحب بریلوی ان کے نزدیک کیا کچھ۔ سو گزارش ہے کہ پیر قمر الدین صاحب سیالوی نے مولوی منور الدین صاحب کے ساتھ جو مناظرہ کرایا تھا اس میں قمر الدین صاحب نے اپنا عقیدہ اس طرح بیان کیا کہ اللہ کریم نے رسول اللہ ﷺ کو تمام مغیبات کا علم دیا ہے اور حضور علم کلی جانتے ہیں جو شخص اس عقیدے والے کو کافر کہے وہ خود کافر ہے"۔(97)

قاضی نور محمد فاضل بریلوی اور خواجہ قمر الدین سیالوی کا مذکورہ بالا عقائد کے تناظر میں رد کرتے ہیں۔

"اسی صفحہ میں ہے کہ پہلے صاحبزادہ صاحب نے (یعنی پیر قمر الدین صاحب) اپنا عقیدہ یہ لکھا تھا کہ آغاز آفرینش عالم سے قیامت تک کا علم محیط حضور سرور کائنات کو حاصل ہے۔ مولوی منور الدین صاحب نے فرمایا کہ آپ کی گفتگو علم میں تھی اور یہ علم تو محدود ہوا اس کے بعد پیر صاحب نے اپنا عقیدہ مذکور بالا لکھ دیا۔ اب معاملہ صاف ہو گیا پیر قمر الدین صاحب فرماتے ہیں کہ حضور علم کلی جانتے ہیں۔ جو شخص اس عقیدے والے کو کافر کہے وہ خود کافر ہے۔ اور خان صاحب ان کے پیشوا ارشاد فرماتے ہیں "علم غیب محیط کلی خدا کے ساتھ خاص ہے۔ جو یہ کہے کہ یہ علم کسی اور کو حاصل ہے وہ کافر"۔ نتیجہ صاف خان صاحب بریلوی کے نزدیک پیر قمر الدین صاحب کافر اور پیر قمر

الدین صاحب کے نزدیک خان صاحب بریلوی کافر۔ہم دونوں بزرگوں کو سچا جانتے ہیں"۔[98]

تحفہ لاریب کے تائید کنندگان:

تحفہ لاریب کے تائید کنندگان کا تذکرہ کرتے ہوئے قاضی نور محمد لکھتے ہیں۔

"(1)غلام محمود پپلوی نجم الرحمن میں (2)مولوی یار محمد بندیالوی (3) غلام نبی امام جامع شہر لیہ(4)مولوی غلام محمد قریشی ضلع ڈیرہ اسماعیل خاں (5) مولوی نور محمد امام مسجد اسٹیشن کندیاں (6) پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری(7)مولوی غلام حسین مالگوالی(8) مولوی نور محمد ملتانی (9) مولوی نعیم الدین مراد آبادی(10) سید معوان حسین صاحب رامپوری(11) مولوی حامد رضا خان صاحب خلف الرشید مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی(12) مولوی غلام قاسم خان چک بندی (13) مولوی حسام الدین رکھی نمل(14) مولوی عبد اللہ صاحب گرد اور نکاح خوانان تحصی بھکر(15) حافظ فضل کریم صاحب واں بھچراں(16) مولانا غلام یٰسین صاحب امام مسجد ملکانوالی واں بھچراں (17) پیر قمر الدین صاحب سجادہ نشین سیال شریف (18)مولوی احمد الدین صاحب سکنہ گانگی وغیرہ حضرات جن کے اسماء گرامی تحقیق لاریب کے آخر میں اس نظریہ کے ساتھ لکھے ہوئے موجود ہیں اور ان بزرگوں سے اگر کسی شخص کو اب بھی انکار ہو کہ ہم اس عقیدے سے توبہ کرتے ہیں تو ہم ان کا نام

اس فہرست سے کاٹ دیں گے اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہمارا نام صاحب
تحقیق لاریب نے ہمارے سے پوچھے بغیر شائع کر دیا ہے تو ہم اس کا
نام بھی کاٹ دیں گے"۔[99]

تحفہ لاریب کی وجہ سے علماء و مشائخ کی تکفیر کا جواب:

تحفہ لاریب مصنفہ سید امیر علی گانگوی کی وجہ سے مولانا حسین علی نے تقاریظ لکھنے والے جملہ علماء کرام کی تکفیر کر دی۔ خصوصاً مولانا احمد خان اور مولانا احمد الدین گانگوی۔ جس عبارت کی وجہ سے تکفیر کی گئی وہ عبارت موجود ہی نہ تھی۔ اسی طرح کتاب کے ساتھ چھاپہ خانہ والوں نے مولانا غلام محمود پپلانوی کا فتویٰ شائع کر دیا جس سے تائید کنندگان علماء میں سے کسی کا کوئی تعلق نہ تھا۔ اس فتویٰ کی وجہ سے مولانا نور محمد اور مولانا منور الدین وغیرہ نے اشتہارات کے ذریعے تمام مشائخ کا مذاق اڑایا اور جلسوں میں طعن و تشنیع کے نشتر برسائے۔ اس کا سدباب کرتے ہوئے مولانا گانگوی نے لکھا۔

"واقعات یہ ہیں کہ کتاب تحقیق لاریب مکمل ہو چکی تھی اور اس پر
علماء کرام کے دستخط بھی ہو چکے بعدہ مولوی غلام محمود صاحب نے
ایک فتویٰ جس میں یہ روایت لطائف الملل امام شعرانی سے نقل
کر کے لکھ دی اور تحقیق لاریب کے ساتھ اس فتویٰ کو چسپاں کر دیا گیا
جو کہ دونوں معاً چھپ گئے اور چھاپ خانہ والوں نے غلطی سے
مواہیر و دستخطوں میں تمیز نہ کیا۔ فی الاصل جتنے دستخط ہیں وہ سب
تحقیق لاریب کے ہیں۔ جن کو مصنف رسالہ کفریہ نے اس روایت پر
جڑ دیا اور حسب عادت پر شرارت مشائخ کرام و علماء عظام پر

شرمناک حملہ کر دیا۔ ہمیں اس امر سے کوئی بحث نہیں کہ وہ روایت ہمارے اعتقاد کے موافق ہے یا مخالف بلکہ زیر بحث یہ ہے کہ اس روایت پر جب کہ ہمارے دستخط نہیں تو یہ بہتان کیوں اٹھایا گیا"[100]

تحفہ لاریب بیسویں صدی کے دوسرے عشرے کی ابتداء میں شائع کی گئی۔ جس پر برصغیر کے معروف علماء نے تقاریظ لکھیں۔ جس وقت یہ کتاب شائع ہوئی خواجہ ضیاالدین سیالوی کا زمانہ خلافت تھا اور خواجہ قمرالدین سیالوی ابھی طالب علم تھے مگر بعد ازاں ہونے والے مناظروں اور مباحثوں میں خواجہ قمرالدین سیالوی کی شرکت کی وجہ سے مولانا قاضی نور محمد نے تحفہ لاریب کے تائید کنندگان میں آپ کو شامل کر دیا۔ حالانکہ یہ بات خلاف حقیقت تھی۔

"یہ گستاخ اور دریدہ دہن پارٹی عموماً و خصوصاً ہمیشہ تلبیس ابلیسی سے کام لیتی ہے دیکھئے جن حضرات کے نام اس روایت پر دستخط کنندگان بنا کر رسالہ کفریہ میں لکھے ہیں ان میں جناب حضرت سجادہ نشین صاحب سیال شریف بھی ہیں۔ یعنی جناب حضرت حافظ حاجی محمد قمر الدین مدظلہ کا اس گرامی بھی لکھ دیا ہے حالانکہ جس وقت تحقیق لاریب چھاپی گئی تھی اس وقت آپ بچپن کی حالت میں طالب العلم تھے۔ نہ دستخط کئے اور نہ کر سکتے تھے اب ان کا نام بھی مصنف نے رسالہ کفریہ میں دستخط کنندگان کی فہرست میں درج کر دیا۔ کیسی بے ایمانی ہے"۔[101]

قائلین علم غیب کے نکاح باطل ہونے کے فتاویٰ:

مولانا حسین علی اور ان کی جماعت نے اس بات کا پرچار شروع کر دیا کہ جو

شخص معتقد علم غیب ہو گا اس کا نکاح باطل ہو گا اس بنیاد پر از سر نو لوگوں کے نکاح پڑھانے کا سلسلہ شروع ہوا اور چند دنوں میں اسی (80) سے زائد اس طرح کے نکاح مختلف وجوہات کے پیش نظر پڑھائے گئے۔ چند فتاویٰ یہاں ذکر کئے جاتے ہیں جن سے صورت واقعہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور یہ فتاویٰ علماء دیوبند کے جاری کردہ ہیں جن کی طرف مولانا حسین علی کے مذکورہ اقدامات کی تردید کے لئے رجوع کیا گیا۔

فتویٰ مفتی مسعود احمد دیوبندی:

استفتاء کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ہمارے ملک پنجاب میں عوام الناس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ پیر و مرشد ہر حال میں حاضر وناظر ہیں اور امداد کر سکتے ہیں اور اگر ہم ان کو پکاریں تو سن سکتے ہیں اور ہمارے حال احوال پر واقف ہوتے ہیں۔ خواہ زندہ سے ہوں، خواہ فوت شدہ ہوں اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی حاضر وناظر ہیں۔ ہر وقت ہماری پکار سکتے ہیں اور ضرر وفائدہ پہنچاسکتے ہیں۔ ابھی اس عقیدے والا ایک شخص اپنی عورت منکوحہ کو طلاق ثلاثہ مغلظہ دیتا ہے۔ آیا یہ طلاق اوسکا (اس کا) نافذ ہوتا ہے یا نہ۔ چنانچہ یہاں پر بعض علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ طلاق نافذ ہے۔ کیوں کہ یہ شخص جو عقیدہ مذکورہ بالا رکھتا ہے وہ مسلمان ہے اور طلاق سے سابق نکاح اس کا ثابت تھا۔ جب اس نے طلاق ثلاثہ دیا۔ تو طلاق واقع ہو چکا۔ اور عورت بائنہ ہو چکی اور بعض علماء کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ ایسے عقیدہ والا آدمی کافر ومشرک ہے اور کافر ومشرک کا نکاح کوئی نہیں ہوتا۔ جب نکاح نہیں تو طلاق کہاں سے واقع ہو چکا۔ یہ مذکورہ باتیں تو عوام کی بابت ہو گئیں مگر ایک اور شخص آتا ہے اور اس نے اپنی عورت کو طلاق دیا ہے یعنی ثلاثہ مغلظہ۔ پھر جب فتوی طلب کرتا ہے کسی مولوی سے تو مولوی

صاحب اس کو اس کے عقیدے کے متعلق پوچھتا ہے کہ تمہارا کیا عقیدہ ہے۔ تو وہ خود اس مذکورہ عقیدہ پر اقرار کرتا ہے اور خود بخود بیان کرتا ہے کہ میرا یہ عقیدہ ہے۔ بعض علماء ان کو کہتے ہیں کہ یہ عقیدہ مشرکوں کا ہے۔ پہلا تمہارا نکاح کوئی نہیں تھا۔ تو طلاق خود واقع نہیں ہوا۔ اس کے بعد تم اپنا عقیدہ صاف کرو اور پھر نکاح کرو۔ لہذا براہ مہربانی اس مسئلہ کے متعلق خوب جوابات تحریر فرما کر ارسال فرمادیں کہ یہ طلاق واقع ہوتی ہے یا نہ اور مولوی لوگ جو یہ فتویٰ عدم وقوع طلاق کا دیتے ہیں وہ درست ہے یا نہ بینوا توجروا بحوالہ کتب شرعیہ حنفیہ محمدیہ ﷺ

جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

نیاز مند فلک شیر بقلم خود

الجواب:

پہلے فریق کا قول صحیح اور صواب ہے۔ عقیدہ مذکور رکھنے والا مسلمان ہے اور نکاح اس کا صحیح اور طلاق بھی واقع ہوگئی اور طلاق ثلاثہ دینے کے بعد اس کی زوجہ اس پر حرام مغلظہ ہوگئی اب بدوں حلالہ کے شوہر اول دوبارہ اس کو اپنے نکاح میں نہیں لاسکتا۔ عدم وقوع طلاق کا فتویٰ صحیح نہیں ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (دستخط) مسعود احمد عفا اللہ عنہ

نائب مفتی دار العلوم دیوبند 10 جمادی الاول 1357ھ

مہر مدرسیہ عالیہ دیوبند

نقل بمطابق اصل [102]

فتویٰ ثانی مفتی مسعود احمد دیوبندی:

نمبر 4 استفتاء نمبر 30 روکھڑی / 41-3-1

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

عالی جناب معلی القاب جامع کمالات جناب صدر مدرس صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مندرجہ ذیل امور کے بارے میں شرعی فیصلہ سے مطلع فرما کر ممنون احسان بنایا جاوے (جائے)۔[103]

(1) علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارہ کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جناب سرور کائنات فخر موجودات سلطان الانبیاء ختم المرسلین حضرت محمد مصطفی احمد مجتبیٰ ﷺ تمام مغیبات جانتے ہیں اور ہر وقت ہر لحظہ استغاثہ کیا جاوے (جائے) تو خبر دار ہو کر فریاد رسی کرتے ہیں۔ اور ایسا ہی اولیاء کرام بھی۔

(2) خدا تعالیٰ اور رسول کریم کا علم مساوی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی اور پیغمبر صاحب کا عطائی ہے۔

(3) لوح محفوظ کا علم بھی کلی طور پر آپکو دیا گیا ہے۔ کیا مندرجہ بالا اعتقاد والا کافر ہے یا نہ! اس جگہ کے بعض مولوی صاحبان کہتے ہیں کہ اس عقیدہ والا بلاشک کافر ہے۔ اور جو اس کو کافر نہ کہے وہ بھی خواہ کیسا ہی عقیدہ کیوں نہ رکھتا ہو کافر ہے۔ نیز اسی عقیدے والا اگر تین طلاق مغلظہ کہدے اور تمام علماء کے پاس سے مایوس ہو کر جب ان مولوی صاحبان کے پاس (جو مندرجہ بالا عقیدہ والا کو کافر کہتے ہیں) آئے تو یہ کہتے ہیں کہ اس پر طلاقیں واقع نہیں ہوئیں کیوں کہ یہ پہلے مشرک اور کافر تھا اسے کلمہ وغیرہ پڑھا کر از سر نو بغیر حلالہ کے نکاح باندھ دیا جاتا ہے سنا گیا ہے کہ قریب اَسّی (80) کے اس قسم کے نکاح بغیر حلالہ پڑھائے جا چکے ہیں۔ کیا یہ نکاح بغیر حلالہ جائز

ہیں یا نہ۔ اگر نہیں تو نکاح خوان کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان کے ساتھ برتنا کیسا۔؟

(4) زید بکر کی جوان لڑکی اغواء کرلیتا ہے پھر کچھ عرصہ بعد زید اور بکر میں یوں صلح ہوتی ہے کہ زید اور بکر کی لڑکی کا آپس میں نکاح باندھا جاتا ہے۔ زید کا بھائی اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح بکر کے چھوٹے لڑکے کے ساتھ باندھ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ سات سو روپے نقد بھی بکر کے حوالہ کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ نکاح درست ہے پھر زید کے بھائی کی لڑکی جب جوان ہوتی ہے اور بکر چاہتا ہے کہ تبدیل پارچات کئے جاویں تو زید اور اس کا بھائی لڑکی سے دعویٰ کرواکر عدالت سے لڑکی مذکوریہ کا نکاح فسخ کرالیتے ہیں اب وہی ایک مولوی صاحب عدالت سے فسخ شدہ نکاح کو فسخ مان کر اس لڑکی کا نکاح ایک اور مرد سے پڑھ دیتے ہیں اور جب اعتراض کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ شروع میں لڑکی کا نکاح کرتے وقت وکالت لڑکے کے والد نے کی تھی جو مشرک تھے اور مشرک کی وکالت مردود ہے۔ اس لئے لڑکی کا سابقہ نکاح بھی کوئی نہیں، جب کہا گیا کہ لڑکے کا والد مشرک کس طرح مانا گیا ہے تو جواب دیا گیا کہ ایک روز اس نے مجھے کہا تھا کہ مولوی صاحب آپ اور آپ کے مقتدی وہابی ہیں۔ اس سے سمجھا گیا کہ وہ شخص مشرک ہے (لیکن اس کا بیان نہیں لیا گیا) اور مشرک کا نکاح کیسا یعنی مشرک کی وکالت مردود ہے تو نکاح نہ رہا۔

(ب) نیز ویسے بھی مندرجہ بالا نکاح چھوٹی لڑکی کا درست نہیں کیوں کہ روپے پیش کئے گئے ہیں۔ اور زید کے بھائی نے اپنی بیٹی پر ظلم کیا ہے اس صورت میں شرعی طور پر بھی وہ لڑکی باپ کا نکاح فسخ کراسکتی ہے۔ کیا یہ درست ہے یا نہ۔

راقم سلطان محمود 10-03-41

ہیڈ ماسٹر مڈل سکول روکھڑی

ڈاکخانہ روکھڑی تحصیل و ضلع میانوالی (ملک پنجاب)

فتویٰ نمبر 90 الجواب حامداً و مصلیاً:

(1) حضور اقدس ﷺ کا رتبہ فضل و کمال اور علم ذات و صفات میں تمام کائنات سے بڑا ہے۔ کوئی مخلوق آپ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ مگر جمیع مغیبات کا علم اللہ تبارک و تعالیٰ کی خصوصیات میں سے بھی ہے۔ یہ کسی فرد بشر کو عطا نہیں ہوا۔ اور نہ انسان کے علاوہ کسی دوسرے مخلوقات حیات یا ملائکہ کو دیا گیا۔ آنحضرت ﷺ کو جس قدر علم بذریعہ وحی عطا کیا گیا۔ آپ صرف اسی قدر جانتے ہیں۔ جمیع مغیبات کا علم نہ آپکو عطا ہوا نہ آپ جانتے ہیں۔ یہی اہل حق کا عقیدہ ہے۔ جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ باطل اور مشرکانہ عقیدہ ہے۔ علماء نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے۔ کیوں کہ یہ نصوص قطعیہ کا انکار ہے۔ اولیاء کرام کے متعلق بھی ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

(2-3) ہر دو کا جواب وہی ہے جو نمبر ا میں مذکور ہوا۔

اگر اس شخص کا عقیدہ شروع سے ہی مشرکانہ تھا۔ اور وہ ابتدا سے ہی کافر تھا۔ اسلام قبول ہی نہیں کیا تھا۔ تو مسلمہ عورت سے نکاح اس کا کیسے صحیح ہو گیا۔ جب نکاح صحیح نہیں ہوا تو جس قدر عرصہ تک مباشرت ہوئی وہ سب ناجائز ہوئی کیا بغیر حلالہ کے نکاح پڑھانے والے اس کے قائل ہیں۔ اگر اس کا عقیدہ بعد میں خراب ہوا۔ تو وہ اس سے مرتد ہو گیا اور مرتد کی طلاق کا واقع ہو جانا کتب فقہ میں مصرح ہے۔ اور تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ کے جائز نہ ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اگر شروع ہی عورت مرد دونوں کا عقیدہ خراب تھا۔ تب بھی تین طلاق واقع ہونے میں کوئی اشکال

نہیں۔لہذا بغیر حلالہ کے تب بھی نکاح ناجائز ہے۔

جو شخص جان بوجھ کر ناجائز نکاح پڑھائے وہ سخت گناہ گار ہے اس کے ذمہ لازم ہے کہ عورت مرد کواس کی اطلاع کرے اور خود علی الاعلان توبہ کرے اگر توبہ نہ کرے تواس کو امامت سے علیحدہ کر دیا جائے بشرطیکہ اس سے بہتر دوسرا آدمی موجود ہو جو لوگ ناجائز نکاح میں شریک ہوئے ہیں۔ان کو بھی توبہ لازم ہے۔

(4)زید کا بکر کی لڑکی کو اغواء کرنا تو حرام ہوا لیکن اس کے بعد جو نکاح کر لیا ہے تو وہ صحیح ہو گیا۔زید کے بھائی نے اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح جو بکر کے چھوٹے لڑکے کے ساتھ کر دیا ہے وہ بھی صحیح ہے لیکن جو سات سو روپے نقد دیئے ہیں ان کی واپسی لازم ہے کیوں کہ یہ خالص رشوت ہے۔بلاوجہ شرعی عدالت کے ذریعہ سے نکاح فسخ کرانا ظلم ہے۔کسی شرعی وجہ سے اگر حاکم مسلم بااختیار نے فسخ کیا ہے تب یہ فسخ معتبر ہے۔اور بعد فسخ دوسری جگہ نکاح درست ہے۔اگر حاکم غیر مسلم ہے تو یہ فسخ معتبر نہیں ہوا بلکہ کالعدم ہے اور دوسری جگہ نکاح درست نہیں۔ہاں اگر شوہر طلاق دے تو دوسری جگہ نکاح درست ہو گا۔ان مولوی صاحب کا لڑکے کے باپ کو محض اس وجہ سے کہ اس نے مولوی صاحب کو اور اس کے مقتدیوں کو وہابی کہا ہے مشرک قرار دینا درست نہیں بلکہ جہالت یا عناد لہذا محض اس پر سابقہ نکاح کو غیر معتبر کہنا درست نہیں۔

(ب)روپیہ کا لینا ناجائز ہے۔لیکن اس سے نکاح ناجائز نہیں ہوتا۔فقط

واللہ تعالیٰ سبحانہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ (104)

مولانا حسین علی کے خوابوں پر سید احمد الدین گانگوی کا نقد و تبصرہ:

سید احمد الدین گانگوی نے خواب نامہ کے عنوان سے ایک مختصر رسالے

میں مولانا حسین علی کے چند رویاء پر تبصرہ کیا ہے جو مبشرات کے عنوان سے بلغۃ الحیران میں موجود ہے۔ اس کی ابتداء میں آپ رقم طراز ہیں:

ہر آنکس کہ عیبش نگویند پیش
ہنر داند از جاہلی عیب خویش

"جب سے فتنہ وہابیت نے ہمارے ملک میں قدم نامبارک رکھا اور مسلمانوں کے شیر ازے کو بکھیرنا شروع کیا تو ہر روز نئی شاخیں اور نئے شگوفے نکلتے رہے۔ کبھی تو قرآن شریف کے ظاہر متبادر معنیٰ کو الٹ پلٹ کر اپنے مذعوم میں فاسد کی تائید میں اس بے ہودہ پارٹی نے سر توڑ کوشش کی اور کبھی احادیث و اقوال سلف صالحین کی بے جا تاویلیں کر کے اپنے بے ہودہ خیالات کی تقویت کرنے میں ایڑی سے چوٹی تک زور لگایا۔ یہ کیا کچھ کم تھا کہ خواب ناموں میں جا پڑے"۔ (105)

مولانا حسین علی نے مبشرات کے زیر عنوان ایک خواب میں نبی کریم ﷺ کو پل صراط پر تھامنے کا مشاہدہ لکھا تھا جس پر علامہ گانگوی نے کچھ یوں تبصرہ کیا۔

"ان کو خواب بھی ایسے آتے ہیں حضرت سید کونین ﷺ کو گرنے سے بچالیا اگر وہاں یہ نہ ہوتے تو (خاک بدہن دشمناں) آپ ضرور گر جاتے العیاذ باللہ من ھذہ الخرافات التی عبروھا بالمبشرات ۔ اس بکواس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ لوگ طاقت ور ہیں اور حضور انور ﷺ معاذ اللہ کمزور العیاذ باللہ من ھذہ اللغویات الفاحشۃ الباطلۃ" (106)

خواب میں تفسیر قرآن دیئے جانے پر مولانا گانگوی نے نقد کرتے ہوئے لکھا۔

"اور کبھی یہ خواب دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد عثمانؒ نے ایک چھوٹے حجم کی تفسیر قرآن تصنیف کر کے ان کے ہاتھ دیدی اور کبھی کہتے ہیں کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے تفسیر قرآن تصنیف کر کے دیدی اور کبھی یہ دعویٰ ہے کہ ہمیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تفسیر القرآن کی تفسیر کا امر فرمایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سب اس واسطے یہ تدریس و تعلیم القرآن میں چونکہ اس خواب بین کا رویہ فاسد تھا لہذا اس کو بار بار پہلے اپنے مرشد سے پھر خود ذات پاک الٰہی سے پھر مولانا علی المرتضیٰ شیر خدا سے تنبیہات ہوئیں کہ قرآن شریف میں کجرویوں کو چھوڑ دے اور سیدھا راستہ سلف الصالحین کا لے مگر

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل

کہ خضر از آب حیواں، تشنہ می آرد سکندر را "(107)

مولانا حسین علی نے ایک رویا میں اس بات کا تذکرہ کیا تھا کہ انہیں حضور علیہ السلام نے لعاب شریف عطا فرمایا۔ جس پر علامہ گانگوی نے لکھا۔

"اور کبھی یہ خواب دیکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اس کے منہ میں اپنی زبان مبارک اور لعاب شریف یعنی آب دہن مبارک ڈال دیا۔ میں کہتا ہوں کہ غلط کہا جھوٹ بولا جو چیز اس کے منہ میں ڈالی گئی ہے وہ لعاب مبارک ہرگز نہیں تھا۔ اگر لعاب مبارک اس کے منہ میں ڈالا جاتا تو واللہ نہ صرف اس کا وجود بلکہ ہفت پشت تمام اولاد معطر و مشک عنبر کیوں نہ ہو جاتے۔ جس شہر میں جاتے اس کا کوچہ کوچہ

مشک از فر ہو جاتا"۔[108]

سید گانگوی جذب القلوب کے حوالے سے رخسار مبارک ﷺ کی برکات کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

"سن لیا؟ یہ تو صرف رخسار کے بوسہ دینے کے برکات تھے۔اب آب دہن مبارک جس کے منہ میں داخل ہو اور اس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہو یہ کس طرح ہو سکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اگر وہ واقعہ صحیح ہے تو وہ لعاب رحمت نہیں تھا بلکہ عتابی غضبی تف تھی جس کے اثرات اب ظاہر ہو رہے ہیں"۔[109]

مغفرت ذنوب کے حوالے سے مولانا حسین علی کی بیان کردہ بشارت پر نقد کرتے ہوئے مولانا گانگوی لکھتے ہیں۔

"اور کبھی خواب آتا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے غفرت لک و من اتبعک یعنی تیرے اور تیرے تمام پیروکاروں کے تمام گناہ میں نے بخش دیئے ہیں۔ چلئے پھر تو تمام وہابی عشرہ مبشرہ سے بھی بڑھ گئے۔ کیونکہ عشرہ کو تو حضور انور ﷺ نے بشارت دی تھی۔ لیکن وہابیوں کو خداوند عالم جل جلالہ نے بشارت عنایت فرمائی عشرہ مبشرہ تو صحابہ تھے ایسی بشارت کو کسی پیغمبر اولوالعزم کو بھی کھلے لفظوں میں نصیب نہیں ہوئی پھر تو وہابیوں کا شان پیغمبروں سے بھی بڑھ گیا۔ شرم۔ شرم۔ شرم"۔[110]

مولانا حسین علی اس سے قبل مجموعۃ الفتاویٰ میں یہ موقف اختیار کر چکے تھے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے اور امت کے خاتمے کا علم نہیں۔ جس کی وجہ سے علماء

نے ان پر سخت نقد کیا۔ لیکن بلغۃ الحیران میں مبشرات کے زیر عنوان مولانا حسین علی نے جب اپنے اور اپنے پیروکاروں کے بشارت خواب کے ذریعے جنتی ہونے کا تذکرہ کیا تو مولانا گانگوی نے اس پر سخت نقد کیا۔

"خود مولوی حسین علی اپنے مجموعۃ الفتاویٰ کے ص 22 میں آیت لاادری پیش کرتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کو اپنے اور اپنی امت کے خاتمہ کا علم نہیں تھا کہ کیا ہو گا۔ اور مولوی حسین علی کو خود خداوند عالم نے بذاتہ صاف طور پر اس کے اور اس کی امت کے خاتمہ کا سرانجام پتہ دیا۔ اب ان دونوں فرمانوں کے باہمیں تناسب سے صاف واضح ہو گیا کہ (خاک بدہن دشمناں) مولوی حسین علی اپنے آپ کو ذات پاک صاحب لولاک سے اور اپنی امت کو حضور کی امت سے فائق قرار دیتا ہے نعوذ باللہ من ہذہ الکفریات۔ علاوہ برایں اس عبارت سے نبوت کا دعویٰ مترشح ہے جیسا کہ دجالوں کذابوں کا وطیرہ احادیث میں ہے"۔ (111)

پل صراط پر نبی کریم ﷺ سے منامی ملاقات پر تبصرہ کرتے ہوئے سید گانگوی نے لکھا۔

"اور کبھی یہ خواب دیکھتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے معانقہ میں لے کر پل صراط پر لے گئے میں کہتا ہوں کہ وہ محبت کا معانقہ نہیں بلکہ غضبی مواخذہ تھا۔ جیسا کہ خود کہتا ہے اخذنی۔ اگر محبت کا معانقہ ہوتا تو پل صراط پر کیوں لے جاتے بلکہ سیدھا جنت میں داخل کر دیتے۔ پل صراط تو پر تکلیف گزر گاہ ہے، آرام گاہ نہیں۔ بلکہ وہ غضبی مواخذہ

اس مطلب سے ہوا کہ آپ اس کو پکڑ کر صراط مستقیم پر لے گئے کہ یہی راستہ سیدھا ہے تم راستہ سے بھکے ہوئے ہو"۔[112]

مولانا حسین علی نے مبشرات میں نبی کریم ﷺ سے خط مبارک ملنے کا تذکرہ بھی کیا تھا جس پر مولانا گانگوی نے کچھ یوں تبصرہ کیا۔

"اور کبھی خواب دیکھتا ہے کہ سرور عالم ﷺ نے مجھے اپنے ہاتھ مبارک سے خط لکھ کر دیا اور اس پر مہر بھی لگادی۔ میں کہتا ہوں وہ خط کہاں گیا ذرا اس کی زیارت تو کرائیں۔ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحبؒ کو جو خواب میں حضور انور ﷺ سے بال عنایت ہوئے تھے وہ تو مدت تک ان کے خاندان میں رہے اور ان سے شفاء مریضاں و دیگر حاصل کرتے رہے لیکن مولوی حسین علی کو جو خط ملا وہ ہوا بن کر اس کے ہاتھ سے اڑ گیا بلکہ ہوا سے ملکر ہوا ہو گیا"۔[113]

مولانا حسین علی نے منامی بشارت کے ذریعے اپنے مشن توحید کے درست ہونے کا احوال بھی بیان کیا اور مخالفین علماء و مشائخ کو دجالوں اور کذابوں کے طور پر مشاہدہ کیا۔

اس امر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور کبھی کہتا ہے کہ مجھے عالم رویا میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ توحید میں تیری مخالفت کرتے ہیں وہ دجال کذاب۔ میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں میں سے تو کوئی بھی توحید کا مخالف نہیں۔ اگر مخالف ہے تو تکفیر و تشریک میں۔ اور تکفیر پر کوئی خواب نہیں بنایا گیا۔ فی الاصل تکفیر و تشریک کام بھی دجالوں کذابوں کا ہے"۔[114]

مولانا حسین علی سلسلہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ عثمان دامانی سے بیعت تھے۔ امام ربانی سے ان کو عقیدت و محبت ہونا یقینی تھا لہٰذا اس کے لیے انہوں نے سرہند کا قصد کیا اور وہاں سے جب واپس آئے تو یہاں کے علماء کو معلوم ہوا کہ حضرت امام ربانی کے مزار پر انوار پر مولانا حسین علی کو قیام کرنے سے روک دیا گیا۔ اس واقعہ کے عینی شاہد ایک معاصر عالم کے ذریعے سید احمد الدین گانگوی کو یہ بات معلوم ہوئی اور بطریق کشف سرھند شریف مولانا حسین علی کی عدم قبولیت کو سید احمد الدین گانگوی نے دلیل کے طور پر بیان کرتے ہوئے لکھا۔

> "کبھی امام ربانیؒ کے مزار پر انوار کے نزدیک بیٹھ کر توحید و سلوک کے مدارج حاصل کرنے کا دعویٰ کرتا۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت امام ربانیؒ کے دربار سے اس مدعی کا بصد اعزاز نکالا جانا جیسا کہ مجھے بروایت ثقہ خبر پہنچی ہے اس دعویٰ کی تکذیب کا کافی ثبوت ہے۔ امام صاحب نے متولی دربار کو مکاشفہ میں فرمایا کہ ہمارے دربار میں ایک سخت وہابی آیا ہوا ہے اس کو فوراً نکال دو چنانچہ وہاں سے بصد احترام نکالا گیا۔ اور اس سے بعد کبھی بھی سرہند شریف جانے کا خیال بھی نہ کیا"۔(115)

مولانا حسین علی اور اس کے اعیان نے مذکورہ خوابوں کی جب توجیہات کیں تو سید گانگوی نے ان توجیہات کا بھی مواخذہ کیا۔

پل صراط والے خواب کی توجیہ پر نقد کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

> "خواب دیکھا تو کیسا؟ جس کے سننے سے جگر منہ کو آتا ہے۔ سرور کونین حبیب الٰہی ﷺ العیاذ باللہ خاک بدہن بدگویان وبدخواہان۔ گرنے والے اور حسین علی بچانے والے۔ ماشاء اللہ منہ تو دیکھیں۔

کس منہ سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ اگر شرم وحیا کا کچھ شمہ بھی ہوتا تو ایسا خواب ہرگز نہ دیکھتا اور اگر خطرات نفسانی مجسم ہو کر اس کو خواب کی شکل میں دکھائی دی تھی تو فوراً لاحول کہہ کر اس خطرہ کو محو ومنسی کر دیتا۔ نہ اس کو زبان پر لاتا اور نہ ہی تحریر میں مگر حیاء تو ایمان کا شعبہ ہے جب عداوت الرسول کی وجہ سے ایمان طیران کر گیا تو حیاء کہاں کا پھر اس خواب کی تعبیر بھی سن لیجئے وہ خود لکھتا ہے کہ اس کی تعبیر دین کو قائم کرنا اور شرک مٹانا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کیا اس سے پہلے بھی کوئی شخص دین کو قائم کرنے والا اور شرک کے مٹانے والا پیدا ہوا تھا یا کہ صرف مولوی جی اس منصب سے (پر) فائز ہو کر عالم وجود میں ورود فرمایا ہے"۔[116]

سید احمد الدین گانگوی نے پنجاب میں اعتقادی مباحث میں اختلافات کا بانی مولانا حسین علی کو قرار دیا۔ مولانا حسین علی کے افکار وعقائد پر تنقید کی، مولانا حسین علی اور ان کے حامی علماء نے اپنے معاصرین پر کفر وشرک کے فتاویٰ جاری کئے، مگر مولانا گانگوی اور دیگر علماء نے فتویٰ تکفیر سے اجتناب کیا۔ سید احمد الدین گانگوی نے تحریر وتقریر کے ذریعے مولانا حسین علی کا محاسبہ کیا اور رویاء ومبشرات پر بھی مدلل نکتہ چینیاں کی ہیں۔

خلاصہ:

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد اور پھر برطانوی حکومت کی فتح یابی کے بعد انہوں نے اپنی حکومت کو مضبوط ومستحکم کرنے کے لئے بدترین شر انگیزیوں کا آغاز

کیا۔ مسلمانوں کو سیاسی، سماجی، مذہبی، معاشی اور معاشرتی غرض ہر میدان میں عدم استحکام کا شکار کیا گیا۔ مسلمانوں کے ملی شیرازہ کو بکھیرنے اور دینی شوکت کو منہدم کرنے کے لیے ایسے ضمیر فروشوں کا انتخاب کیا جو قرآن و سنت کی نت نئی تعبیریں کر کے مسلمانوں کے دلوں سے عشق رسول ﷺ کو ختم کر سکیں اور علماء و مشائخ پر مسلمانوں کے اعتماد کو کم کر سکیں۔

مولانا اسماعیل دہلوی نے جن عقائد و خیالات کا پرچار کیا ان کو علماء کی غالب اکثریت نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ علامہ فضل حق خیر آبادی مولانا اسماعیل دہلوی کے سب سے بڑے نقاد کے طور پر سامنے آئے۔

پنجاب میں مولانا حسین علی واں بھچروی نے ویسے ہی سخت نظریات کا اظہار کیا جیسے اس سے قبل مولانا اسماعیل دہلوی کر چکے تھے۔ مولانا نے واں بھچراں کے مقام پر ایک دار العلوم قائم کیا جہاں ان سے بڑے بڑے علماء نے اکتساب علم کیا۔ جنہوں نے ان کے خیالات بر صغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں تک پہنچائے۔ بلغۃ الحیران کے نام سے قرآن پاک کی ایک تفسیر بھی لکھی۔ مولانا حسین علی نے اپنے معاصر اکابر علماء و مشائخ پر محض فروعی اختلافات کی وجہ سے فتاویٰ ہائے کفر جاری کئے۔ جس سے مدارس و خانقاہوں کے اکثر علماء و صوفیہ ان کے مخالف ہو گئے۔ مولانا حسین علی سے ہونے والے تحریری و تقریری مناظروں اور مباحثوں میں شریک علماء میں پیر سید مہر علی شاہ، خواجہ ضیاء الدین سیالوی، پیر سید جماعت علی شاہ، خواجہ قمر الدین سیالوی، مولانا غلام محمود پپلانوی، مولانا یار محمد بندیالوی، مولانا معین الدین اجمیری، مولانا ابو سعد احمد خان اور سید احمد الدین گانگوی جیسے قد آور شخصیات کے نام نمایاں

ہیں۔ مولانا حسین علی کے فتاویٰ و کتب کے ناقدین میں مولانا امیر علی گانگوی، مولانا غلام محمود پپلانوی، مولانا مفتی محمد حسین شوق پپلانوی، مولانا اکبر علی چشتی اور مولانا سید احمد الدین گانگوی سر فہرست ہیں۔

مولانا حسین علی کا فتویٰ تکفیر عام ہوا تو علماء میانوالی نے ہندوستان کے دیگر علماء کی طرح علماء دیوبند سے بھی رابطہ کیا۔ علماء دیوبند نے بھی مولانا حسین علی کے فتویٰ تکفیر کی وجہ سے اس کے خلاف فتاویٰ جاری کئے اور مولانا سے لاتعلقی کا فتویٰ دیا۔

سید احمد الدین گانگوی کھلے بندوں مسلمانوں کو کافر ومشرک کہنے کے اس رویے سے سخت نالاں تھے یہی وہ بنیادی سبب تھا جس کی وجہ سے انہوں نے بڑی شدت سے مولانا حسین علی کا تعاقب و محاسبہ کیا۔ آپ کا خیال تھا کہ مسائل اختلافیہ میں علماء ہمیشہ جھگڑتے اور ایک دوسرے کے اقوال کی تردید و تکذیب کرتے چلے آئے ہیں مگر ان کو ایسا کرنے کی وجہ سے تکفیر و تشریک اور تفسیق و تجہیل کے القابات سے نہیں نوازا گیا۔

سید احمد الدین گانگوی نے مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے مفاہمت کی کوششوں کو بھی جاری رکھا تاکہ افتراق بین المسلمین کا سدباب کیا جاسکے۔ مگر مفاہمت کی تمام کاوشیں ناکام ہوئیں اور مولانا حسین علی نے اپنے معاصر مولانا سید احمد الدین گانگوی، سید امیر علی گانگوی اور مولانا ابو سعد احمد خان کی تکفیر کر دی۔

فصل دوم

سید احمد الدین گانگوی کی
اہل سنت اور عقائد اہل سنت کے متعلق بعض تعبیرات

امتِ مصطفیٰ ﷺ آج جن چیزوں سے دوچار ہے اور پہلے بھی دوچار تھی، ان میں اہم ترین چیز اختلاف ہے جو امت کے افراد اور جماعتوں، نیز مذاہب و مسالک و حکومتوں کے درمیان پایا جاتا رہا ہے، اور ہنوز جاری ہے۔ لیکن اس کی سابق شکل کچھ اور تھی اور موجودہ شکل کچھ اور ہے۔ یہ تو مسلّم ہے کہ اختلاف ایک فطری امر ہے، مگر اس کے وجود کے اسباب مختلف ہیں، عموماً جہاں نصوص (قرآن و حدیث کی عبارت) کے فہم میں فرق کا ہونا اس کا سبب اور اس کی وجہ ہے، وہیں علم میں کمی بیشی بھی اس کا بڑا سبب ہے۔ یونہی یہ چیزوں کو پرکھنے کے معیار اور اصول وضوابط میں فرق ہونے کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ ان سب کے علاوہ ایک اور وجہ، جو عموماً ہمارے معاشرہ میں پائی جاتی ہے، وہ حسد، تعصب اور انانیت ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ یہ اختلاف کبھی بڑھ کر گروہ بندی تک پہنچ جاتا ہے اور یہ گروہ بندی، باہمی دشمنی تک، نتیجتاً ایک دوسرے کی تضلیل و تفسیق بلکہ تکفیر یا ذاتی کردار کشی تک بات پہنچ جاتی ہے۔

لوگوں میں بعض محدود فکر، تنگ ادراک اور ایسے نادان وکم علم لوگ بھی ہیں جو اپنے میزان فہم و خرد میں خلل کے باعث مسائلِ امت کے ساتھ ساتھ مصالحِ امت کا کماحقہ ادراک نہیں کر پاتے ہیں۔

چنانچہ یہ حضرات بسا اوقات کسی عالم، مفتی یا جماعت کی رائے کی حمایت میں بدترین جانب داری ودشمنانہ تعصب تک اتر آتے ہیں۔ جب کہ مذہب اسلام میں فقہی فروعی اختلافات کے ہزاروں نظائر ایسے موجود ہیں، جو ان کے پیروکاروں کے لیے باعث رحمت قرار دیئے گئے ہیں۔ آج بھی ایسے اختلافات رحمت ہوسکتے ہیں بشرطیکہ ان کی بنیادیں اخلاص وللّٰہیت پر استوار کی گئی ہوں اور ساتھ ہی ساتھ دلائل شرعیہ بھی ان کی پشت پناہی کررہے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اختلافات کبھی بھی ہمارے اسلاف کے مابین عداوت کا بیج نہ بوسکے اور ان کے دلوں کے نہاں خانے میں نفرت کی خلیج کبھی حائل نہ ہوسکی، بلکہ اس کے برخلاف وہ باہم اخوت و محبت اور دریادلی کے مثالی پیکر نظر آتے تھے۔ اختلافات کی دھرتی پر محبت کا یہ خوشنما پودا آج کے دورانتشار میں ہم سب کے لیے نمونہ عبرت ہے۔ لہٰذا واضح رہے کہ اختلاف ایک امر مشروع ہے لیکن اس کے چند اصول وضوابط، نیز اسباب وآداب بھی ہیں۔ محض اتحاد کا نعرہ لگاکر اختلافِ امت سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی، اور نہ ہی اختلاف کی وسعت کی آڑ میں عدم تقلید کا دروازہ کھولا جاسکتا ہے۔ ماضی قریب میں علماء اہل سنت کے مابین جو اختلافات رونما ہوئے ہیں ان کے مثبت و منفی اثرات عالم اسلام پر بالعموم اور برصغیر ہندوپاک پر بالخصوص پڑے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کئی علما وصاحبان افتا اپنے اسلاف کے نقش قدم سے پھر گئے، نتیجتاً اختلاف نبھانے کے آداب

اور اس کے اخلاقیات نیز صحابہ و تابعین ائمہ مجتہدین کے اختلافی منہج، سلیقہ، معمولات اور ان کی تعلیمات سے کوسوں دور ہو گئے۔ سابقہ فصل میں یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ سید احمد الدین گانگوی مسائل اعتقاد میں حسنِ اختلاف کے قائل رہے۔ آداب و اخلاقیاتِ حوار کا درس دیتے رہے۔ اختلافات کی خلیج کم کرنے کے لئے آپ نے عقائد اہل سنت کے تناظر میں اپنی فاضلانہ آراء بھی دی ہیں۔ جن میں سے چند بنیادی تعبیرات کو اس فصل میں بیان کیا جائے گا۔

اتفاق کی ترغیب اور افتراق کی مذمت:

سید احمد الدین گانگوی افتراق بین المسلمین کے سخت ناقد تھے اور اتفاق و اتحاد کی ہمیشہ ترغیب دیتے رہے۔ فرقہ بندی کی مذمت میں آپ نے اپنے مختلف رسائل اور کتب میں موقعہ بہ موقعہ دلائل دیئے۔ قرآن کریم سے اتفاق کی ترغیب اور افتراق کی مذمت کو ثابت کرنے کے بعد اسلام کا حقیقی مصداق اہل سنت کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ”جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کو مسلمانوں کا باہمیں اتفاق واتحاد نہایت پسند ہے اور افتراق و انشقاق ناپسند ترقی اسلام کا یہی دار و مدار ،مذہب اہل سنت والجماعۃ اسلام کا حقیقی مصداق ہے ۔ان آیات بینات سے واضح ہو گیا کہ اسلام میں فرقہ بندی و پارٹی بازی نہایت قبیح و مذموم ہے۔ مگر افسوس کہ لوگوں نے اسلام میں تفرقہ و تجزیہ کرنے کو وطیرہ بنا رکھا ہے۔ اسلام جس کا حقیقی مصداق مذہب اہل سنت والجماعت ہے یہی صراط مستقیم ہے جو شروع سے قیامت تک

اس طرح صاف و شفاف بلا نقص وزوال دائم قائم رہے گا۔ یہ چراغ
ہمیشہ روشن رہے گا"(117)

دینِ حق سے مراد اہل سنت ہے:

اہل سنت کو ہی دین حق اور حبل المتین قرار دیا اور باقی جملہ فرق کو فتنہ و فساد قرار دیا اور خواص اہل سنت کی توہین کو ان کا خاصہ قرار دیا۔

"یہی دین حق اور حبل متین باقی تمام مذاہب باطلہ اسی سے مستخرج جن سے طرح طرح کے فسادات برپا، جو ضعف اسلام کا باعث ہیں۔ پیشوایان دین کی توہین مذاہب باطلہ کا خاصہ ہے۔ یوں تو ہر فرقہ اپنی مد مقابل کی توہین کرنے کو اپنے خود تراشیدہ مذہب کی ترقی کا باعث سمجھ کر اپنے مذہب کے ماسوا دیگر جملہ مذاہب پر ہاتھ صاف کیئے بغیر نہیں رہ سکتا"۔(118)

فِرق قدیمہ و جدیدہ پر تنقید:

شیعہ، خوارج، معتزلہ اور غیر مقلدین پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"مگر اسلام میں جو فرقہ جدیدہ پیدا ہوتا ہے سابق صحیح مذہب اہل سنت والجماعۃ کی توہین کے علاوہ پیشوایان دین وہادیان اسلام کی توہین کو شیوہ بنا رکھا ہے مثلاً شیعہ نے صحابہ کرام اور خواج نے اہل بیت پاک اور معتزلہ نے صفات باری عزاسمہ اور غیر مقلدین نے ائمہ دین مجتہدین کے شان عالی میں طرح طرح کے بکواس کر کے اپنی عاقبت خراب کی"۔(119)

مگر سید گانگوی کے نزدیک مذکورہ بالا فرق کی نسبت وہابیہ زیادہ متشدد ہوئے۔

"لیکن موجودہ ہمارے ملک کے وہابیہ گستاخی اور بیباکی و بے حیائی میں

اس سب سے سبقت کر گئے۔ ان کی زبان بد عنان سے نہ خدا تعالیٰ چھوٹا اور نہ سرور عالم ﷺ اور نہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور نہ ہی قرآن شریف اور نہ اولیاء کرام ومشائخ عظام اور نہ مسلمانان خواص و عوام بلکہ سب پر ہاتھ صاف کرنے کو مشغلہ بنا رکھا ہے"۔
(120)

فرقہ بندی کی مذمت میں حدیث شریف سے استدلال:

مولانا گانگوی فرقہ بندی کی مذمت میں احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ حضور اقدس کا فرمان ہے:

وَقَالَ النَّبِی صلی الله عَلَيۡهِ وَسلم تَفَرَّقت بَنو اسرائیل علی أثنتین وَسبعین مِلَّة وَسَتَفۡتَرِقُ أمتِی علی ثَلَاث وَسبعین یزِید عَلَيۡهِم مِلَّة وَاحِدَة کلهَا فِی النَّار إِلَّا وَاحِدَة فَسَأَلُوهُ عَن هَذِه الۡوَاحِدَة فَقَالَ مَا أَنا عَلَيۡهِ وأصحابی

یعنی بنی اسرائیل کے 72 فرقے ہوئے اور میری امت کے 73 فرقے ہوں گے جو کہ سوا ایک فرقے کے سب دوزخی ہوں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ وہ ایک کون سا فرقہ ہو گا آپ نے فرمایا جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ نص قرآنی اور حدیث رسول ربانی سے یہ تو واضح ہو گیا کہ فرقہ بندی اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت نہایت ہی مذموم ہے اور ایسوں کی سزا جہنم ہے اور رسول اللہؐ ان سے بے زار۔ (121)

سواد اعظم اور ناجی گروہ اہل سنت ہے:

مولانا گانگوی جہاں قرآن و حدیث سے فرقہ بندی کی مذمت کو ثابت کرتے ہیں وہیں ظہور پذیر ہونے والے تمام فرقوں کو باطل قرار دیتے ہوئے محض اہل سنت

ہی کو ماانا علیہ واصحابی کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ اس بحث کو سمجھنے کے لیے آپ پہلے ایک سوال قائم کرتے ہیں اور پھر پوری تفصیل کے ساتھ اس کی وضاحت کرتے ہیں۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ زمانہ حال میں جس قدر فرقے رائج ہیں ان میں سے اصل جماعت اسلامیہ عند اللہ پسندیدہ چیدہ جو عہد اقدس سے لے کر آج تک چلی آتی ہے اور فرقے اوس (اس) سے خارج ہو کر مستحق عذاب الٰہی ہوں وہ کون سی جماعت ہے۔ کیوں کہ لفظ ماانا علیہ واصحابی کے مصداق ہونے کا ہر فرقہ مدعی ہے۔ کل حزب بما لدیھم فرحون۔ لہذا کوئی ایسا معیار ہونا چاہیے جس سے جماعت حقہ اور فرقہ ہائے باطلہ کے درمیان فرق ہو جائے سواء معیار کے تصفیہ ناممکن اور معیار بھی مصنوعی نہو (نہ ہو) بلکہ منصوصی ہو"۔(122)

اہل حق کا مصداق اہل سنت والجماعۃ کو قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"وہ جماعت حقہ مذہب اہل السنۃ والجماعۃ ہے یہی الحبل المتین یہی صراط مستقیم ہے یہی الحق المبین ہے جو کہ عہد اقدس سے شروع ہو کر آجتک (آج تک) اپنے استقلال واستقامت واستدامت میں الآن کما کان۔ اس پر اندرونی وبیرونی حملے ہونے کے باوجود سرمو تنزل نہ آیا بلکہ روز افزون (افزوں) ترقی عروج میں رہا"۔(123)

اجمالاً عقائد اہل سنت کا بیان:

اخلاق وعقائد اور صدیوں سے قائم اعتدالی روایت کی بنیاد پر اہل سنت کو مسلک حقہ اور مسلک صحابہ واہل بیت وصالحین قرار دیتے ہیں۔

"اخلاق حسنہ اس جماعت حقہ کے ماانا علیہ واصحابی کے بالکل مطابق۔ مثلاً ذات الٰہی جل وعلا شانہ وحدہ لاشریک بے نظیر تمام عیوب ونقائص سے مبرا قدیم لایزال حکیم بے مثال اور صفات تمام قدیمہ

غیر متناہیہ تمام اشیاء ماضیہ وحالیہ وآیتہ کا بالتفصیل والاستغراق عالم بعلوم ذاتیہ کسی ہستی کو اس سے شرکت کا تصور بھی ناممکن۔ اور رسول اللہ ﷺ باعث ایجاد وعالم شفیع الامم سید الانبیاء قدوۃ الاولیاء جامع صفات کمال خداداد بعد از ذوالجلال بے نظیر وبے مثال ﷺ اور صحابہ تمام کے تمام نجوم الاہتداء اور جملہ اہل بیت نور چشم اور تابعین وتبع تابعین وائمہ مجتہدین سب پیشوایان دین ہیں اور مشائخ واولیاء سب واجب التعظیم والاحترام "(124)

اہل سنت ہی مسلکِ اعتدال:

اہل سنت کا یہ بھی امتیاز ہے کہ وہ تکفیر، تشریک، تفسیق اور تلعین کے معاملہ میں راہ اعتدال کو اور مسلک صحابہ کو کسی صورت نہیں چھوڑتے اور یہی وہ خصوصیت ہے جو بحیثیت جماعت، اہل سنت کو دیگر فرق سے جداگانہ تشخص عطا کرتے ہیں۔

"اور باقی تمام مسلمانان بھائی بھائی نہ کسی پر لعنت کرنا اور نہ ہی کسی کو کافر مشرک کہنا اور نہ کسی مسلمان کو بلاوجہ وجیہ وثبوت قطعی کے دائرہ اسلام سے خارج کرنا اور نہ بے ساختہ کفر کی آندھی چلانا۔ یہ ہیں معانی ماانا علیہ واصحابی کے۔ بتائے یہ صفات سوا مذہب اہل سنت والجماعۃ کے دیگر کسی فرقے میں پائے جاتے ہیں؟ کلا وحاشا ہرگز نہیں تو پھر دوسرے فرقے کس طرح ماانا علی واصحابی کے مصداق بن سکتے ہیں اور کس موتھ (منہ) سے اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔ "(125)

امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی:

احادیث سے فرقہ بندی کی مذمت ثابت کرتے ہیں اہل سنت والجماعۃ کے ساتھ متمسک رہنے کی رغبت دلاتے ہوئے اوراحادیث سے اہل سنت والجماعت کی حقانیت کو چار احادیث مبارکہ سے ثابت اور واضح کرتے ہوئے کچھ یوں اظہار کرتے ہیں۔

"ناظرین باتمکین اگر اس معیار سے آپ کی تسکین نہوئی (نہ ہوئی) ہوتو میں دیگر چار معیار مخصوصہ پیش کروں گا۔ جنہیں خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقرر فرمایا وہ یہ ہیں 1۔ آپ نے فرمایا وہی الجماعۃ یعنی وہ جنتی فرقہ جماعت کثیرہ ہے (مشکوٰۃ ص 30) 2۔ یداللہ علی الجماعة ومن شذ شذ فی النار (مشکوٰۃ ص 30) یعنی اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو شخص جماعت سے علحدہ (علیحدہ) ہو گیا وہ دوزخ میں علحدہ (علیحدہ) ڈالا جائے گا۔ 3۔ اتبعو السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار (مشکوٰۃ ص 30) یعنی تابعداری کرو بڑی جماعت کی اور جو شخص اس سے علحدہ (علیحدہ) ہو جاوے (جائے) گا تو دوزخ علحدہ (علیحدہ) ڈالا جائے گا؟ 4۔ من فارق الجماعة شبراً فقد ربقة الاسلام من عنقه (مشکوٰۃ، ص 31) یعنی جو شخص جماعت سے قدرے بالشت ہوا مفارق ہوا تو اوسکی (اس کی) گردن سے اسلامی رشتہ نکل گیا"۔ (126)

مذکورہ بالا احادیث کی انتہائی نفیس ولطیف شرح کرتے ہیں۔

"یہ ہیں چار معیار منصوصہ جن سے فرقہ ہائے حق وباطل کا امتیاز ہر صاحب عقل وانصاف کر سکتا ہے۔ یہاں کسی توجیہ وتاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔ قربان جایئے حضور انور کی شفقت کریمانہ پر کہ کیسی وضاحت وصراحت سے یہ عقدہ حل فرمادیا کہ معقول کو محسوس مبصر بناکر رکھ دیا۔ اب بھی اگر کوئی گمراہ اس چراغ محمدی سے راہ ہدایت نپاوے (نہ پائے) تواپنی قسمت کوروے (روئے)"[127]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ امت کی اکثریت گمراہ ہوجائے۔ لہٰذا وہی گروہ اور جماعت حق پر قرار دی جائے گی جس کے افراد کی اکثریت ہو اور جس کے افراد کی تعداد قلیل ہو وہ ان کے باطل ہونے پر دلیل ہے۔

"غرض ان چار معیار کا مآل واحد ہے۔خواہ ان سے اسوہ حسنہ مراد لیاجائے یا کثرت افراد۔یعنی جس فرقہ اسلامی کے افراد کثیر ہوں وہ حق اور جس کے افراد قلیل ہوں وہ باطل اور حدیث لاتجتمع امتی علی الضلالۃ یعنی میری امت کا اجتماع گمراہی پر نہیں ہوگا۔ اس کی مؤید اب اس موضوع پر رائے زنی اور بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ اس تصفیہ کو مسلمانان باانصاف کے ضمیر پر چھوڑا جاتاہے۔ جو تمام مذاہب اسلامیہ میں سے کونسا مذہب ہے جس کی جماعت وکثرت اتباع وسواد اعظم ہونے کی وجہ سے مستحق نجات اور کون سے مذہب کے افراد قلیلہ فارق الجماعۃ ہونے سے سزاوار جہنم۔ کوئی باانصاف اس میں شک بھی نہیں کرسکتا کہ عہد اقدس ﷺ سے

لے کر آج تک تمام قرون میں کوئی ایسا مذہب ایجاد نہیں ہوا جو سواد
اعظم ہو کر مذہب اہلسنت والجماعۃ کے ساتھ بحیثیت کثرت افراد
مقابلہ کر سکے"۔ (128)

اکثریتی جماعت کا مسلم شماری سے تعین:

سید گانگوی عقلی دلائل سے اپنے مخاطبین کو دعوت دیتے ہوئے اکثریتی جماعت کا فیصلہ کرنے کے لئے مسلم شماری کا مشورہ دیتے ہیں۔

"دور نہ جایئے عہد حاضر میں اپنے علاقے کے کسی شہر کو لے لیجئے اور اوسکی (اس کی) مسلم شماری کر کے ہر ایک مذہب کی فہرست علحدہ علحدہ (علیحدہ) مرتب کیجئے۔ پھر مذہب اہل سنت کی فہرست یکطرف اور باقی مذاہب کی یکطرف اب ان تمام مذاہب کی فہرستوں کو خواہ فرداً فرداً یا بحالت مجموعی اس فہرست اہل سنت سے نسبت دیجئے پھر اطمینان ہو جائے گا کہ واقعی مذہب اہل سنت اسلامی جماعت و سواد اعظم کا حقیقی مصداق و مستحق نجات ہے" (129)

عالم اسلام کے مسلم الثبوت فقیہ اور مستند عالم شریعت حضرت علامہ سید محمد امین ابن عمر عابد بن شامی (م 1836ء) نے بھی کی ہے وہ اپنی مقبول ترین کتاب "رد المختار" معروف بہ "فتاوی شامی" میں فرماتے ہیں:

"کماوقع فی زماننا فی اتباع عبد الوھاب الذین۔قد خرجوا من نجد وتغلبو علی الحرمین وکانوا ینتحلون مذھب الحنابلۃ لکنھم اعتقدﷺا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون واستحابوا بذالك قتل اھل

السنة وقتل علمائهم حتی الله تعالی شوکتهم وحرب بلادهم وظفر بهم عساکر المسلمین عام ثلاث وثلثین ومائتین والفجیسا کہ ہمارے زمانے میں ابن عبد الوہاب کے متبعین میں ہوا، وہ نجد سے نکلے اور حرمین شریفین پر مسلط ہو گئے، وہ حنبلی ہونے کا حیلہ کرتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ وہی مسلمان ہیں اور جو لوگ ان کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں وہ سب مشرک ہیں اس عقیدہ کی وجہ سے وہابیوں نے اہل سنت اور ان کے علماء کا قتل مباح قرار دیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دہشت گردی کا خاتمہ کر دیا اور ان کے شہروں کو ویران کر دیا، اور ان پر اسلامی فوجوں کو فتح دی"۔[130]

شرک، اقسام اور عصری تعبیر:

شرک کی ایک تقسیم تو پہلے سے کتب عقائد میں موجود ہے، مگر مولانا گانگوی اپنے زمانے میں بات بات پر شرک و بدعت کے لگائے جانے والے فتاویٰ کے تناظر میں ایک نئی عصری تعبیر دیتے ہیں:

"شرک دو قسم ہے۔ شرعی، مصنوعی۔ شرک شرعی وہ ہے کہ جس کو علماء وعقائد اہل سنت والجماعۃ نے قرآن وحدیث سے مستنبط کر کے شرک شرعی قرار دیا ہو اور شرک مصنوعی وہ ہے کہ ملاحدہ نے نصوص کے معانی کو الٹ پلٹ کر اپنی خواہش مذہبی کے برخلاف کو شرک بنالیا ہو، اب جو وعیدات نصوص میں شرک کے بارے میں وارد ہیں ان سب کا شرک شرعی ہی ہو گا نہ مصنوعی بلکہ مصنوعی شرک کو شرک قرار دینا بھی شرک ہے۔"[131]

شرح عقائد سے شرک کی معروف تعریف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"سنئے شرک کا معنی شرح عقائد نسفی جو کہ عقائد اسلامیہ میں نہایت معتبر اور درسی کتاب ہے اس کے ص 61 میں ہے۔الاشراك هو اثبات الشريك فى الالوهية يعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنامیعنی شرک کرنا ثابت کرنا شریک کا ہے۔الوہیت میں یعنی وجوب الوجود میں جیسا کہ مجوسی کرتے ہیں یا بمعنی استحقاق عبادت کے جیسابت پرست کرتے ہیں"۔ (132)

ملا علی قاری اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے حوالے سے شرک شرعی کی اقسام ثلاثہ کو بیان کرتے ہوئے مزید شرح کرتے ہیں۔

" بالجملہ شرک (شرعی) سہ قسم است دروجود ودر خالقیت ودر عبادت۔ خلاصہ مطلب یہ ہے کہ شرک شرعی تین طرح پر ہوتا ہے ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو واجب الوجود ٹھہرانا دوسری یہ کہ کسی اور کو اس کے سوا حقیقتاً خالق جاننا یا کہنا۔ تیسری عبادت میں کہ غیر خدا کی عبادت کرنا یا مستحق عبادت جاننا۔ یہ ہے شرک شرعی کی تشریح"۔ (133)

مذکورہ توضیحات کی روشنی میں شرک و بدعت کے لگائے جانے والے فتاویٰ کا محاکمہ کرتے ہیں۔

"بتایئے کہ کون مسلمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو واجب الوجود قرار دیتا ہو یا کسی کو حقیقتاً خالق جانتا ہو۔ یا کسی کو مستحق عبادت

قرار دیتا ہو۔ ہمیں تو کوئی ایک مسلمان بھی نظر نہیں آتا جو یہ کام کرتا ہو۔
لیکن وہابیوں کے شرک نے تو تمام مسلمانان عالم کو گھیر لیا"۔[134]

کیا سید گانگوی عصری تقسیم اہل سنت کے قائل تھے:

"مصنف رسالہ کفریہ کا اخراج مافی البطن کے لئے حیلہ سازی" کے زیر عنوان سید گانگوی لکھتے ہیں۔

"چنانچہ ص5 میں لکھتا ہے کہ مولوی احمد رضا خان بریلوی جو مخالف فریق کے پیشوا ہیں رسالہ خالص الاعتقاد ص28 میں تحریر فرماتے ہیں۔ آہ"[135]

اس عبارت پر نقد کرتے ہوئے سید احمد الدین گانگوی کسی نئی تقسیم کو نادرست قرار دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"میں کہتا ہوں اولاً کہ ہم تمام مسلمانان اہل سنت والجماعۃ کے پیشوا قرآن وحدیث واجماع امت وامام مذہب ہیں۔ مولانا احمد رضا خان صاحب اس جماعت حقہ میں بڑے لائق فائق علامہ تھے۔ آہ"[136]

مولانا نور محمد نے صاعقۃ الرحمن میں امام احمد رضا کو ایک نئے فرقے کا پیشوا قرار دیتے ہوئے لکھا:

"ان کو چاہیے کہ اپنے پیر ومرشد مولانا احمد رضا خان صاحب کی بات مان کر آہ"[137]

سید گانگوی نے اس عبارت پر نقد کرتے ہوئے لکھا:

"اقول غلط کہا۔ مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم بلکہ تمام علماء اہل سنت والجماعۃ ہمارے صرف ہم عقیدہ ہیں نہ پیر ہیں اور نہ مرشد، اگر

ہم عقیدہ پیر و مرشد بن جانے کا باعث ہے تو تمام وہابیوں کا پیر و مرشد
شیخ النجد ہو گا کیونکہ یہ سب ہم عقیدہ ہیں"[138]

تکفیر المسلمین کے لئے صراحت نص:

سید احمد الدین گانگوی لکھتے ہیں کہ ثبوت کفر کے لیے صریح اور واضح نص کا ہونا ضروری ہے۔

"علما اہل سنت کا متفقہ مسئلہ ہے کہ کفر بڑی سے بڑی سزا ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے نص کی صراحت ضروری ہے کسی نص کی تاویل کر کے اس سے تکفیر المسلمین کو ثابت کرنا قطعاً ممنوع۔ البتہ تکفیر کے ہٹانے کے لئے اگر کوئی تاویل بن سکے تو اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے"۔[139]

توسیع دائرہ اسلام:

سید احمد الدین گانگوی لکھتے ہیں کہ وہ لوگ جو بات بات پر کفر و شرک کے فتاویٰ دیتے پھرتے ہیں وہ حقیقتاً دائرہ اسلام کو تنگ کرنے کا سبب بنتے ہیں اور دائرہ کفر کو وسیع کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

"عہد اقدس اور قرون اولیٰ میں تو تمام پیشوایان امت کی کوشش توسیع دائرہ اسلام تھی جس کی برکات سے بفضلہ تعالیٰ دنیا کے ہر کونہ میں اسلام کا نقارہ بج رہا ہے۔ لیکن اس کم بخت پارٹی کی اسلام کے دائرہ کو تنگ کرنے کی سر توڑ کوشش ہے۔ بس یہی چاہتے ہیں کہ دائرہ اسلام سے تمام مسلمانوں کو نکال دیا جائے۔"[140]

سید گانگوی نے توسیع دائرہ کفر کی اس سازش کو ایک اور مقام پر اس انداز میں

بیان کیا ہے:

”تعجب تو یہ ہے کہ حدیث کا لفظ تو ہے الدعا ھوالعبادۃ جس کا مطلب صاف ہے کہ یہاں دعا کے باقی معنی مراد نہیں بلکہ یہاں دعا بمعنی عبادت ہے۔ لیکن مصنف نے دعا کا معنی حاجات میں پکارنا لے لیا حالانکہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے کسی وقت بھی بے تعلق نہیں رہ سکتا بلکہ کوئی نہ کوئی حاجت دوسرے سے ہوا کرتی ہے جس سے غیر کو حاجت روائی کے لئے پکارنے میں مجبور ہو جاتا ہے۔ اب اگر یہ عبادت ہو کر کفر و شرک ہو گئی۔ پھر تو اسلام دنیا سے عنقا ہو گیا۔ مصنف کی چالاکی تو دیکھئے کہ کفر کے برتنے میں کتنی پھریریاں کھائیں اول دعا کو بمعنی پکارنے کے پھر پکارنے کو عبادت قرار دے کر کفر و شرک جڑ دیا۔ اس کی یوں مثال ہے۔ مگس کو باغ میں جانے نہ دیجو کہ ناحق خون پروانے کا ہو گا غرض پیر و مرید مسلمانوں کو کافر بنانے یعنی دائرہ اسلام کو تنگ کرنے اور دائرہ کفر کو وسیع بنانے میں نہ بنتی بات بھی بنا کر ایڑی سے چوٹی تک سر توڑ کوشش میں ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کی مراد پوری نہ کرے“۔ (141)

تکفیر المسلمین کے لیے نصوص قطعیہ اور اجماع ائمہ ضروری ہے:

آپ لکھتے ہیں کی تکفیر سب سے بڑی سزا ہے۔ اس کے لئے واضح دلائل اور اجماع ائمہ کا پایا جانا ضروری ہے۔

”مصنف جی ہوش سنبھالیے معمولی دعویٰ نہیں جس کا مدعی ہے تکفیر مسلمانان کا مقدمہ ہے۔ اس کے لئے صریح صاف کھلے دلائل چاہئیں۔ اشاروں اور بناوٹ سے کام نہیں چلے گا بلکہ نصوص قطعیہ

صریحۃ الدلالۃ پیش کرو تم مدعی ہو مجتہد نہیں بن سکتے۔ بلکہ اجماع ائمہ ساتھ لاؤ اگر نہ ملے تو توبہ کرو"۔ (142)

اعتدال فی التوحید:

مولانا گانگوی فقہی اور اعتقادی مسائل میں اعتدال کو پسند کرتے تھے اور افراط و تفریط کی ہر صورت پر نقد کیا کرتے۔ توحید کے باب میں بھی آپ اعتدال کو ہی وجہ نجات قرار دیتے۔ اعتدال فی التوحید کی کچھ یوں وضاحت کرتے ہیں۔

"تمام امور میں تین متصور۔ افراط، تفریط، اعتدال۔ پہلے دونوں مردود تیسرا مقبول اس طرح توحید میں بھی جیسے تفریط مذموم ہے ویسے افراط بھی مقبوح۔ بلکہ اعتدال ہی محمود۔ اعتدال فی التوحید یہ ہے کہ سوا ذات پاک وحدہ کے دیگر کسی ہستی کو اپنا معبود و مسجود ہرگز قرار نہ دے ساتھ ہی مقبولان بارگاہ الٰہی کو واجب التعظیم والاحترام سمجھ کر ان کے توسط سے جناب الٰہی میں اپنی حاجت روائی کا عرض معروض کرے یا ان کو بارگاہ عالیہ میں اپنے مقصد براری کے لئے سفارشی بنائے اور ان کو بے حس و حرکت کالجماد والاصنام نہ جانے"۔ (143)

افراط اور تفریط کی وضاحت کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

"اور تفریط یہ ہے کہ جس چیز کا جناب الٰہی میں کوئی قدر نہیں اور نہ ہی کوئی رابطہ ہے اور نہ حس ہے اور نہ حرکت ہے بلکہ اپنے ہاتھوں کا تراشیدہ ہے اس کو از خود جناب الٰہی کا محترم و مقرب قرار دے کر اسے اپنی حاجات کے لئے جناب الٰہی میں سفارشی بنالینا اور اس کی عبادت کرنا یا کسی محترم ہستی کو چھوٹا خدا قرار دے کر اس کی پرستش

کرنا یہ سب تفریط فی التوحید کے مدارج ہیں۔اس کی مذمت قرآن شریف میں بکثرت موجود اور افراط یہ ہے کہ توحید کی آڑ میں تمام انبیاء واولیاء و مقربان بارگاہ سب پر ہاتھ صاف کر دینا جیسا کہ ابلیس لعین کا کارنامہ مشہور اور قرآن کریم میں مذکور ہے"۔[144]

مسلمانوں کا اتحادو اتفاق ہی مرغوب و مطلوب ہے:

مولانا گانگوی کی رائے یہ ہے کہ جب کفر کا فساد رفع ہو کر اسلام کی بنیاد قائم ہو جائے تو پھر تم اس اصلاح کے بعد فساد مت کرو بلکہ باہمی متفق ہو کر واحد حقیقی کی عبادت میں مصروف رہو۔کوئی شقاق و نفاق مسلمانوں کے درمیان نہ آنے پائے جیسا کہ دیگر آیات قرآنیہ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔غرض جب مسلمانان مل جل کر اپنے دینی مراسم و لوازم ادا کر رہے ہوں اور تعمیل فرامین الٰہی جل وعلاشانہ میں بالاتفاق والاجتماع مصروف ہوں اور اپنے انتخاب سے کسی پسندیدہ کو اپنا امام مقرر کرلیاہو جس کے پیچھے تمام اہل محلہ نمازیں ادا کر رہے ہوں تو پھر کسی کو شرعاً اجازت نہیں کہ ان میں تفرقہ کا فساد قائم کرے بلکہ ایسا کرنے والا شرعاً قتل کا سزاوار ہے۔جب کسی شہر میں ان کا ورود نامسعود ہو جائے اور دیکھیں کہ یہاں مسلمانوں کا آپس میں اتفاق ہے تو حسد سے جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں اور ان کے درمیان تفرقہ کی آگ بھڑکا دینا لازم سمجھتے ہیں چنانچہ چند دنوں بعد وہی مسلمان جو آپس میں بھائی بھائی تھے ایک دوسرے سے خصم جان بعدیکہ اقتداء نماز تو بجاء خود سلام و کلام منقطع شادی غمی و دیگر مراسم اسلامیہ کی شرکت رخصت بلکہ جنگ و جدال و مقدمات فوجداری درمیان جاری۔[145]

تکفیر المسلمین کے لئے مسئلہ علم غیب کو بنیاد بنانا:

آپ کی رائے یہ ہے کہ بالعموم برصغیر اور بالخصوص پنجاب میں مسئلہ علم غیب کی وجہ سے علماء اہل سنت کی تکفیر کی گئی۔ علم غیب کے مجوزین پر کفر کے فتاویٰ جاری کئے گئے۔

> "جب ان وہابیوں نے اپنے فاسد مذہب کی ترقی کا واحد ذریعہ یعنی تکفیر المسلمین قرار دے رکھا ہے اور تکفیر کے حصول کے لئے مسئلہ بحث علم غیب کو جو بحر بے کنار ہے ایسا چھیڑا کہ شب و روز لگاتار شہر شہر میں جلسے اور تقریروں تحریروں کا سلسلہ باندھ دیا جس سے عوام میں کیا بلکہ خواص میں بھی فتنہ فساد برپا ہوا تب ان وہابیوں کو لوگوں نے سرزنش کی اس مسئلہ کی بحث بار بار کرنے میں کیوں پڑ گئے جو کہ بنیاد فساد ہو چکا ہے اور اصل مسئلہ ہر کسی کو معلوم ہے پھر کیا ضرورت کہ ہر وقت ہر جگہ یہی چرچا اور مشغلہ بنا رکھا ہے"۔(146)

تکفیر المسلمین کے قواعد فقہیہ:

سید گانگوی تکفیر المسلمین کے معاملہ میں انتہائی محتاط تھے آپ نے اپنے زیادہ تر فتاویٰ میں اور رسائل میں اس احتیاط کو اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ ایک رسالہ میں آپ نے وہ قواعد جمع کر دیئے جن کا التزام تکفیر المسلمین کے باب میں ضروری ہے۔

1۔ کفر سب سے بڑی سزا:

آپ کا موقف یہ ہے کہ کفر جیسی انتہائی اور آخری عقوبت و سزا کے ثبوت کے لیے دلیل بھی انتہائی بڑی ہونی چاہیے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ معمولی سے احتمال کی

بنیاد پر کسی مسلمان کی تکفیر کر دی جائے۔ اگر کسی مسلمان کے لیے اس سے بچاؤ کی صورت ہو سکے تو اسے اختیار کرنا چاہیے فقہاء احناف کے حوالے سے آپ اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کفر معمولی چیز نہیں جس پر چاپا ڈال دیا بلکہ بڑی سے بڑی سزا ہے مسلمان پر اس سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں۔ اس کے لئے جنایت عظیمہ کی ضرورت۔ پھر اگر مسلمان مسلمان کے واسطے بچاؤ کی کوئی صورت ہو سکے تو حتی الامکان اس سے بچا لینا چاہیے جیسا کہ الاشباہ والنظائر ص 260 اور درالمختار وشامی ج 3 ص 293 وغیرہ کتب فقہ میں فتاویٰ صغریٰ سے منقول ہے۔ الکفر شئی عظیم فلا اجعل المومن کافراً حتی وجدت روایۃ انہ لایکفر یعنی کفر بڑی چیز ہے پس میں کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتا جب تک ایک روایت بھی اس کے عدم کفر کی ہو اور شامی میں ہے۔ وفی التاتار خانیۃ لایکفر بلمحتمل لان الکفر نہایۃ فی العقوبۃ فیستدعی نہایۃ الجنایۃ اور تاتار خانیہ میں ہے کہ احتمال سے کفر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ آخری سزا ہے اس کے لئے آخری جنایت چاہیے۔"(147)

2۔ محض شک کی بنیاد پر حکم تکفیر

آپ کا موقف یہ ہے کہ کسی مسلمان کا اسلام ثابت اور یقینی امر ہے تو محض شک کی بنیاد پر کسی مسلمان کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ جب تک کہ ثبوت کفر کا یقینی تحقق نہ ہو جائے۔

"جب تک کسی مسلمان میں کفر کا یقینی تحقق نہ ہو تو اس کو ہر گز کافر کہنا

جائز نہیں جیسا کہ شامی ص292میں ہے ثم مایتقن انه ردة یحکم بھا وما یشك انه ردة لا یحکم بھا اذالاسلام الثابت لا یزول بالشك مع ان الاسلام لا یعلو وینبغی للعالم اذا رفع الیه هذا ان لا یبادل بتکفیر اهل الاسلام یعنی پھر جس ردۃ میں یقین ہو تو حکم کفر دیا جائے اور جس میں شک ہو تو کفر کا حکم نہ دیا جائے۔ کیونکہ اسلام یعنی اسلام ثابت شک سے زائل نہیں ہوتا باوجود آنکہ اسلام غالب ہے اور جس عالم کے یہ مسئلہ پیش ہو تو اس کو چاہیے کہ مسلمانوں کی تکفیر پر جلدی نہ کرے۔"[148]

3۔ اختلاف فقہاء کی صورت میں عدم تکفیر:

آپ لکھتے ہیں کہ اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کے مابین اختلاف واقع ہو تو اس میں کسی بھی شخص کی تکفیر ہر گز جائز نہیں ہو گی اور اسی طرح کسی شخص کے اسلام پر ضعیف سے ضعیف قول بھی مل جائے تو اسے اختیار کیا جائے۔

"جب کسی مسلمان کی کلام کا محمل صحیح مل سکے تو اسی محمل پر حمل کرنا چاہیے۔فاسد محمل پر ہر گز حمل نہ کیا جائے۔بمقتضاء ظنوا المومنین خیراً۔اور جس مسئلہ میں اختلاف فقہاء واقع ہو اس میں کسی فریق کی تکفیر ہر گز جائز نہیں جیسا کہ علامہ حموی شارح اشباہ نے بحر الرائق سے نقل کیا ہے والذی تحرر انه لا یقضی بتکفیر مسلم امکن حمل کلامه علی محمل حسن او کان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة ومثله فی الشامی ص293یعنی قرارداده امر یہ ہے کہ جس مسلمان کے کلام کا محمل صحیح مل سکے یا اس

کے کفر میں اختلاف ہو اگرچہ روایت ضعیفہ بھی ہو تو اس کو ہرگز کافر نہ کہا جائے۔"(149)

4۔ مسئلہ تکفیر میں مجتہدین کا فتویٰ:

سید احمد الدین گانگوی فتویٰ کفر جاری کرنے والے کی علمی ثقاہت پر کلام کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ مسئلہ تکفیر میں صرف مجتہدین کا فتویٰ ہی معتبر سمجھا جائے گا اور وہ فقہاء جو منصب اجتہاد پر فائز نہیں ہوئے ان کے قول پر فتویٰ نہیں دیا جائے گا۔

> "مسئلہ تکفیر میں صرف مجتہدین کا فتویٰ قابل اعتبار ہے باقی فقہاء غیر مجتہدین کا کوئی اعتبار نہیں جیسا کہ حموی شرح اشباہ ص 260 میں اور درالمختار ج 3، ص 297 میں بحر الرائق سے منقول ہے یقع فی کلام اهل المذاهب تکفیر لکن لیس من کلام الفقهاء الذین هم المجتهدون بل غیر هم ولا عبرة بغیر الفقهاء نقله عن ابن همام ثم قال والحق ان ماصح عند المجتهدین فهو علی حقیقة وما ثبت عن غیرهم فلا یفتی به فی مسئلة تکفیر۔ یعنی اہل مذاہب میں بہت تکفیر واقع ہوتی ہے جو فقہا مجتہدین کی کلام میں نہیں بلکہ غیر مجتہدین سے اور غیر فقہا کا کوئی اعتبار نہیں نقل کیا۔ پھر کہا حق یہ ہے کہ جو مجتہدین سے صحیح روایت ہو پس وہ حقیقت پر ہے اور روایت غیر مجتہدین سے ہو تو تکفیر میں اس پر فتویٰ نہ دیا جائے۔"(150)

5۔ فتویٰ تکفیر کے لیے اجماع کی ضرورت:

مسئلہ تکفیر میں ائمہ کا اجماع بھی ضروری ہے جس روایت پر ائمہ کا اجماع نہ

ہو اس پر ہر گز کفر کا فتویٰ جاری نہیں کیا جائے گا اور کفر سے بچانے کے لیے اس کے مقابل چاہے کتنی ہی ضعیف روایت کیوں نہ ہو اسے اختیار کیا جائے گا۔

> ”جب تک تکفیر پر اجماع ائمہ نہ ہو تو اس پر ہر گز فتویٰ نہ دیا جائے بلکہ روایت اس کے مقابل ہو اگر چہ ضعیف یا غیر مذہب کی بھی ہو۔ تو تکفیر کا فتویٰ غلط اور اس روایت پر فتویٰ دینا چاہیے جیسا کہ حموی شرح اشباہ میں ہے۔ قوله متى وجدت رواية انه لايكفر يعنى ولو كانت تلك الرواية ضعيفة كما فى شرح المصنف على الكنز اقول ولو كانت تلك الرواية لغير مذهبنا ويدلك على ذلك اشتراط كون مايوجب الكفر مجمعاً عليه(ص26)یعنی عدم تکفیر کی کوئی روایت مل جائے تو کفر کا فتویٰ نہ دوں گا اگر چہ وہ روایت ضعیفہ بھی ہو جیسا کہ شرح کنز میں مصنف نے کہا ہے میں کہتا ہوں اگر چہ وہ روایت غیر مذہب کی بھی ہو۔ اور موجب کفر کا مجمع علیہ ہونے کا اشتراط اس پر دلالت کرتا ہے۔“(151)

6۔ جس مسئلہ میں بکثرت وجوہ کفر ہوں:

وہ مسئلہ جس میں ثبوت کفر کے لیے بہت وجوہ ہوں اور ثبوت اسلام کی صرف ایک وجہ ہو تو صاحبان افتاء پر لازم ہے کہ وہ اسی ایک وجہ کا اعتبار کرتے ہوئے عدم کفر کا فتویٰ دیں۔

> ”جس مسئلہ میں بہت وجوہ کفر کے ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام کی ہو تو مفتی کو لازم ہے کہ اسی ایک وجہ کا اعتبار کر کے حکم باسلام دیدے اور دوسری وجوہات کو نظر انداز کر دے جیسا کہ در المختار ج 3

ص 297 میں ہے۔ وفی الدرر وغیرها اذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر وواحد یمنعه فعلی المفتی المیل لما یمنعه ومثله فی الشامی (ج 3، ص 293) یعنی درر وغیرہ میں ہے کہ جس مسئلہ میں بہت وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ عدم کفر کا تو مفتی کو لازم ہے کہ اسی ایک وجہ کی طرف جھک کر اسلام کا حکم دیا جائے۔"[152]

7۔ کتب فتاویٰ میں مذکور الفاظ کفریہ:

کتب فتاویٰ میں جن الفاظ کو کفریہ قرار دیا گیا ہے ان میں سے صرف انہی الفاظ پر فتویٰ کفر جاری کیا جائے گا۔ جن میں مشائخ کا اتفاق ہو اور جن الفاظ کے کفریہ ہونے پر مجتہدین کا اختلاف ہو ان پر حکم تکفیر نافذ نہیں کیا جائے گا۔

"جو الفاظ کفریہ فتاویٰ میں درج ہیں ان میں سے قابل اعتبار صرف وہی الفاظ ہیں جن پر اتفاق مشائخ یعنی مجتہدین ہو والا فلا جیسا کہ درالمختار ج 3 ص 293 میں اور شامی ج 3 ص 293 میں ہے والفاظه تعرف فی الفتاوی بل افردت بالتالیف مع انه لا یفتی بالکفر بشئی منها الا ما اتفق المشائخ علیه قال فی البحر وقد الذمت نفسی ان لا افتی بشئی منها یعنی کفریہ الفاظ فتاویٰ میں مصروف ہیں بلکہ میری علیحدہ تالیف ہے باوجودانکہ ان الفاظ میں سے کسی چیز پر بھی کفر کا فتویٰ نہ دیا جائے مگر جس پر مشائخ کا اتفاق ہو صاحب البحر نے کہا ہے کہ میں نے اپنے نفس پر لازم کیا ہے کہ ان الفاظ میں سے کسی سے بھی کفر کا فتویٰ نہ دوں گا۔"[153]

سید احمد الدین گانگوی کا بعض اعتقادی مباحث اور اختلافی مسائل میں نقطہ نظر

(1) عقیدہ تحفظِ ناموس مصطفی ﷺ :

ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک یعنی ابو لہب، ولید بن مغیرہ، بشر منافق اور عبد اللہ بن ابی سے لے کر سلمان رشدی تک بہت سے دشمنان اسلام اور گستاخان رسول پیدا ہوئے اور ان ظلمت پسندوں اور دریدہ دہنوں نے نت نئے انداز میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی عظمتوں اور صداقتوں پر حملے کئے۔ امت مسلمہ کے صبر و تحمل اور ان کی غیرت ایمانی وحمیت دینی کا امتحان لیا جس کے نتیجے میں کتنے ہی فرزندان توحید نے اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہوئے اس طرح کے گستاخوں اور بد نصیبوں کو کیفر کردار تک پہنچادیا اور خود بھی ہنسی خوشی نام مصطفی ﷺ پر کٹ کر عروسِ شہادت سے ہمکنار ہوگئے۔ گستاخی رسول اور منصب رسالت و توحید پر حملے کی جہاں ایک طویل تاریخ ہے وہیں ایسے ظالموں، دریدہ دہنوں اور بد بختوں کو جہنم رسید کرنے والے وفا آشنا، ایثار پیشہ اور سراپا تسلیم ورضا عشاق رسول کی بھی کمی نہیں۔ بر صغیر ہندوپاک کے مسلمانوں پر ایک قیامت اس وقت گزری تھی جب برطانوی دور حکومت میں ایک ظالم نے "رنگیلا رسول" نامی کتاب لکھ کر مسلمانوں کے خرمن ہوش

وخرد پر بجلی گرادی تھی اور ایک دیوانہ رسول نے اس ظالم کو قتل کر کے دنیا پر یہ واضح کر دیا تھا کہ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اپنے پیارے پیارے آقا نبی رحمت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی اہانت کسی بھی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا۔

اس اہم موضوع پر سید احمد الدین گانگوی نے زجر الاشقیاء عن اہانۃ الاصفیاء کے نام سے ایک مستقل کتاب تالیف فرمائی۔ اس تصنیف لطیف میں آپ نے اس موضوع کے جملہ اعتقادی اور قانونی مباحث کو یکجا کر دیا ہے۔

الفاظِ شتم میں شاتم کی نیت کو کوئی دخل نہیں :

مسئلہ توہین رسول ﷺ میں الفاظِ شتم میں شاتم کی نیت کے معتبر ہونے یا نہ ہونے میں متکلمین کی مختلف آراء رہی ہیں۔ سید احمد الدین گانگوی کا موقف یہ ہے کہ الفاظ شتم میں شاتم کی نیت کو نہیں دیکھا جائے گا۔ اس بات کو واضح کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں :

> "الفاظ شتم وسب میں شاتم کی نیت کو کوئی دخل نہیں ورنہ ہر شاتم کہہ سکتا ہے ان الفاظ سے میری مراد شتم کی نہیں تو کیا ایسا کہنے سے وہ بری ہو سکتا ہے ہرگز نہیں شفاء شریف (ص222) میں ہے یا بے وقوفی کی باتیں کرے یا بری باتیں کرے اور آپ کی جناب میں ناشائستہ کسی قسم کے الفاظ کہے اگرچہ اُس کے دلالت حال سے معلوم ہو جائے کہ اس نے آپ کی مذمت وسب کا ارادہ نہیں کیا یا تو اس کی جہالت نے ان الفاظ کے کہنے پر اس کو برانگیختہ کیا یا کسی پریشانی نے اس کو مجبور کیا

یا زبان کی بے لگامی نے یا کلام کی دلیری نے اس سے یہ اقدام کرایا پس اس قسم کا حکم پہلے قسم کا ہے کہ بدون توقف کے قتل کیا جائے کیونکہ کوئی شخص کفر میں جہالت اور زبان کی لغزش یا اور کسی وجہ سے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے موزوں نہیں سمجھا جاتا۔"(154)

مرتد شاتم رسول کی سزا قتل غیر مقبول التوبہ:

گستاخی رسول ﷺ کی وجہ سے مرتد ہونے والے شخص کی سزا قتل اور توبہ بھی غیر مقبول قرار دیتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

"خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ اگر زید نے بکواسات مندرجہ سوال دیدہ دانستہ کہے جب کہ اس ناپاک پارٹی کا رویہ ہے اور مشورہ و منصوبہ سے یہ کام کیا ہے پھر تو یہ شخص مرتد واجب القتل غیر مقبول التوبہ ہے۔"(155)

(2) مسئلہ تفضیلِ صحابہ میں موقف:

سید احمد الدین گانگوی مسئلہ تفضیل میں خلفاء اربعہ کی ترتیبِ خلافت کا اعتبار کرتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا پر خلفاء ثلاثہ کی فضیلت و فوقیت کے قائل ہیں۔ حضرت علی شیر خدا بابِ فضیلت میں چوتھے نمبر پر ہیں۔ سید گانگوی خلفاء راشدین میں بلحاظ ترتیبِ خلافت افضلیت کے تحقق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت شیر خدا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ کے جس قدر فضائل و کمالات ذکر کیے جائیں اس سے حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوقیت ہر گز ہر گز ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ ان کے مدارج سے مساوات بھی ناممکن۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ فضائل اگرچہ اپنی

ذات میں موجب رفعت شان کیوں نہیں مگر پھر بھی یہ کمالات جزئیہ ہیں اور حضرات ثلاثہ کے فضائل کلیہ۔ اور فوقیت و فضیلت فضائل کلیہ ہوتے ہیں نہ جزئیہ۔ علاوہ برایں ان فضائل کا بعض بلکہ اکثر حضرات ثلاثہ میں موجود بہر کیف حضرت شیر خدا جبکہ حضرات ثلاثہ کے بالخصوص حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی فوقیت و فضیلت کے خود قائل و معترف ہیں پھر ان پر فوقیت یا مساوات کا کیا امکان۔"(156)

عقیدہ خلیفہ بلا فصل پر تنقید :

سید احمد الدین گانگوی حضرت علی شیر خدا کے وصی ہونے کا مفہوم متعین کرتے ہوئے اور عقیدہ خلیفہ بلا فصل کا رد کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

"جب حضور پاک نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ کو مکہ میں چند روز ٹھہرنے کا ارشاد فرمایا تا کہ امانت اور وصایا جو حضور پاک ﷺ کے پاس تھیں ادا کر کے آجائیں چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ اسی معنی کے لحاظ سے آپ کو وصی کہا جاتا ہے نہ اس معنی سے جسکو بد فرقہ شیعہ شنعیہ نے بنا رکھا ہے یعنی خلیفہ بلا فصل یہ انکا مثل دیگر بکواس کے فضول بکواس ہے۔"(157)

سبِ صحابہ کی ممانعت:

صحابہ کرامؓ کی تکریم کو نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے ثابت کرتے ہیں اور صحابہ کرامؓ کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"حدیث مسند امام احمد میں ہے کہ حضور نے فرمایا جس شخص نے علی کو سَب کیا تو اس نے مجھے سَب کیا۔ اور امام شافعیؒ نے روایت کیا ہے کہ

حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے میرے اصحاب کو سب کیا تو اس نے مجھے سب کیا اور جس نے مجھے سب کیا تو اس نے اللہ تبارک تعالیٰ کو سب کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو سب کیا تو اس کو اللہ تعالیٰ نے ناک کے بھر آگ میں اوندھا ڈالے گا اور ابو یعلیٰ و بزاز نے روایت کیا ہے کہ حضور پاک نے فرمایا جس نے علی کو ایذا دیا اس نے مجھے ایذا دیا ان احادیث و دیگر ایسی احادیث سے صاف ثابت ہے کہ زید ایسے بکواس سے لعنت کا مستحق ہے جب کہ حدیث ترمذی پہلے منقول ہوئی بلکہ در پردہ بھی حضور پاک کو ایذا پہنچایا گیا ہے ایسے کرنے والے پر نص قرآنی وارد "(158)

(3) نورانیت مصطفی ﷺ:

نبی کریم ﷺ کا مجسم نور ہونا علماء عقیدہ کے ہاں اختلافی مبحث رہا ہے۔ سید احمد الدین گانگوی نے قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور بزرگان دین کے اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نورِ مجسم ہیں اور آپ ﷺ کے نور کو رب تعالیٰ نے اپنے ذاتی نور کے فیضان سے پیدا فرمایا ہے اور آپ ﷺ کا نور تمام کائنات کا اصل ہے اور دیگر ساری مخلوقات نبی کریم ﷺ کے نور سے پیدا ہوئی ہے۔ سید گانگوی نبی کریم ﷺ کے وصفِ نورانیت کو قرآن وحدیث سے ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ حسبِ ارشاد رب العباد جل و علاشانہ فرمان سید الانس و الجان و اقوال اصحاب کمال مجسم نور ہیں۔ آپ کے مجسم نور ہونے کی شہادت کلامِ الٰہی سے یہ ہے۔ (۱) قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللهِ نُورٌ وَ كِتَابٌ مُّبِينٌ (159) ترجمہ: یعنی آئے ہیں

تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور کتاب روشن۔ اس نور سے مراد بعض مفسرین نے قرآن شریف لیا ہے مگر اکثرین نے اس سے مراد حضور پاک ﷺ لیے ہیں۔(۲) مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ (160) یعنی اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال ایک آلے کی ہے اور اس میں چراغ ہے اس نور سے مراد بھی حضور پاک ﷺ ہیں جیسا کہ تفسیر خازن و کبیر وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے (۳) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً۔وَدَاعِياً إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجاً مُّنِيراً (161) یعنی اے نبی ہم نے آپ کو (تمام امتوں پر) گواہ بنا کر اور (مومنوں کو) خوشخبری دینے والا اور (کافروں کو) ڈرانے والا اور (تمام مخلوقات کو) اللہ کی طرف بلانے والا ساتھ حکم اللہ تعالیٰ کے اور چراغ روشن کرنے والا بھیجا۔ سراجاً سے مراد آفتاب ہے اور قرآنی محاورہ میں سراج بمعنی آفتاب مطرد ہے اور آپ کو آفتاب اس لیے کہا کہ جیسا کہ آفتاب تمام عالم کو روشنی دیتا ہے اور کسی غیر اللہ سے روشنی لیتا نہیں حضور پاک ﷺ بھی اسی طرح تمام جہاں کو روشنی دے رہے ہیں اور دیگر کسی سے لینے کی ضرورت نہیں۔ اور سراج اس لیے فرمایا کہ ایک چراغ سے ہزاروں بلکہ لاکھوں چراغ روشن ہو سکتے ہیں یہ کام آفتاب میں نہیں اور اس لیے فرمایا کہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور چراغ بجھ جاتے ہیں مگر حضور پاک ﷺ کا نور دائم قائم کبھی نہ بجھے گا۔(162)

(4) میلاد مصطفی ﷺ:

قوموں کی تاریخ میں بعض دن اپنی اہمیت و عظمت کی وجہ سے یادگار حیثیت اختیار کر لیتے ہیں، پھر سال بہ سال ان ایام کو منایا جاتا ہے۔ اُن ایام میں ہونے والے

واقعات پر خوشی یا غم کا اظہار ہوتا ہے۔ اِن واقعات سے جو بھی عبرتیں یا نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں اگر اُن پر غور و فکر کیا جائے تو ماضی سے مستقبل کے لئے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری کا دن کسی ایک قوم کے لئے تاریخی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ تمام انسانیت کے لئے یادگار دن ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا ظہور صرف قریش یا اہل عرب کے لئے نہ تھا بلکہ تمام اقوام عالم کے لئے تھا۔ آپ ﷺ کی دعوت عالمگیر تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام اقوام عالم کی گردنیں محمد رسول اللہ ﷺ کے بارِ احسان سے جھکی ہوئی ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں عدل و احسان، صدق و صفاء، رحم و کرم، ہمدردی، غم خواری، محبت و مودت، امن و آشتی، محنت و مشقت، ایثار و قربانی جیسے اوصافِ کریمہ پائے جاتے ہیں اُن سب کا سلسلہ تعلیمِ محمدی ﷺ سے ہی جا کر ملتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے حسب و نسب، سیرت و صورت، اخلاق اور آداب کے بیان کا نام میلاد شریف ہے۔ اسی چیز کو اہل سنت قرآن و حدیث کی روشنی میں پورے احترام و اہتمام سے منایا کرتے ہیں۔

12 ربیع الاول کے دن کو یوم میلاد ﷺ کے طور پر منانے اور اس جشن کو "عید میلاد النبی ﷺ" کا عنوان دینے پر اختلاف چلا آرہا ہے۔ جانبین کی طرف سے دلائل دیئے جاتے رہے ہیں۔ مولانا ابراہیم چکڑالوی ابن مولوی عبد اللہ چکڑالوی نے میلاد النبی ﷺ کے عدم جواز پر ایک فتویٰ تحریر کیا اور اُسے مولانا گانگوی کی طرف ارسال کیا۔ اس فتویٰ کے جواب میں مولانا گانگوی نے میلاد النبی ﷺ کے جواز پر ایک مستقل رسالہ "رسالہ میلاد" کے نام سے تحریر فرمایا۔ یہ رسالہ مجموعہ حفاظت الایمان میں راقم السطور کی تحقیق سے کتاب محل لاہور سے 2017ء میں شائع ہوا۔

سید گانگوی نے میلاد النبی ﷺ کے اثبات پر رائے دیتے ہوئے لکھا:

”میلاد مقدس یعنی حضور پاک صاحب لولاک ﷺ کی ولادت باسعادت کا تذکرہ کرنا ہر طریق اور ہر رنگ میں جائز بلکہ مستحسن و باعث برکات ہے۔

ذکر حبیب شعبہ وصل حبیب ہے
تصدیق اس کی عاشق صادق سے پوچھئے

خواہ یہ تذکرہ بحالت انفرادی ہو یا اجتماعی پھر عام اس بات کے کہ یہ اجتماع اتفاقی ہو یا بالتداعی و خواہ بتعیین تاریخ ہو یا نہ غرض بہر کیف و بہر طریق جائز بلکہ احسن ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا طریقہ نہیں جس کو شریعت عزا ناجائز قرار دے۔“[163]

ذکر میلاد النبی ﷺ کا آیات قرآنی سے ثبوت :

میلاد النبی ﷺ کو قرآن پاک سے ثابت کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

اب اصل مدعا یعنی ذکر میلاد النبی ﷺ کے مزید ثبوت کے لیے آیات ذیلہ ملاحظہ ہوں۔ قال اللہ تعالیٰ وَاذْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ [164] اس آیت میں منعم حقیقی اپنی نعمتوں کے ذکر کرنے کا حکم دیتا ہے یعنی یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہے اور اس میں شک نہیں کہ حضور پاک ﷺ کی ولادت باسعادت اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں سے اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے جیسا کہ پروردگار عالم کا ارشاد ہے: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ [165] اس آیت سے آپ کا وجود مسعود نعمت اللہ ہونا ثابت ہو گیا اور نیز آپ کے اسماء مبارک نعمت اللہ بھی ہے جیسا کہ قسطلانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور دلائل الخیرات جو کہ تمام سلاسل اولیاء میں مروج ہے اور اس میں بھی ہے مزید فرمایا:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ [166] یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کا تذکرہ کیا کرو

وَاشْكُرُواْ نِعْمَتَ اللّٰهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ [167] یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو تو اس کی نعمت کا شکر کرو ان دونوں آیتوں میں رب العالمین جل جلالہ اپنے نعمتوں کے تذکرہ کرنے کا ارشاد فرماتا ہے اور شکر کرنا بھی مرادف التذکرہ ہے۔ وَذَكِّرْهُم بِأَيَّامِ اللّٰهِ [168] یعنی یاد دلا ان کو دن اللہ تعالیٰ کے۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ دنوں سے مراد واقعات عظیمہ ہیں جو اُن دنوں میں واقع ہوئے ہیں۔ پھر اہل ایمان کو دیکھنا چاہیے کہ آپ کے ظہور سے بڑھ کر کون سا واقعہ ہے جس میں ایوان کسریٰ کا شق ہونا اور اصنام کا سر کے بل گرنا اور فارس کا آتش کدہ بجھ جانا اور آسمان سے تاروں کا نیچے جھک آنا اور کعبۃ اللہ کا جھک کر شکر الٰہی بجالانا ایسے ایسے بہت سے واقعات کو شامل ہے۔ میلاد شریف کے تذکرہ میں ان تمام واقعات عجیبہ کا تذکرہ ہو جاتا ہے۔ ان آیات سے ثابت ہو گیا کہ محبوب رب العالمین کی ولادت باسعادت کا تذکرہ کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔[169]

سید گانگوی 12 ربیع الاول کو یوم ولادت مصطفی ﷺ قرار دیتے ہوئے اور یوم

میلاد کو لیلۃ القدر سے افضل ثابت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

”چونکہ سیّد الاولین والآخرین ﷺ کی ولادت باسعادت 12 ربیع الاوّل بنابر اشہر روایات کے ہوئی ہے بروز دو شنبہ بالاتفاق اس لیے اس تاریخ کو عید منانا اور خوشی کرنا ہر مسلمان کا شعار ہے۔ یہ وہ دن ہے جس میں شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین سید الاولین والاخرین امام الانبیاء والمرسلین افضل الخلائق اجمعین عالم غیب سے شاہد شہود میں تشریف لاکر زمین وزمینیان آسمان و آسمانیان بلکہ من تحت الثریٰ الی قاب قوسین او ادنی کو برکات وفیوضات سے مالا مال فرمادیا۔ الحق اگر عید ہے تو یہی ہے اگر دن سعید ہے تو یہی۔ اگر فرحت ومسرت کا روز ہے تو یہی ہے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ واللہ نہ اس دن کے ساتھ کوئی دن مقابلہ کر سکتا ہے اور نہ اس کی رات کے ساتھ کوئی رات موازنہ کر سکتی ہے۔ قرآن شریف میں لیلۃ القدر کی فضیلت مذکور ہے۔ مگر اس رات پر ہزار لیلۃ القدر قربان۔“[170]

جشن ولادت کے لئے لفظ عید کا استعمال :

یوم میلاد کو تمام مخلوقات کے لئے یوم عید قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

”مخفی نہ رہے کہ میلاد مقدس کی عید تو اسی تاریخ سے مخصوص ہے جس میں آپ کی ولادت باسعادت سے عالم دنیا مشرف ہوا۔ یہ عید صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ تمام مخلوقات علوی و سفلی جن و انس و حوش وطیور بر وبحر سب کو حاوی ہے۔ اگر تسلی نہ ہو تو جنتری دیکھ لیں کہ انگریز باوجود غیر مسلم ہونے کے ہر سال 12 ربیع الاول

کو عید میلاد منانے کے لیے تعطیل کر دیتے ہیں جس سے تمام ملازمین واہل کار استراحت و آرام سے دن گزارتے ہیں اور عموماً مسلمان اس دن میں کھانا پکا کر آپ بھی کھاتے ہیں اور مساکین کو بھی کھلاتے ہیں اور خاص الخاص مسلمانان مجلس میلاد مقدس منعقد کر کے فرحت و سرور کا مظاہرہ کرتے ہیں جس سے معاندین کے اجسام کو حسد کی آگ میں جلا کر کوئلہ بنا دیتے ہیں۔ یہ ہیں آثار عید میلاد" (171)

(5) ندائے غائبانہ:

مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کی ذات والاصفات سے جو شغف اور تعلق روحانی ہے، دنیا میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔ عہد صحابہ سے آج تک مسلمان اپنے اس خصوصی کردار میں ممتاز رہے ہیں کہ دنیا کی کوئی قوم اپنے راہنما سے وہ عشق اور شیفتگی نہیں رکھتی جو اہل اسلام کو اپنے پیغمبر ﷺ سے ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ سارے مسلمان دل و جان سے ان پر شیدا اور مجازی معنی میں نہیں حقیقی معنی میں ان کا کلمہ پڑھتے ہیں، ان کو اپنے روحانی کرب واضطراب کا مسیحا تصور کرتے ہیں اور جسمانی درد والم کا مرہم سمجھتے ہیں۔ خلوت و تنہائی ہو یا جلوت وانجمن، مسرت ہو یا رنج و محن، وہ ہر عالم میں ان کو پکارتے ہیں اوران کے نام کا نعرہ لگاتے ہیں، انہیں تصور میں اپنے پاس پاتے ہیں تو انہیں خطاب کرتے ہیں اوران سے التجا اور فریاد کرتے ہیں۔ اوراس عالم میں چودہ صدیوں کے دبیز پردے، ہزاروں میل کی مسافتیں، شجر و حجر، بحر و بر، موت وحیات اور شہود وغیاب کے حجاب ہیچ اور درماندہ ہوتے ہیں۔ جب کہ بعض علماء اس خطاب وندا استغاثہ وفریاد کو ناجائز قرار دیتے ہیں، وہ

اس کو اسلام کی تعلیمات کے سخت خلاف بلکہ شرک و کفر تک کہا کرتے ہیں۔ اختلافی مباحث میں ندائے غائبانہ کا مسئلہ بھی سرفہرست ہے۔ سید احمد الدین گانگوی نے اس موضوع پر مستقل رسالہ تالیف فرمایا اور انتہائی اختصار کے ساتھ اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو سمیٹ کر ارباب تحقیق کی نظر کر دیا۔ اس سے ایک طرف تو آپ کی علمی مہارت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور دوسری طرف اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو بڑی آسانی کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہے۔

ندائے غائبانہ میں مستقل رسالہ کی تصنیف میں سید گانگوی کی سبقت :

سید گانگوی نے اس اہم موضوع پر مستقل رسالہ تالیف کیا اور اس موضوع پر اس رسالہ کو باضابطہ اولین کاوش قرار دیا :

> ””گو اس مسئلہ کی تحقیق کما حقہ علماء کرام کثر اللہ تعالیٰ امثالھم نے اپنی تصنیفات میں بخوبی کر کے اس فریضہ سے سبکدوشی حاصل کر لی ہے۔ مگر چونکہ اس موضوع پر کوئی مستقل رسالہ جیسا کہ باقی مسائل متنازعہ فیہا میں تصنیف ہو چکے ہیں مرتب نہیں ہوا حالانکہ زمانہ حال کے ملاحدہ ملاعنہ نے تکفیر مسلمانانِ عالم کے لیے نداء غائبانہ کو نہایت زہریلا اور خطرناک حربہ قرار دے رکھا ہے جس پر انکے ناپاک مذہب کا دارو مدار ہے ازیں وجہ یہ رسالہ تحریر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔“(172)

ندائے غائبانہ کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے اور اس کے شرک نہ ہونے کی توضیح کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> الحاصل نداغائبانہ نہ شرک ہے اور نہ کفر کیونکہ شرک کا معنیٰ یہ ہے کہ کسی شخص کو الوہیت یعنی وجوب الوجود میں اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا جیسا کہ مجوس یا کسی شخص کو مستحق عبادت سمجھنا جیسا کہ بت پرست شرح عقائد نسفیہ میں ہے الاشراك هو اثبات الشريك فى الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الا صنام[173] اور ظاہر ہے کہ جو شخص حضور اکرم ﷺ کو بلفظ یارسول اللہ ﷺ یا اولیاء کرام کو خواہ بقید حیات ہوں یا مقبور نزدیک ہوں یا دور ان کا نام لے کر بحرف یا پکارتا ہے تو ان کو نہ واجب الوجود قرار دیتا ہے اور نہ ہی ان کو معبود بلکہ بغرض استمداد و استشفاع و توسل پکارا جاتا ہے۔ اور یہ بھی مستغنی عین البیان ہے کہ سائل مسؤل عنہ سے اسی چیز کا سوال کرتا ہے جو اس کے اختیار میں ہو اور مقربان الٰہی کے اختیار میں صرف توسل اور شفاعت ہے نہ انجاح مرام کیونکہ وہ قبضہ قدرت کاملہ میں ہے اس میں کسی نبی یا ولی وغیرھما کی کوئی شرکت نہیں ہے۔

باقی رہا اس ندا کو منادی تک پہنچانا اور اس کا سن لینا سو یہ نہ منادی کے اختیار میں ہے اور نہ ہی منادی کے اختیار میں بلکہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (174) جل وعلا شانہ کے قبضہ قدرت میں ہے قرآن شریف میں ہے إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ (175) بس اگر وہ نہ سنوائے تو نزدیک بیٹھا ہوا بھی نہیں سن سکتا اور اگر سنوادینا چاہے تو دور کو سنوادیتا ہے۔ ہاں البتہ ہوا متکفیہ بالصوت عادۃً اسی آواز کو سامع کے کانوں تک پہنچانے کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ لیکن قدرت اس عادت سے بالاتر ہے۔

اگر قدرت چاہے تو ہوا بھی بے کار ہو جاتی ہے اور اگر قدرت چاہے تو ہوا کی ضرورت کیا ہے نمونہ طور ہم اہلِ قبور کا زائرین کے سلام کو سننا اور جواب دینا جو صحیح احادیث سے ثابت ہے جہاں سینکڑوں من مٹی کے حائل ہوں پیش کرتے ہیں یہاں تو ہوا کا نفوذ بھی ناممکن لیکن سماع موجود۔ ثانیاً نداء غائبانہ کی ممانعت نہ قرآن شریف میں ہے اور نہ ہی کسی صحیح حدیث میں قرآن پاک سے ندائے حاضر و غائبانہ کے جواز کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ قرآن شریف میں نداء غائبانہ کی ممانعت تو کہیں آئی نہیں بلکہ دونوں قسم نداء یعنی حاضر و غائبانہ کے جواز کا ثبوت البتہ موجود۔ حاضرانہ مثلا وَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ (176) وغیر ذلک اور غائبانہ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالاً وَعَلَى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (177) ۔ ہاں دعا کا لفظ قرآن شریف میں متعدد مواقع پر بکثرت وارد ہے لیکن اس کے معانی بھی متعدد (۱) عبادت یعنی بندگی کرنا (۲) خواندن یعنی بلانا (۳) خواستن یعنی کسی سے کچھ مانگنا۔ جن جن مواقع میں یہ الفاظ وارد ہے وہاں ان تینوں معنوں میں سے جو معنیٰ سیاق و سباق کے مطابق ہو اور علماء تفسیر نے اس معنی کا تعیین کر دیا ہو وہی معنیٰ مراد ہو گا نہ یہ کہ ہر جگہ ایک معنیٰ لیا جائے جیسا کہ ملاحدہ کی چال ہے مثلاً آیت سورۃ جن وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ (178) یعنی یعبدہ و یقرء القران تفسیر خازن و مدارك التنزيل یہاں دعا بمعنی عبادت کے ہے اور سورۃ فاطر میں إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ (179) یہاں دعا بمعنیٰ پکارنے کے ہے بقرینہ لا یسمعوا کیونکہ سماع پکارنے پر دلالت کرتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس تمام قرآن شریف میں جس جگہ دعا کا لفظ ہے ان تینوں

معنوں میں ہے جو معنی مناسب سیاق کلام کے ہو وہی مراد ہو گا اب اس لفظ دعا کے استنا دلغیر اللہ میں تفضیل ہے یعنی دعا بمعنی عبادت لغیر اللہ قطعاً حرام بلکہ کفر و شرک اور دعا کے دوسروں معنوں یعنی بلانا اور مانگنا میں بھی تفصیل ہے یعنی اگر مدعو عند اللہ مذموم ہستی ہے جیسا کہ بت وآگ وپانی وغیرہ معبودان باطلہ تو ان کو نہ کسی حاجت براری کے لیے بلانا جائز ہے اور نہ ہی ان سے حاجت کا مانگنا بلکہ یہ بھی قطعاً حرام و کفر و شرک اور قرآن شریف میں جس قدر آیات غیر اللہ کو پکارنے یا دعا مانگنے کی ممانعت آتی ہے۔ ان تمام آیات کا محمل یہی معبودان باطلہ ہیں جیسا کہ تمام سیر معتبر وھم عن دعاۓھم غافلون میں ھم کا مرجع اصنام بتاتے ہیں۔ اور اگر مدعو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و محترم ہستی ہے مثلاً انبیاء، شہدا و اولیا تو اس میں بھی تفصیل ہے اگر ان حضرات کو مستقل متصرف الامور قرار دے کر دور یا نزدیک سے پکارے یا اسی نیت سے ادنیٰ حاجت براری طلب کرے تو بھی شرک ہے کیونکہ فعال مطلق ذات پاک الٰہی جل جلالہ ہے اس میں کسی کی شرکت نہیں۔ اور اگر ان حضرات کو اپنی حاجت براری کے لیے جناب الہیٰ میں وسیلہ قرار دے کر جناب میں خود عرض کرے ان سے جناب باری عزاسمہ کے دربار میں انجاح مرام کے لیے عرض کی درخواست کرے خواہ حاضرانہ ہو یا غائبانہ بہر کیف جائز و مشروع نہ اسمیں شرک ہے اور نہ کفر جیسا کہ آیت شریفہ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذ ظَّلَمُوٓاْ أَنفُسَهُمْ جَآؤُوكَ فَاسْتَغْفَرُواْ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُواْ اللّٰهَ تَوَّاباً رَّحِيماً (180) اس بارہ میں نص صریح ہے اور احادیث صحیحہ اس کی تائید میں متفق و منطبق ہیں۔ غرض جہاں نداء یا دعا نہ جائز ہے تو وہاں مطلقاً ناجائز ہے خواہ حاضرانہ ہو یا غائبانہ اور جہاں جائز ہے وہاں بھی الاطلاق جائز حاضرانہ غائبانہ کا کوئی

فرق نہیں۔

مسئلہ حاضر وناظر سے مبحث ندائے غائبانہ کا ربط:

سید گانگوی مخالفین کی یہ دلیل کہ "ندائے غائبانہ سے منادیٰ کے لئے حاضر ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے اور حاضر وناظر کو غیر خدا کے لئے ثابت کرنا کفر وشرک ہے۔" کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "نداء غائبانہ کے کفر وشرک ہونے کے لیے بڑی سے بڑی دلیل یہ ہے کہ غائبانہ کرنے سے منادیٰ کو حاضر وناظر قرار دیا جاتا ہے اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا منجملہ صفات مختصہ باری تعالیٰ کے ہے جب غیر کے لیے ثابت کیا گیا تو صریح شرک وکفر ہوگا اس کے جواب میں ہم لکھتے ہیں کہ اسماء الٰہی جس طرح توقیفیہ ہیں اس طرح صفات باری تعالیٰ مختصہ بھی توقیفیہ ہیں اور حاضر وناظر نہ اسماء حسنیٰ میں داخل ہیں اور نہ صفات مختصہ میں صفات مختصہ کہنا دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ اسی وجہ سے بعض فقہاء جناب باری تعالیٰ کو یا حاضر یا ناظر کہنا کفر کہتے ہیں جیسا کہ دار لمختار میں موجود ہے اور شامی نے بعیدہ تاویلیں کر کے اس کفر کو ہٹایا مگر کفر کے ہٹ جانے سے اصل معاملہ کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب تک دلیل مستقل نہ پائی جائے۔ واین الدلیل توجب اتصاف ذات باری جل ذکرہ بوصف حاضر وناظر غیر متحقق ہے تو ان کو صفات مختصہ سے شمار کر کے غیر کے لیے ثابت کرنے سے شرک وکفر کا حکم جڑ دینا بناالفاسد علی الفاسد ہے"(181)

اور فی الحقیقت بات یہ ہے کہ یہ حاضر ناظر یا کلی وجزوی وغیرہ منجملہ ان الفاظ

کے ہیں جنہیں مخالفین نے مسلمانانِ عالم کو دھکیل کر کفر کے گڑھے میں ڈالنے کے لئے تراش کئے ہیں ورنہ جو مسلمان خاص ہو یا عام جب ہی اپنی کسی درد کی پکار حضور پاک ﷺ یا اولیاء کرام کی جناب میں بلفظ یارسول اللہ یا ولی اللہ عرض کرتے رہے تو اسوقت حاضر و ناظر کا خیال بھی اس کے ذہن میں نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو جناب الہیٰ جل جلالہ کی عنایات پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے کہ یہ دردمندانہ پکار ان حضرات کی خدمت میں ضرور پہنچ جائے گی اور فی الواقع اس میں وہ لوگ حق بجانب بھی ہیں۔

سید گانگوی نقد کرتے ہوئے اور ندائے غائبانہ اور حاضر و ناظر کے شرک و بدعت نہ ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "منجملہ ان کے نداء غائبانہ سے حاضر و ناظر گھڑ لیا اور پھر حاضر و ناظر کو مختص بذاتِ الہیٰ قرار دے کر ایسے منادی کو کفر و شرک کے رسا سے باندھ لیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ملک الموت یعنی عزرائیل علیہ السلام جس کی نسبت قرآن شریف سورۃ سجدہ میں ارشاد ہے قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ (182) کو یہ بدمذہب فرقہ اپنا خدا کیوں نہیں مانتے حالانکہ تمام تفاسیر اس امر پر منطبق ہیں کہ تمام ذی روح کے ارواح کو وہی قبض کرتا ہے اور جمیع اکناف عالم پر اس کی ہر وقت نظر رہتی ہے مشرق سے مغرب تک جنوب سے شمال تک ایک آن میں مختلف مقامات پر پہنچ کر بلا تاخیر اجل مقررہ پورا ہونے سے فوراً روح خود قبض کرتا ہے اور پھر اعوان کے حوالے کر دیتا ہے تمام دنیا اس کی نظر میں ہتھیلی کی طرح ہے۔"(183)

(6)عقیدہ حیات الانبیاء والاولیاء:

سید احمد الدین گانگوی کا موقف یہ ہے کہ حضور کریم ﷺ و دیگر انبیاء کرام کی حیات حقیقی حسی اکمل از حیات دنیاوی ہے اور اولیاء کرام وشہداء کی حیات بھی مگر ان سے رتبۃً کم۔ جب آپ کا دنیا سے انتقال ہوا تو بلاشبہ اسے موت کہہ سکتے ہیں مگر یہ موت مستمر نہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم مبارک میں روح کا اعادہ فرمایا۔ یہ حیات ثانیہ وحیات اخرویہ ہے۔ سید احمد الدین گانگوی حیات الانبیاء والاولیاء میں اپنا موقف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بتامھم اپنے مقابر میں حی و قائم ہیں اور دائمی زندگانی سے زندہ ہیں نماز پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، حضرت شیخ محدث محقق حنفی عبد الحق دہلوی نے مدارج النبوۃ میں لکھاہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات تمام علماء امت کی متفق علیہ ہے کسی کو بھی اس میں خلاف نہیں اور اس میں بھی اتفاق ہے کہ شہدء کی حیاۃ سے انکی حیاۃ کامل تر اور قوی زیادہ ہے کیونکہ شہدا کی حیات معنوی اخروی عند اللہ اور انبیاء کی حیات حسی دنیاوی ہے۔"[184]

آپ مزید لکھتے ہیں کہ ہر مرنے والے کو قبر میں علم و سمع اور ادراک حاصل ہوتا ہے اور یہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ معتزلہ اس کے قائل نہیں۔ اہل قبور کو علم و سمع وادراک زائد از حالت حیات حاصل ہونے کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اہل سنت والجماعت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جملہ اموات کو عموماً وخصوصاً علم و سمع وادراک باقی رہتاہے لیکن معتزلہ اس میں برخلاف

ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میت عام ازینکہ نبی ہو یا ولی، عام ہو یا خاص، نہ اسکو سمع اور نہ ادراک نہ علم، اور وہابی بھی چونکہ اہل سنت کی مخالفت میں ہر وقت کمر بستہ ہیں، اس مسئلہ میں معتزلہ کی تقلید میں سر نگوں ہیں۔"(185)

قواعد اسلام سے ظاہر یہ بات ہے کہ نفس کو بدن کی مفارقت کے بعد نئے ادراکات جزئیۃ ہوتے ہیں اور زندوں کے بعض حالات پر اطلاع خصوصاً جن کے درمیان دنیا میں تعارف تھا، اس وجہ سے زیارت قبور سے زندوں کو نفع پہنچاتا ہے نیکی کے ملنے اور برائی کے دفع کرنے میں کیونکہ نفس ناطقہ کو بدن کے ساتھ بھی تعلق اور قبر کیساتھ بھی جب زندہ قبر کی زیارت کرتا ہے اور قبر نفس میت کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو ان دونوں نفسوں کے درمیان ملاقات اور نسبت حاصل ہو جاتی ہے۔

عوام بھی مر کر پتھر نہیں ہو جاتے جس سے حس و شعور بالکل جاتا رہے یا روح عرض نہیں ہے کہ جب اس کا تعلق جسم سے نہ رہے فنا ہو جائے جیسے پانی کو گرم کرنے سے اس کی سردی جاتی رہتی ہے یا گرم پانی کو جھلنے سے اس کی گرمی جاتی رہتی ہے بلکہ روح جوہر ہے جب اس کا تعلق جسم سے جاتا رہے تاہم موجود اور اپنے کام میں مصروف رہتا ہے۔

حاضر و ناظر:

سید احمد الدین گانگوی حاضر و ناظر کے متعلق اپنا مؤقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضور کریم ﷺ و دیگر انبیاء کرام علیہم السلام یا اولیاء عظام کو حاضر و ناظر جاننے کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) یہ کہ جس طرح ذات الٰہی ہر آن وہر مکان میں بالاستقلال حاضر ہے اگر ایسی حاضری کسی نبی یا ولی کے حق میں اعتقاد کی جائے تو یہ بالکل صاف شرک ہے، کیونکہ حاضر وناظر ہونا بحالت کذائی خاصہ ذات الٰہی جل شانہ کے ہے (۲) یہ کہ آنحضور ﷺ دیگر انبیاء واولیاء کے حق میں یہ اعتقاد رکھے کہ حضرات بالاستقلال یعنی خود بخود تو ہر جگہ حاضر وناظر نہیں ہوسکتے مگر اللہ جل شانہ اگر ان کو اس منصب سے فائز فرمادے تو اس کی قدرت کاملہ وعنایت شاملہ سے بعید بھی نہیں۔ بلکہ یہ منصب باعطا الٰہی انکو حاصل ہے،نہ اس میں کوئی شرک اور نہ ہی مساوات کیونکہ یہاں خداوند تعالیٰ کی ذات پاک سے مقابلہ منظور نہیں ہوتا۔ بلکہ جناب کبریائی کی عظمت وقدرت کا موازنہ ہوتاہے۔ گوبظاہر اس میں عظمت ذات بابرکات انبیاء واولیاء ہے مگر درحقیقت یہ تمام رفعت شان خالق الانس والجان ہے، جس نے اپنے پیارے بندوں کو ایسے مواہب عالیہ سے سرفراز وممتاز فرمایا۔[186]

اورآپ کا ایک وقت میں امکنہ متعددہ حاضر ہونا بھی جائز بلکہ مشاہدہے اوراسکی تین صورتیں ہیں:

(۱) آپکی صورت مثالیہ مختلف مقامات پر تشریف لاکر ہر ایک جگہ میں پورے پورے تصرف اورفیوضات کے کرشمہ ظاہر فرمادیں!

(۲) صورت طی الارض یعنی آپ صرف ایک مقام میں تشریف رکھیں اور تمام زمین وآسمان کفدست کی طرح لپٹ کر سامنے

ہو جائے اور تمام حجابات رفع ہو جائیں۔ ہر جگہ میں آپ ایسے نظر آئیں جیسا کہ اس مجلس میں تمام جلیس نظر آرہے ہوں۔

(۳) آپ کا جسم مبارک ایسا عظیم و وسیع ہو جائے کہ ہر دیکھنے والا آپ کی زیارت سے بخوبی مشرف ہو سکے جیسا کہ ملک الموت اور ملائکۃ وغیرہ۔ اس میں نہ کوئی امتناع شرعی ہے اور نہ ہی تعذر و قوعی۔ اور بڑے بڑے علماء محققین وفضلاء مدققین اہل سنت والجماعت اس کے قائل ہیں۔[187]

اہل قبور سے استعانت، استغاثہ اور توسل:

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات احکم الحاکمین ہے۔ تمام تر حاکمیت اور کبریائی اسی کے لئے زیبا ہے۔ ایک تنہا اسی کی حکومت ہے جو کائنات کے ایک ایک ذرے پر جاری وساری ہے۔ وہی ایک ایسا ازلی وابدی آقا ہے۔ جس کا دربار تمام درباروں سے زیادہ پر وقار، بارعب اور جاہ و حشمت والا ہے۔ وہ ایسا رحیم و کریم ہے جس کے رحم و کرم کی بارش سے پرستاران معبودان باطل بھی محروم نہیں۔ ایسے حاکم مطلق ایسے لافانی اور ابدی آقا ایسے خدائے قہار وجبار کی بارگاہ میں باریابی کی سعادت کے لئے، عرض مدعا کے لئے، حاجات کی بر آری کے لئے ایک بندہ ناچیز، ایک عبد و خاطی، ایک غلام ناتواں، وسیلہ نہ تلاش کرے تو پھر چارہ کار ہی کیا ہے اور یہ تلاش وسیلہ تو خود اسی ذات وحدہ لاشریک لہ کے حکم کی عملی شکل ہے۔ اسی تعمیل حکم کا نام تو اطاعت خداوندی اور توحید پرستی ہے۔

رب تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں باریابی، عرض مدعا اور حوائج و مقاصد کے

حصول کی غرض سے اعمال انبیاء ومرسلین اور صالحین علیہم السلام کو وسیلہ بنانا عقلاً قیاساً تو ثابت ہے ہی، اس پر خلافت راشدہ سے لے کر اب تک صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ وفقہا علماء ومشائخ اور تمام خوش عقیدہ مسلمانوں کا عمل بھی رہا ہے تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ جب بھی مسلمانوں پر خشک سالی یا ایسی کوئی بھی آسمانی بلا نازل ہوئی ہے تو انہوں نے انبیاء ومرسلین وصالحین علیہم السلام کے وسیلہ سے دعائیں مانگی ہیں اور انہیں کامیابی ملی ہے۔

مگر اب ایک طبقہ مصر ہے کہ صرف اعمال صالحہ کو وسیلہ بنایا جائے۔ کسی نبی یا ولی کی ذات کا وسیلہ بنانا (نعوذ باللہ) شرک اور بنانے والا مشرک ہے۔ سید احمد الدین گانگوی کا موقف یہ ہے کہ حضور کریم ﷺ و دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام واولیاء عظام کو حیات دوامی جسمانی یا روحانی حاصل ہے اور انتقال سے ادراک اور علم بڑھ جاتے ہیں اور سمع وبصر وغیرہ قویٰ بہ نسبت سابق کے قوی ہو جاتے ہیں لہٰذا صلحاء سے چاہے صحابہ وتابعین وتبع تابعین ہوں یا دوسرے اولیاء علماء وزہاد وشہداء توسل واستغاثہ جائز ہے، جس طرح آنحضرت ﷺ و دیگر انبیاء کرام سے متوارث ہے۔

آپ توسل، استغاثہ، استمداد کو مرادف المعنیٰ ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جاننا چاہیے کہ توسل واستعانت اور استمداد واستغاثہ واستشفاع یہ سب کے الفاظ اگرچہ مادۃً مختلف ہیں اور ان کے معانی میں بھی اختلاف نظر آتا ہے مگر سب کا مصداق و مآل واحد ہے اور اس مدلول کا انحصار کچھ انہیں چند الفاظ میں نہیں ہے بلکہ ہر زبان میں اس مفہوم کیلئے الفاظ معین ہیں اور مدلول ان کا یہ ہے کہ حضور کریم ﷺ یا دیگر انبیاء کرام

یا اولیاء عظام سے اپنے مطلب براری کی درخواست کی جائے اور اس کی تین صورتیں ہیں اور ہر ایک صورت شرعاً و عرفاً جائز و مستحسن قرار دی گئی ہیں، سواء ان کے کوئی صورت جواز کی نہیں۔"(188)

توسل کی تینوں صورتوں کو بیان کرتے ہیں اور ہر ایک کو دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ آپ کے نزدیک توسل و استغاثہ کی پہلی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے انبیاء، اولیاء کی عزت و حرمت اور جاہ و برکت کے وسیلہ سے دعا کی جائے۔ اس صورت کو عقلی دلائل سے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پہلی صورت یہ ہے کہ مستدعی اس طرح کہے یا اللہ بحرمت یا عزت یا جاہ و برکت حضور سرور عالم ﷺ یا دیگر انبیاء یا اولیاء عظام کے میری فلاں حاجت روا کر دے، اس صورت کے جواز میں بالکل کوئی شک وشبہ نہیں خواہ وہ حاجت مقدور بشر ہو یا نہ ہو۔ یہ صورت متعارف ہے۔ بڑے لوگوں کے سامنے جب ان سے کسی معزز کی جاہ و برکت سے اپنی حاجت روائی چاہتے ہیں تو خواہ مخواہ انکی حاجت روائی کی جاتی ہے جب کسی رئیس جواد کے سامنے اس کے معزز عہدہ دار کا نام لیا جاتا ہے تو خواہ مخواہ اسکا طبعی میلان بڑھتا ہے، اس قسم کے توسل کا جس طرح دنیا میں سکہ رائج ہے اسی طرح شاہنشاہ حقیقی کی عالی بارگاہ میں۔ اس میں جہاں تک ہم نے غور کیا کسی قسم کی برائی نہیں پائی گئی بے شک انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و اولیاء اللہ رضی اللہ عنہم خدا تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں جن کا توسل دریاء رحمت ایزدی کو جوش میں لاتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جب اس طور پر توسل کیا جائے وسیلہ اس پر مطلع

ہو کر جناب ایزدی میں اس انجام مرام کی سفارش فرمادے!"[189]

آپ کے نزدیک صورت ثانی یہ ہے کہ انبیاء اور اولیاء سے سفارش کی استدعا کی جائے۔ توسل و استغاثہ کی اس صورت کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دوسری صورت یہ ہے کہ انبیاء اللہ واولیاء اللہ سے سفارش کی درخواست کی جائے جیسے عالم اسباب میں سلاطین کی طرف سے وزراء واہل خدمات جلیلہ کی تعیناتی اس لئے ہوا کرتی ہے کہ یہ لوگ قواعد وضوابط سلطانی کو عام رعایا تک پہنچائیں تا کہ رعایا قوانین کو سمجھ کے بادشاہ کے احکام کی پوری تعمیل کریں اگر وزراء کا توسط نہ ہوتا تو سخت دقت ہوتی اس لئے کہ عام رعایا کو نہ ایسی رسائی ہوتی ہے جس سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے قوانین کا استفسار واستفہام کریں اور نہ ایسی سمجھ کہ بطور خود ایسے قوانین کا استخراج کریں کہ قواعد سرکاری میں اور اس میں سر موفرق نہ ہو۔ اب جس طرح ہم کو قوانین حاصل کرنے یا سمجھنے میں وزراء واہل خدمات کے توسط کی ضرورت ہے اسی طرح جب کسی بادشاہ ذی جاہ سے ملنا یا کسی مطلب کا حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے تو پہلے اس کے وزیر یا کسی امیر باتوقیر سے ملکر عرض کرتے ہیں کہ مجھے بادشاہ کی خدمت میں تقرب حاصل کرنا ہے یا مجھے منصب یا جاگیر کی خواہش ہے یا فلاں قصور جو مجھ سے سرزد ہوا ہے اور بادشاد کا مجھ پر عتاب ہے یا اس کے عتاب کا خوف ہے اس لئے چاہتا ہوں کہ آپ مجھے بادشاہ تک پہنچادیں یا عرض معروض کر کے منصب وجاگیر دلوادیں یا قصور معاف کرادیں تو عموماً وزیر وامیر اس حاجت روائی کو ذریعہ ثواب وعزت سمجھتے ہیں اور موقع پا کر بادشاہ کی خدمت میں عرض کر دیتے ہیں بادشاہ خواہ مخواہ لحاظ فرماتا ہے۔

اس غریب کا مطلب بر آتا ہے۔ جن لوگوں کو اہل دنیا سے سابقہ پڑا ہے یاان کے حالات سے بخوبی واقف ہیں وہ اچھی طرح اس امر کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ کسی بادشاہ یا کسی رئیس تک پہنچنا یا اپنی حاجت کا پیش کرنا یا کسی مطلب کا حاصل کرنا عام ازینکہ جلب نفع کیلیئے ہو یا دفع ضرر کے واسطے بدون توسط کسی وزیر یا امیر کے نہیں ہو سکتا بلکہ وسائط کی ضرورت ہوتی ہے، نبوت ورسالت بھی اسی اصول پر مبنی ہے انبیاء ورسل صلواۃ اللہ علیہم اجمعین اس لئے مبعوث ہوئے کہ احکام الٰہی کو مکلفین تک پہنچائیں اگر مکلفین کی عقل تفاصیل احوال جنت ونار وطرق وصول واحتراز کو مستقل طور پر سمجھ سکتے یا اوامر و نواہی کا استخراج کر سکتے تو رسالت کی کیا حاجت تھی، ہر ہر شخص اپنی عقل کے زور سے احکام الٰہی کا پابند ہوتا ایسی صورت میں یہ بھی ضرور ہتا کہ انسان عموماً عقول میں متساویۃالاقدام ہوں تاکہ جمیع عقول امر و نہی حلت وحرمت ہر ہر اشیاء میں متفق ہوں، اگر آپس میں اختلاف ہوتا تو ایک عقل ایک چیز کو فرض کہتی دوسری واجب تیسری حرام چوتھی مندوب پانچویں مباح یا ایک عقل ایک شیئ کو حلال کہتی دوسری حرام تو معاذ اللہ کس قدر ہر بونگ مچ جاتا۔

الغرض جس طرح ہم تمام احکام میں نبی ﷺ کے محتاج ہیں انکے توسط کے بغیر ہم تک احکام الٰہی نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہم احکام کو سمجھ کر اس کی تعمیل کر سکتے۔ مثلاً اگر ہم کو صوم وصلوٰۃ حج وزکوٰۃ کے معنی مشکوٰۃ نبوت سے نہ بتائے جاتے تو کیا ہماری عقل اس امر پر قادر تھی کہ وہ سمجھتی یا خود اپنی طرف سے ٹھیک تعمیل کراتی، ہرگز نہیں۔ اسی طرح ہم کو اپنی حاجات میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام واولیاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے توسط کی نہایت ضرورت پڑتی ہے تاکہ انکی ارواح مقدسہ جناب باری تعالیٰ میں ہماری

نجات کیلئے دعا و شفاعت چاہیں۔ اس توسط سے یہ حضرات حاجت روا بالاستقلال خیال نہیں کئے جاتے بلکہ مظہر عون الٰہی سمجھے جاتے ہیں۔ اور یہ امر مقتضاء قانون تصور کیا جاتا ہے۔ (190)

آپ کے نزدیک تیسری صورت یہ ہے کہ مطلوب براہ راست انبیاء اور اولیاء سے طلب کیا جائے۔ اسے بھی آپ جائز قرار دیتے ہیں۔

> ''تیسری صورت انبیاء اللہ و اولیاء اللہ سے مقصود طلب کیا جائے اگر مسؤل مسؤل عنہ کا اختیاری ہے تو اس قسم کا توسل خاصتہً آنحضرت ﷺ سے بلا خلاف جائز ہے۔'' (191)

خلاصہ:

سید احمد الدین گانگوی افتراق بین المسلمین کے سخت ناقد تھے اور اتفاق و اتحاد کی ہمیشہ ترغیب دیتے رہے۔ فرقہ بندی کی مذمت میں آپ نے اپنے مختلف رسائل اور کتب میں دلائل دیئے۔ قرآن کریم سے اتفاق کی ترغیب اور افتراق کی مذمت کو ثابت کرنے کے بعد اسلام کا حقیقی مصداق اہل سنت کو قرار دیا۔ آپ جہاں قرآن و حدیث سے فرقہ بندی کی مذمت کو ثابت کرتے ہیں وہیں ظہور پذیر ہونے والے تمام فرقوں کو باطل قرار دیتے ہوئے محض اہل سنت ہی کو ما انا علیہ واصحابی کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ آپ کا موقف یہ ہے کہ اخلاق و عقائد اور صدیوں سے قائم اعتدالی روایت کی بنیاد پر اہل سنت ہی مسلک حقہ اور مسلک صحابہ و اہل بیت و صالحین ہے۔

اہل سنت کا یہ امتیاز ہے کہ وہ تکفیر، تشریک، تفسیق اور تلعین کے معاملہ

میں راہ اعتدال کو اور مسلک صحابہ کو کسی صورت نہیں چھوڑتے اور یہی وہ خصوصیت ہے جو بحیثیت جماعت، اہل سنت کو دیگر فِرق سے جدا گانہ تشخص عطا کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو گی یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ امت کی اکثریت گمراہ ہو جائے۔ لہٰذا وہی گروہ اور جماعت حق پر قرار دی جائے گی جس کے افراد کی اکثریت ہو۔

سید احمد الدین گانگوی تکفیر المسلمین کے معاملہ میں انتہائی محتاط تھے آپ نے اپنے زیادہ تر فتاویٰ میں اور رسائل میں اس احتیاط کو اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ آپ کے بقول وہ لوگ جو بات بات پر کفر و شرک کے فتاویٰ دیتے پھرتے ہیں وہ حقیقتاً دائرہ اسلام کو تنگ کرنے کا سبب بنتے ہیں اور دائرہ کفر کو وسیع کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

سید احمد الدین گانگوی کا موقف ہے کہ ثبوت کفر کے لیے صریح اور واضح نص کا ہونا ضروری ہے۔ کفر بڑی سے بڑی سزا ہے۔اس کے ثبوت کے لئے نص کی صراحت ضروری ہے کسی نص کی تاویل کر کے اس سے تکفیر المسلمین کو ثابت کرنا قطعاً ممنوع ہے۔البتہ تکفیر کے ہٹانے کے لئے اگر کوئی تاویل بن سکے تو اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔

فصل سوم

چکڑالوی مذہب اور تحریک خاکسار: علماء میانوالی اور خصوصاً سید احمد الدین گانگوی کے افکار کے تناظر میں تحقیقی جائزہ

اسلامی تاریخ میں عقلیت پسندی کا آغاز معتزلہ کی تحریک سے ہوا۔ اسی لیے معتزلہ کی اس تحریک کو مسلمانوں کے فکری ارتقاء میں عقلیت کی تحریک کہا جاتا ہے۔ برصغیر میں عقلیت پسندی کی ابتداء سر سید احمد خان نے کی۔ ان کے پیش نظر ایک اہم مقصد یہ تھا کہ مذہب کو فلسفے اور سائنس کے قریب لایا جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ مذہب عقل کے خلاف نہیں۔ انہوں نے قرآن کی تفسیر، عقلی دلائل سے کی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام ہر طرح سے دین فطرت ہے۔ سر سید کے بعد بہت عقلیت پسند مفسرین نے ان کی پیروی کرتے ہوئے، انہی اصولوں پر قرآن حکیم کی تفسیریں لکھیں، جو سر سید نے اختیار کئے تھے۔ سر سید نے جب اپنے افکار کا اظہار شروع کیا تو برصغیر میں ہر طرف سے ان پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی گئی۔ بہت سے علماء نے ان سے اختلاف کیا۔

ہندوستان میں حدیث کی حجیت کو تسلیم نہ کرنے والوں کا تعارف کرواتے ہوئے مولانا ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں۔

> ”ہندوستان میں سب سے پہلے سرسید احمد خان علی گڑھ نے حدیث کی حجیت سے انکار کی آواز اٹھائی۔ ان کے بعد پنجاب میں مولوی عبد اللہ چکڑالوی مقیم لاہور نے ان کا تتبع کیا۔ بلکہ سرسید مرحوم سے ایک قدم آگے بڑھے کیونکہ سرسید حدیث کی شرعی حجیت نہ جانتے تھے، لیکن عزت و احترام کرتے تھے۔ واقعات نبویہ کا صحیح ثبوت کتب احادیث سے دیتے تھے، برخلاف ان کے مولوی عبد اللہ چکڑالوی حدیث نبوی کو لہو الحدیث سے موسوم کیا کرتے تھے“۔ (192)

برصغیر میں جدید معتزلہ اور مولانا عبد اللہ چکڑالوی کے افکار و نظریات

برصغیر میں جدید معتزلہ کا ظہور:

برصغیر میں جدید معتزلہ کا ظہور انحرافی تحریک کی ایک کڑی تھی۔ جدید معتزلہ کے افکار و نظریات کی بنیاد انکار سنت و حدیث پر تھی۔ اس تحریک کے اولین بانی سرسید احمد خان تھے اور بانی ثانی شیخ عبد اللہ چکڑالوی تھے جنہوں نے حجیت سنت کا مکمل انکار کرتے ہوئے فرقہ اہل قرآن کی بنیاد ڈالی۔ انکار سنت و حدیث کرنے والے جدید مفکرین اور نام نہاد اہل علم کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر اکرم ورک لکھتے ہیں۔

> ”سرسید احمد خان جنہیں اس اعتزالی فکر جدید کا بانی تصور کیا جاتا ہے ان سے علما کے اختلاف کا بنیادی سبب ان کے یہی افکار و نظریات و عقائد تھے جن سے ایک نئے انحرافی فرقے کا ظہور ہوا“۔ (193)

خوشتر نورانی، سر سید احمد خان کے چیدہ چیدہ افکار و عقائد کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سر سید کے مذہبی عقائد و افکار:

اس بحث کو سمجھنے کے لئے سر سید کے مذہبی عقائد وافکار کو جاننا ضروری ہے جس سے مسئلے کی سنگینی اور علما کے مخالفانہ رویے کی صحت اور جواز کا اندازہ ہو سکے گا۔ سر سید کے چند مذہبی عقائد بطور مشتے نمونہ خروارے حسب ذیل ہیں۔

(1) ملائکہ اور فرشتوں کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے(2) نبی پر متعارف فرشتوں کے ذریعے وحی نہیں ہوتی، بلکہ خارجی طور پر وحی کا سرے سے کوئی وجود نہیں(3) معراج اور شق صدر کے واقعات رویا کا فعل ہے(4) قرآن میں جن یا اجنہ کے الفاظ آئے ہیں، ان سے مراد پہاڑی اور صحرائی لوگ ہیں نہ کہ وہ وہمی مخلوق جو بھوت اور دیو وغیرہ کے الفاظ سے مفہوم ہوتی ہے(5) جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر (کعبہ) میں ایک ایسی متعدی برکت ہے، جہاں سات مرتبہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے، یہ ان کی خام خیالی ہے، کوئی چیز سوائے خدا کے مقدس نہیں ہے(6) منخنقہ اہل کتاب، یعنی ایسے پرندے یا جانور جسے اہل کتاب نے گلا گھونٹ کر مارا ہو، اس کا کھانا مسلمانوں کو جائز ہے(7) حساب کتاب، میزان اور جنت ودوزخ کا کوئی خارجی وجود نہیں، ان سے متعلق قرآن میں جو ارشادات ہیں وہ بطریق مجاز، استعارہ اور تمثیل

کے ہیں(8) قرآن مجید کی کسی آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے یا آسمان پر اٹھالئے گئے(9) اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا کوئی خارق عادت نشان دکھاہی نہیں سکتا کیونکہ اگر ایسا ہوا تو اس کی عظمت و قدرت و صنعت کو بٹا لگے گا۔ سرسید کے یہ تمام عقائد ان کی تفسیر القرآن سے ماخوذ ہیں۔[194]

سرسید سے علما کے اختلاف کی بنیادی وجہ:

مذہب کے تعلق سے سرسید کا یہی رویہ اور مذکورہ عقائد وافکار ملک گیر سطح پر بحث کا موضوع بن گئے۔ حالانکہ مسلمانوں کی عمومی ترقی کے لئے سرسید کی جدوجہد، جفاکشی اور جنون کو دیکھ کر ان کی نیت اور خلوص پر شک نہیں ہوتا، تاہم محض خلوص نیت کی وجہ سے اسلام کے موروثی ڈھانچے کے انہدام کا تماشا بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔ عرب و عجم کے علمانے اسی خیال کے پیش نظر سرسید کے مذہبی تفردات کیخلاف سخت تشویش کا مظاہرہ کیا، مضامین ورسائل لکھے، فتاویٰ صادر کئے اور ان میں ان کی تردید وتکفیر بھی کی، کیونکہ سرسید کے مذہبی افکار کے اثرات سے امت کا ایک بڑا طبقہ اسلام کے اصولی عقائد میں جمہور کی روش سے ہٹ رہا تھا اور ضروریات دین کا منکر ہو رہا تھا۔ یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ سرسید سے علما کا اختلاف خالص مذہبی بنیاد پر تھا۔ یہ بات درست نہیں ہے کہ انگریزی تعلیم اور جدید علوم کی اشاعت کی وجہ سے علما سرسید کی مخالفت کررہے تھے۔ شیخ محمد اکرام نے اس نکتے کی یوں وضاحت کی ہے۔

”اس بارے میں سب سے بڑی یہ غلط فہمی بہت عام ہے کہ علمانے

سر سید کی مخالفت اس وجہ سے کی کہ وہ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم رائج کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے سر سید کے موافق اور مخالف تحریروں کا مطالعہ کیا ہے۔ ہماری رائے میں یہ خیال غلط ہے اور علما اور اسلام کے ساتھ صریح بے انصافی ہے"۔[195]

سر سید کی حیات اور تحریک کے نامور محقق ضیاء الدین لاہوری نے اسی خیال کا اظہار کیا ہے۔ بعض علما انگریزی پڑھنا کفر جانتے تھے، جبکہ سر سید انگریزی تعلیم کے زبردست حامی تھے، اس لئے انہوں (علما) نے سر سید کیخلاف فتوے جاری کئے۔[196]

اس کے ساتھ یہ بات بھی صحیح ہے کہ سر سید کے مذہبی عقائد وافکار کی وجہ سے ان کی ذات کے ساتھ ان کی تحریک کی مخالفت بھی کی گئی۔ لیکن اس کی بنیاد بھی سر سید کے مذہبی عقائد ہی تھے۔ علما محسوس کرتے تھے کہ جس شخص کے عقائد و افکار ایسے ہوں، اگر وہ ایک بڑا تعلیمی مرکز قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو لا محالہ وہاں انہی عقائد و افکار کی تعلیم و اشاعت ہو گی۔ انسانی فطرت اور مزاج کو دیکھیں تو علما کے اس احساس اور خدشے کو غلط نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیونکہ عموماً جس فکر و نظر کا انسان حامل ہوتا ہے، اسی کی تبلیغ و اشاعت بھی کرتا ہے۔ تاہم مدرستہ العلوم اور ایم اے او کالج کی حد تک ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ شیخ محمد اکرام اس حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

"علی گڑھ کالج کے متعلق سخت سے سخت مضامین اور درشت سے درشت فتاویٰ میں یہ نہیں لکھا کہ انگریزی پڑھنا کفر ہے بلکہ یہی درج ہے کہ جس شخص کے عقائد سر سید جیسے ہوں وہ مسلمان نہیں اور جو مدرسہ ایسا شخص قائم کرنا چاہتا ہے اس کی اعانت جائز نہیں۔ شروع شروع میں لوگوں کا خیال تھا کہ سر سید اپنے مدرسے میں ان عقائد کی

تبلیغ کریں گے۔ جن کا اظہار وہ اپنے رسائل و کتب میں کر رہے تھے۔
سر سید نے ایسا نہیں کیا"۔[197]

سر سید احمد خان اپنے عقائد و نظریات میں کس قدر متشدد اور سنگین واقع ہوئے اس کا اندازہ علامہ غلام رسول سعیدی کی حسب ذیل تحریر سے لگایا جاسکتا ہے ۔

"مذکورہ الصدر سطور میں یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ سر سید احمد خان حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کو بے باپ کا بیٹا نہیں مانتا تھا۔ بلکہ وہ ان کو یوسف کا بیٹا مانتا تھا اور ان کی موت کا قائل تھا اور ان کو زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کا منکر تھا اور یہ تاویل کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے فرمایا کہ میں تمہارا مرتبہ بلند کروں گا، سویہی عقائد مرزا غلام احمد قادیانی (م 1908ء) نے اختیار کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا مذہب دراصل سر سید احمد خان کے افکار کا چربہ ہے کیونکہ سر سید احمد خان 1898ء میں فوت ہوا ہے اور اس کے دس سال بعد مرزا غلام احمد قادیانی فوت ہوا، لہٰذا مرزا غلام احمد قادیانی کا مذہب دراصل سر سید احمد خان کے نظریات کی فرع ہے"۔[198]

عبد اللہ چکڑالوی کے افکار و نظریات:

منکرین حدیث میں ایک نام عبد اللہ چکڑالوی کا بھی ہے بر صغیر میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے لئے اہل حدیث کے مقابلے میں اہل قرآن کی اصطلاح استعمال کی ان کے والد قاضی نور عالم اہل حدیث مکتب فکر کے مشہور عالم تھے علاقہ کے قاضی، مفتی، امام اور خطیب تھے 1865ء میں عبد اللہ دہلی چلے گئے، جہاں ڈپٹی نذیر احمد کی شاگردی اختیار کی اور وہیں سر سید کے افکار و نظریات کا مطالعہ کیا اور ان

سے اس قدر متاثر ہوئے کہ مسلک اہل حدیث ترک کر دیا اور اہل قرآن کی اصطلاح اپنے لئے اختیار کی اور نام تبدیل کر کے غلام نبی سے عبد اللہ چکڑالوی بن گئے۔[199]

عبد اللہ چکڑالوی کی تالیفات:

☆ برہان الفرقان علی صلاۃ القرآن ☆ترجمۃ القرآن بآیات الفرقان ☆رسالہ بیاج خوری ☆صلوٰۃ القرآن ☆اشاعت القرآن بجواب اشاعۃ السنۃ ☆زکوٰۃ صدقات کما جاء فی آیات بینات ☆روح الانسان کما بین القرآن ☆حالات عیسی رسول ربانی وتردید اوھام قادیانی۔[200]

ترجمہ القرآن بآیات الفرقان:

یہ تفسیر پہلی بار 1906ء میں اشاعت القرآن لاہور نے شائع کی تھی اور اس کے بعد 2007ء میں سرسید ریسرچ اکیڈمی نے اسے دوسری بار شائع کیا۔زیادہ تر یہ ایک مختصر حواشی کی صورت میں ہے۔[201]

عبد اللہ چکڑالوی نے جمہور سے اختلاف کیا ہے۔

خاص ان مقامات پر تفصیل سے کام لیا گیا ہے جہاں چکڑالوی اپنے فکر سے گفتگو کرتے ہیں، عبد اللہ چکڑالوی کا کہنا ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم کا ترجمہ اسی اشد ضرورت کے تحت کیا ہے ایسا ترجمہ کیا جائے جس سے کلام الٰہی کا منشاء پورا ہو اور غیر کے کلام و خیالات کا اس میں دخل نہ ہو، غیر کے کلام سے اس کا مراد احادیث نبویہ ﷺ ہے اس کے نزدیک سارا ذخیرہ حدیث یہودی روایات پر مبنی ہے اور سنت وحدیث سے قرآن کی تفسیر کرنا جو کہ تفسیر کا دوسرا بڑا مصدر ہے، غیر کے کلام و خیالات کو قرآن میں داخل کرنا ہے۔

عبد اللہ چکڑالوی کے تفردات:

مولانا چکڑالوی کے تسامحات اور تفردات سے ان کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یہاں چند ایک تفردات اور نظریات زیر بحث لائے جاتے ہیں۔ چکڑالوی نے اپنے اصول تفسیر بیان کئے ہیں جو 28 نکات پر مشتمل ہیں۔[202]

چکڑالوی شان نزول کے متعلق کہتا ہے کہ کوئی خاص واقعہ کسی آیت کا شان نزول نہیں ہے، جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے۔[203]

عبد اللہ چکڑالوی ذخیرہ حدیث کو ناقابل اعتماد سمجھ کر رد کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے حدیث سے استدلال کو کتاب اللہ کے ساتھ شرک کہتے ہیں۔

اس کی وضاحت میں وہ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام سوائے کتاب اللہ کے کسی غیر اللہ کی حدیث پر چلتے تو مشرک ہو جاتے، اس جگہ شرک سے مراد خاص کتاب اللہ کے ساتھ ہی شرک کرنا مراد ہے۔[204]

پس کتاب اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح کتاب اللہ کے احکامات کو مانا جاتا ہے اسی طرح کسی اور کتاب یا شخص کے قول یا فعل کو دین اسلام میں مانا جائے، خواہ وہ جملہ رسل و انبیاء کا قول یا فعل بھی کیوں نہ اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ واضح رہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اپنے ذاتی اجتہاد، افعال و اقوال کے اتباع کا خدا نے حکم نہیں دیا، بلکہ جو آیات آپ ﷺ پر نازل ہوئیں ان ہی کے اتباع کا حکم ہے، اس میں آپ ﷺ کے اقوال و افعال کا کوئی تعلق نہیں ہے۔[205]

وہ نسخ سے مراد، قائمقام لیتے ہیں، اور اس کی وضاحت خود کرتے ہیں کہ اگر

کوئی شخص ایک حکم کا مکلف ہو اور پھر اس حکم کے بجائے دوسرے کا مکلف بنادیا جائے، تو دوسرا حکم پہلے کا قائم مقام ہو گا اور وہ یا تو پہلے کے مثل ہو گا، یا اس سے بہتر [206]

وہ اس کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"اگر کوئی شخص وضو کرنے کا مکلف تھا اور اسے بوجوہ، تیمم کا حکم دے دیا گیا تو یہ تیمم وضو کا ناسخ یعنی قائمقام ہو گا اور وضو کا مثل ہو گا اس سے بہتر نہیں اور جب وضو کا مکلف ہو جائے گا تو یہ وضو تیمم کا ناسخ ہو جائے گا اور اس سے بہتر ہو گا نہ کہ مثل"۔ [207]

معتزلہ کی طرح چکڑالوی معجزات کی تاویل کرتے ہیں۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 60 کا ترجمہ وہ یوں کرتے ہیں۔

"جب موسیٰ نے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ اپنے گروہ کو لے کر چشموں والے پہاڑ کی طرف چلے جاؤ جب جا کر دیکھا تو اس پہاڑ سے بڑے بڑے چشمے بہہ رہے تھے"۔ [208]

ولادت ورفع عیسیٰ کے بارے میں چکڑالوی کے تفردات :

عبداللہ چکڑالوی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس پر دلیل دیتے ہوئے اسے فطرت کیخلاف نہیں سمجھتے، وہ کہتے ہیں کہ سورۃ آل عمران میں ہے۔ [209]

عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے مٹی سے ان کا قالب بنایا۔ اور پھر فرمایا کہ انسان ہو جا، تو وہ انسان ہو گئے، اس آیت

میں عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ کے پیدا ہونا، ممثل و مشبہ قرار دیا گیا ہے اور آدم علیہ السلام کا خالی مٹی سے پیدا ہونا، بغیر باپ اور ماں کے مشبہ بہ اور ممثل بہ ٹھہرا دیا گیا۔ بلاریب آدم علیہ السلام کا پیدا ہونا، بڑھ کے خارق عادت ہے، عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ ہونے سے، کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں والدہ کا نام ہونا موجود ہے، لیکن آدم علیہ السلام کی پیدائش میں ماں نہ باپ، دونوں ہی مفقود و معدوم ہیں، غرض آدم علیہ السلام کے بغیر ماں باپ پیدا ہونے سے فطرت کا زوال نہیں ہوتا، اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے صرف بن باپ کے پیدا ہونے کو بھی کسی طرح سے فطرت کیخلاف نہیں سمجھا جا سکتا۔ جس قادر و قیوم فعال لما یرید سے آدم کا بن باپ پیدا ہونا ظہور میں آ گیا، خاص وہی قادر و قیوم فعال لما یرید، اس بات پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو بن باپ پیدا کر دکھائے۔[210]

مولانا چکڑالوی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کے تو قائل نہیں، لیکن وفات کے بھی قائل نہیں ان کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی تک زمین پر کہیں موجود اور زندہ ہیں۔

"آیت میں وفات حضرت عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر ہرگز ہرگز نہیں ہے، بلکہ جسد عنصری زندہ بالکل صحیح سالم ان یہودیوں موذیوں سے جدا کر کے اسی دنیا میں روئے زمین پر، کسی اور جگہ بحفاظت تمام اقامت پذیر ہیں، اور اس سے دنیا ہی مراد ہے"۔[211]

وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام، قرب قیامت میں اس دنیا

سے اس دنیا میں ظہور کریں گے۔ **ویکلم الناس** کو دلیل بناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت عیسیٰ کے متعلق دو پیشین گوئیاں کی ہیں، ایک یہ کہ وہ ماں کی گود میں کلام کریں گے اور دوسرا کہولت میں، بلاشبہ دونوں کلام بطور معجزہ وخوارق عادت ہی بطور پیشین گوئی مریم کی بشارت دی گئی، ایک ظاہر ہو چکی ہے، اور دوسری قرب قیامت میں ظاہر ہو گی۔ (212)

اور جب ان کے بارے میں وعدہ پورا ہو گیا تو ہم ان کے لئے زمیں سے جانور نکالیں گے، جو ان سے باتیں کرے گا، وہ کہتے ہیں کہ آیت میں لفظ دابتہ حضرت عیسیٰ کی جگہ آیا ہے۔ (213)

احکام وراثت اور وصیت میں چکڑالوی کے تفردات:

پرویز کی طرح چکڑالوی صاحب مال کو وصیت کرنے کا اختیار، بلاقید اور بلاشرط دیتا ہے، اور ترکہ اسی طرح تقسیم ہو گا، جس طرح مرنے والے نے وصیت کی ہو، اور ترکہ وصیت پوری کرنے کے بعد بچ جائے، یا وصیت کی غیر موجودگی میں اس طرح تقسیم ہو گا، جس طرح قرآن نے سورۃ النساء میں بتایا ہے۔ (214)

وہ وصیت کے غیر مشروط وغیر مقید ہونے میں دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر ایک شخص کے دو بیٹے ہوں، ایک تحصیل دار اور دوسرا اندھا اپاہج، بالکل کچھ کمانے کے قابل نہ ہو، تو عقل سلیم اور انصاف تقاضا کرتے ہیں کہ معذور بیٹے کو زیادہ حصہ ملے اور وصیت ایسی ہی صورتوں کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ وصیت کرنے والے پر بھی فرض ہے کہ محتاج بیٹے کے بھی حق میں نصف مال یا اس مال کا کوئی حصہ وصیت کرے اور تقسیم جائیداد کے وقت سب سے پہلے وصیت پوری کی جائے، ایسی ہی اور بھی کئی

صورتیں ہو سکتی ہیں، جن میں بعض ورثاء دوسروں کی نسبت، زیادہ حاجت مند اور قابل رحم ہوں۔[215]

ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری سے نکاح کی حرمت:

آج کے دور کا ایک اہم مسئلہ تعداد ازواج کا بھی ہے اس مسئلہ میں اعتزالی فکر کے حامل افراد مثلاً چکڑالوی، پرویز یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک بیوی کی موجودگی میں، دوسری سے نکاح کرنا ناجائز کہتے ہیں کہ جس آیت سے تعداد ازواج ثابت کیا جاتا ہے، وہی آیت اس کی ممانعت پر نص قطعی ہے۔[216]

نبی اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کی بھی نفی کرتے ہیں:

علامہ چکڑالوی بیک وقت رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کی بھی نفی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ ﷺ بھی اسی قرآنی حکم کے پابند تھے اور بیک وقت ایک سے زیادہ بیویاں نہیں رکھیں۔[217]

> (اے نبی ﷺ اپنی بیویوں سے کہو اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے رخصت کر دوں)۔ میں ازواجك میں صیغہ جمع پر اپنی رائے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی ازواج یانساءوغیرہ جمع کے صیغے آئے ہیں۔ ان کا کسی جگہ سے اشارۃ یا کنایۃً ایک ہی وقت میں جمع ہونا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ اس طور پر ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک کے مرنے کے بعد دوسری اور دوسری کے مرنے کے بعد تیسری وغیرہ، اسی طرح وہ سب عورتیں ازواج ونساء کہلاتی ہیں

لیکن یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ سب ازواج جمع تھیں۔[218]

وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کو بھی جمع کے صیغے سے بیان کیا گیا۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ساری ایک ہی وقت آپ ﷺ کے پاس تھیں، ایک کے مرنے کے بعد دوسری سے آپ ﷺ نے نکاح کیا، لیکن ایک وقت میں ایک ہی آپ ﷺ کے حرم میں رہیں۔ وہ قل لازوجك کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ کہ اے نبی ہمارا یہ حکم ہے کہ ضروری ہی سنادیا کرو کہ اپنی تمام بیویوں کو، جو جو وقتاً فوقتاً کتاب اللہ کے مطابق تیرے نکاح میں آیا کریں۔[219]

عید قرباں اسراف و تبذیر ہے:

چکڑالوی کے خیال میں جب تمام لوگ قربانی کرتے ہیں تو وہ ضائع ہو جاتی ہے۔[220]

ان کا کہنا ہے کہ بصورت ضرورت قربانی کے عوض صدقہ دینا جائز ہے اور موجودہ حالات میں جائز ہے کہ مکہ میں قربانی کے عوض صدقہ دے دیا جائے، جبکہ مکہ کے علاوہ دیگر مقامات پر اگر مساکین وفقراء موجود ہیں تو وہاں قربانی کرنا جائز ہے وہ کہتے ہیں کہ یوم النحر میں حاجی جس کثرت سے قربانی کرتے ہیں، وہ اسراف و تبذیر ہے کہ تمام ضائع ہو جاتی ہے۔[221]

کتاب اللہ کے مقابل احادیث پیش کرنا:

عبد اللہ چکڑالوی لکھتے ہیں:

"کتاب اللہ کے مقابلہ میں انبیاء اور رسولوں کے اقوال وافعال یعنی احادیث قولی وفعلی وتقریری پیش کرنے کا مرض ایک قدیم مرض

ہے اور جس طرح مختلف فرقے آج کل قرآن مجید کے مقابلے میں احادیث پیش کرتے ہیں اور اُن کو محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہی حال اُن لوگوں کا تھا جو آپ کے مقابل و مخاطب تھے۔ وہ بھی یقیناً اہل حدیث تھے۔ کیونکہ ابراہیم، اسماعیل، سلیمان، یعقوب، اسحاق سلام اللہ علیہم کی احادیث کتاب اللہ کے مقابلوں میں پیش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن انبیاء علیہم السلام کی ایسی احادیث سے بریت ظاہر کی اور اُن احادیث کو کفر و شرک کہا"۔ (222)

چکڑالوی کا خود کو کافر کہے جانے کا تذکرہ:

عبد اللہ چکڑالوی کے انحراف کی وجہ سے بعض علماء نے ان کی تکفیر کی ہے۔ جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

"کیا خدا کو لغو گو سمجھنا اچھی بات ہے؟ افسوس ہے کہ ان لوگوں کی طرف تو کوئی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا، لیکن مجھے اس بات کے لئے بھی کافر کہا جاتا ہے کہ میں کلام اللہ کو ایک کامل اور ہر طرح کافی شافی جانتا ہوں"۔ (223)

علماء پر تنقید:

عبد اللہ چکڑالوی نے جابجا علماء و فقہا پر تنقید کی ہے۔ انہوں نے محدثین، مفسرین، مشائخ و صوفیہ الغرض ہر طبقہ کے علماء پر انتہائی سخت نقد کیا ہے۔

مثلاً ایک مقام پر وہ لکھتے ہیں۔

"ہاں ہمارے وسواسی ملاؤں نے گندی احادیث و فقہ کی بنا پر ضرور

دین کو ایک ہیبت ناک دیو بنا دیا جس کے قریب آنے سے عوام الناس ڈرتے ہیں۔ طہارت بے شک نماز کے لئے فرض ہے۔ لیکن ان وہم پرستوں نے اس میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا ہے۔ اور اس کے متعلق ان کمبختوں نے ایسی موشگافیاں کی ہیں کہ ان کے ہزلیات سن کر بے چارے عوام الناس کے یہ ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ طہارت بھی ایک کیمیا گری ہے۔ جس کا حاصل ہونا ہم دنیا داروں کو مشکل ہے اور اس لئے وہ نماز سے کنارے رہنا ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ خدا ہدایت کرے ان ظالموں کو جنہوں نے لاکھوں لوگوں کو تارک نماز بنا دیا"۔ (224)

انکار حدیث کی تفصیل:

عبد اللہ چکڑالوی انکار حدیث کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"میں اس امر کو ثابت و ظاہر وواضح وروشن کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید من کل الوجوہ ایک کامل اکمل مکمل کتاب ہے۔ اس میں دین اسلام کے تمام مسائل پوری تشریح کے ساتھ مذکور ہیں اور اس کے ہوتے ہوئے امور دین میں کسی دوسری کتاب کی کوئی ضرورت و حاجت نہیں"۔ (225)

علماء وصوفیہ پر نقد:

"اور اگر تمہارے سارے مولوی، محدث، امام، پیر، صوفی اور سجادہ نشین بھی جمع ہو جائیں تو قرآنی دعاؤں جیسی جامع اور پر اثر دعائیں اور اذکار نہ بنا سکیں گے"۔ (226)

تقلید کا رد:

عبد اللہ چکڑالوی ائمہ مذاہب کی تقلید کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کوئی چیز ایمان کو اس قدر ضرر نہیں پہنچا سکتی جس قدر کہ تقلید، کلام الٰہی کے فہم صحیح سے لوگ محروم رہے وہ بھی اس بلا کی وجہ سے۔ اپنے اماموں اور بزرگوں اور راویوں کی تقلید سے۔ امور دین میں جس طریقہ وروش ومذہب کے پابند تھے مترجمین ومفسرین نے آیات قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر کو اس سانچہ وقالب میں ڈھالا۔ حنفی مفسرین نے توڑ موڑ کر امام اعظم صاحب کے مذہب کے موافق تفسیریں کیں۔ شافعیوں نے اپنے مذہب کے مطابق۔ مالکی اسے کھینچ تان کر اپنے امام کی طرف لے گئے اور سب سے بڑا ظلم ان مفسرین نے کیا جنھوں نے حدیث کو قرآن مجید کا قاضی وحاکم ٹھہرا دیا اور دھینگا مشتی سے آیات کو احادیث کے سائے تلے چلایا"۔ (227)

مزید لکھتے ہیں کہ:

"اگر یہ لوگ قید تقلید سے آزاد ہوتے اور فقہ وحدیث کی رنگین عینک سے کتاب اللہ کو دیکھتے تو انہیں صاف نظر آجاتا کہ اس دعا کا موقعہ نماز ہی ہے۔ انسان جس رنگ کی عینک سے دیکھتا ہے اس کو زمین و آسمان کی ہر ایک چیز میں وہی رنگ نظر آتا ہے۔ لیکن اشیاء کو اصلی رنگت میں وہی شخص دیکھتا ہے جس کی نظر صحیح وسالم ہے اور جو بغیر عینک کے دیکھ سکتا ہے۔ پس اے لوگو پاک و آزاد دل سے کلام الٰہی کو پڑھو اور اپنی آنکھوں سے پڑھو تا کہ تمہیں حقیقت نظر آئے۔

بخاری، مسلم یا ابو حنیفہ، شافعی یا فخر الدین و جلال الدین کی آنکھوں سے نہ دیکھو"۔[228]

سید احمد الدین گانگوی اور قاضی قمر الدین محدث چکڑالوی کا تعاقب و محاسبہ:

مذکورہ بالا تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عبد اللہ چکڑالوی کے نظریات کس نوعیت کے تھے۔1880ء کی دہائی میں عبد اللہ چکڑالوی ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر اپنے آبائی علاقہ چکڑالہ واپس پلٹے تو اس وقت یہاں کی اکثریت حنفی مسلک اور صوفی المشرب تھی۔عبد اللہ چکڑالوی، سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد ہونے کی وجہ سے مسلک اہل حدیث اختیار کر چکے تھے۔ابھی تک عبد اللہ چکڑالوی، قاضی غلام نبی چکڑالوی کے نام سے موسوم تھے جو ان کے والد نے رکھا تھا۔ عبد اللہ چکڑالوی نے جگہ جگہ تقریروں میں تصوف اور تقلید کا رد شروع کر دیا۔ مولانا گانگوی سے انکار تقلید کا سدباب کرنے کی علماء میانوالی نے التجاء کی۔اس پر مولانا گانگوی نے نواب صدیق حسن خان بھوپالی، سید نذیر حسین دہلوی اور مولانا عبد اللہ چکڑالوی کے رد میں بزبان عربی نور الایمان فی تائید مذہب النعمان کے نام سے ایک معرکہ آراء کتاب تصنیف فرمائی۔ چونکہ مولانا چکڑالوی نے ابھی تک حجیت حدیث اور محدثین کا انکار نہیں کیا تھا اس لئے مولانا گانگوی نے محدثین اور فقہاء کی صدیوں پر مشتمل روایت سے اجتہاد اور تقلید کے قضیوں کو معقولی انداز میں سمجھانے کی سعی کی۔

سید احمد الدین گانگوی کی نظر میں فساد فی الدین کا سبب:

مولانا گانگوی نے اولاً علوم دینیہ سیکھنے کے لوازم اور ضوابط کو بیان کیا۔ کن

خصوصیات کے حامل شخص کو دینی علوم حاصل کرنے چاہئیں، کس طرح کے اساتذہ سے علم حاصل کرنا چاہیے۔ آپ قدیم علماء کے ہاں پائی جانے والی اس علمی روایت کو شد و مد سے بیان کرتے ہیں کہ نااہل شخص کو دین کا علم نہ سکھایا جائے۔ حصول علم دین سے پہلے ضروری ہے کہ خواہش مند طالب علم کی ذہنی صلاحیت کا امتحان لیا جائے کہ آیا یہ شخص اس قابل ہے کہ اسے اصول دین پڑھائے جائیں اور تکمیل علوم کے بعد پھر یہ پرکھا جائے کہ درسیات مکمل کرنے والا ایک فاضل اب اس قابل ہے کہ یہ بحیثیت معلم و مبلغ لوگوں تک اس دین کو پہنچائے۔ مولانا گانگوی نے اپنی تصانیف میں علوم دین کے حوالے سے بیان کردہ اس معیار کو جابجا ذکر کیا ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ اگر اس پیمانے پر عمل کیا جائے تو انتشار و افتراق بین المسلمین سے بچا جاسکتا ہے۔ نور الایمان کی ابتداء میں ہی آپ لکھتے ہیں۔

قال علیه الصلوٰة والسلام واضع العلم عند غیر اهله کمقلد الخنازیر الجوهر واللؤلؤ والذهب کذا فی المشکوة وقال علیه الصلوٰة والسلام آفة العلم النسیان واضاعته ان تحدث به غیر اهله کذا فی المشکوٰة قال فی العالمگیریة فی کتاب الکراهة ولا یعلم الا اهله ولا یکتم عن اهله فان وضع العلم الی غیر اهله اضاعة ومنعه عن اهله ظلم انتهی .وروی المسلم باسناده عن محمد بن سیرین قال ان هذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم وقال الفقیه ابو الیث فی البستان وینبغی ان لا یوخذ العلم الا من امین انتهی.وقد کان قدیماً عادت اهل العلم انه لا یعلم سفیهاً ولا یتعلم منه فلما تهاون انتظام الاسلام وقع الملك فی ید سفها الاحلام فاوقعوا ارائیهم فی الدین المتین

بالفساد والعناد فضلوا واضلو[229]

شیخ محمد بن عبد الوہاب کی تحریک کو دینی معیارات کی پامالی کا مجرم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لاسیما الفرقۃ الجدیدۃ النجدیۃ الوھابیۃ التی ارا کینھا اراذل الناس من الجنۃ والناس فانھو یوسوسون الناس وسرسۃ الخناس ویقولون تقلید الایمۃ کفر و شرک واختراع المذاھب الاربعۃ من البدعات الشنیعۃ والمخترعات القبیحۃ سیما مذھب الامام ابی حنیفۃ فانہ اغلط المذاھب سنداً[230]

انکارِ تقلیدِ ائمہ کے اسباب:

محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تحریک انکار تقلید پر نقد کرتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کی تقلید نہ کرنے والے در جنوں دیگر علماء کی تقلید کرتے ہیں۔ مثلاً جب ان سے ان کے مذہب پر دلیل طلب کی جاتی ہے تو وہ بخاری، مسلم، ابن تیمیہ، سید نذیر حسین دہلوی اور نواب بھوپالی وغیرہ کی تقلید کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

اعلم ان الفرقۃ النجدیۃ الوھابیۃ ادعوا بأن التقلید شرک و کفر و اھلہ کافر و مشرک، کما قال بذلک فی زماننا۔ فنعقل مع ما فی ھذا القول من خسران الدنیا والآخرۃ انما نحن نقلد اماماً واحدا وھم یقلدون ایمۃ شتی کالبخاری والمسلم وعبد الوھاب النجدی وابن تیمیہ وغیرھم فاذا قیل لھم ھاتوا دلیل مذھبکم فیقولون قال البخاری ھکذا وقال سید نذیر حسین ھکذا وقال نواب بھوپال ھکذا فلو کان التقلید شرکاً فاتخذوا من دون اللہ شرکاء فھم منا اکثرون

تقلیداً مصدق المثل فرمن المطر وقر تحت المیزاب او فرمن الشغل فوقع علی الاسد۔۔۔۔آہ[231]

جبکہ ص 11 پر المقدمۃ فی معانی التقلید کے عنوان سے رقم طراز ہیں۔

قال العلامۃ السمهودی فی العقد الفرید قبول القول بأن یعتقد من غیر معرفۃ دلیله فاما مع معرفۃ دلیله فلا یکون الا لمجتهد لتوقف معرفۃ الدلیل علی معرفۃ سلامۃ عن المعارض بناءً علی وجوب البحث عن المعارض ومعرفۃ السلامۃ عنه متوقف علی استقراء الادلۃ کلها ولا یقدر علی ذلك الا المجتهد ومن لم یوجب البحث عن المعارض واکتفی بمجرد معرفۃ الدلیل کمن اجاز التمسك بالعام قبل البحث عن المخصص فلم یکتف بمعرفۃ من غیر مجتهد اذلا وثوق لمعرفۃ غیر فی الادلۃ الظنیۃ انتهی (232)

تقلید کے قواعد وضوابط:

در حقیقت اجتہاد فقہ کے ان چار دلائل واصول میں سے ہے جو فقہ کی بنیاد و اساس ہیں اور جن پر فقہی احکام و مسائل کی پوری عمارت کھڑی ہے۔ شریعت کے وہ چاروں دلائل علی الترتیب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت اور قیاس مجتہد ہیں۔ جو شخص مرتبہ اجتہاد پر فائز نہیں اس پر علماء امت نے تقلید کو لازم قرار دیا اور علماء نے مسلمانوں پر ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کو واجب قرار دیا۔

مقلد غیر مجتہد ہو:

مولانا گانگوی لکھتے ہیں کہ غیر مجتہد کامل اور عادل مجتہد کی اتباع کرے گا۔ یعنی اس پر تقلید لازم ہو گی۔ اس کے لئے وہ چار قیودات کو بیان کرتے ہیں۔ شرط اول

یہ ہے کہ مقلد کے لئے ضروری ہے کہ وہ غیر مجتہد ہو۔ کیونکہ مجتہد کے لئے تقلید جائز نہیں۔ اس بات کو واضح کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں

وقیل معناه ان یتبع غیر المجتهد للمجتهد الکامل العادل فهذا التعریف یشتمل علی قیود اربعة الاول انه لابد للمقلد ان یکون غیر مجتهد لان المجتهد لایجوزله تقلید غیره بالاتفاق کما قال حجة الاسلام الامام الغزالی فی احیاء العلوم لم یذهب احد من المحصلین الی ان المجتهد یجوز له ان یعمل بموجب اجتهاد غیره وقال العلامة الشامی فی رد المختار فی بحث رسم المفتی لان المجتهد مامور بالعمل بمقتضی ظنه اجماعا وقال فی مسلم الثبوت ۔۔۔وشرح مختصر الاصول و تحریر الوصول وغیرها من کتب الاصول لوحکم بخلاف اجتهاده کان باطلاء اتفاقاً لانه یجب علیه الحمل بظنه ولا یجوز له التقلید مع اجتهاده اجماعا (233)

تقلید مجتہد کی کی جائے گی:

شرط ثانی یہ ہے کہ جس کی تقلید کی جائے گی وہ خود مجتہد و مفتی ہو۔ یہاں مفتی سے مراد مجتہد ہے نہ کہ ہمارے عرف میں استعمال ہونے والا مفتی جو محض ناقل ہوتا ہے۔ لہٰذا تقلید کے لئے ضروری ہے کہ مجتہد کی تقلید کی جائے اور جو مجتہد نہ ہو اس کی تقلید نہیں کی جائے گی۔

والثانی ان المتبوع لابد ان یکون مجتهداً لانه مفت والمفتی لایکون الا مجتهدا بالاتفاق قال العلامة ابن نجیم المصری فی البحر الرائق وفی الرسالة المساة برفع الغشاء عن وقتی العصر والعشاء وقال الطحطاوی فی شرح درالمختار

والشامی فی رد المختار قال الشیخ ابن الهمام فی فتح القدیر قد استقر رای الاصولیین علی ان المفتی هو المجتهد واما غیر المجتهد ممن حفظ اقوال المجتهدین فلیس بمفت فالواجب علیه اذا سئل ان یذکر قول المجتهد کابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ علی وجه الحکایة انتهی۔ وقال العینی فی شرح الکنز قال البزدوی فی اصوله اجمع العلماء والفقهاء علی ان المفتی وجب ان یکون من اهل الاجتهاد وان لم یکن من اهل الاجتهاد فلا یحل له ان یفتی الا بطریق الحکایة انتهی[234]

مجتہد اجتہاد میں کامل ہو:

شرط ثالث یہ ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں کامل ہو۔

والثالث لابد ان یکون ذلك المجتهد المتبوع کاملاً فی اجتهاده ، ای یکون مطلقاً ،لا منتسباً فی المذهب کما قال فی تحریر الاصول وتیسیره غیر المجتهد المطلق یلزم عند الجمهور التقلید وان کان مجتهدا فی بعض المسائل الفقهیة[235]

مجتہد عادل ہو:

اور شرط رابع مجتہد کا عادل ہونا ہے۔ کیونکہ غیر عادل کی تقلید قرآن مجید سے ممنوع ہے۔

والرابع لابد ان یکون ذلك المجتهد عادلاً لان تقلید غیر العادل ممنوع بالکتاب والاتفاق اما الکتاب فقال الله تعالیٰ یایها الذین آمنو ان جاء کم فاسق۔۔۔ واما الاتفاق فقال الامام الاستوائی فی شرح منهاج الاصول للقاضی البیضاوی انهم اتفقوا علی ان العامی لایجوز له ان یستفتی

الامن غلب علی ظنه انه من اهل الاجتهاد والورع انتهی۔وقال الشیخ ابن الهمام فی تحریر الاصول الاتفاق علی حل الاستفتاء ممن عرف انه من اهل الاجتهاد والعدالة وامتناعه ان ظن احدهما انتهی (236)

وجوب تقلید کے عقلی دلائل:

فی وجوب التقلید عقلا کے عنوان کے تحت سید گانگوی عقلی دلائل سے مجتہد اور مقلد میں فرق کو ثابت کرتے ہیں۔ مجتہد اور مقلد کے درمیان فرق کو سمجھانے کے لیے وہ کہتے ہیں کہ ان کی مثال دو مریضوں جیسی ہے جن میں سے ایک خود ماہر حکیم اور طبیب ہے جو مرض کی انواع اور دواؤں کے مزاج سے واقف ہے لہٰذا ایسے طبیب حاذق کے لئے اپنا علاج کرنا کچھ مشکل نہیں اور اسے کسی اور کی احتیاج نہیں۔

اعلم یا اخی ان مثل المجتهد والعامی کمثل الرجلین المریضین احدهما حکیم ماهر وطبیب حاذق یعرف طبائع المرضی ویشخص انواع الامراض یعلم امزجة الادویة من الرطب والیابس والحار والبارد ویقدر علی تداوی الامراض کلها قدرة تامة ویعالج الاسقام کلها خاصة وعامة (یمرض) هو بنفسه مرضا شدیدا فاحتاج الی التداوی فداوی لنفسه ولم یسئل عن غیره ولم یجز سوال عن الغیر لانه یعرف المرض ویشخصه بوجه احسن فان سال عن غیره مع معرقة یلزم تحصیل الحاصل وهو ممنوع عند العقلاء فعالج لنفسه بنفسه فبرئه الله تعالیٰ مما ابتلی به بحسن اهتمامه(237)

جبکہ دوسرا مریض ایک عام شخص ہے جو نہ امراض سے واقف ہے اور نہ ہی

دواؤں کے مزاج سے ،اب اگر وہ طبیب حاذق پر خود کو قیاس کرتے ہوئے خود اپنا علاج شروع کر دے تو مرض کی تشخیص نہ ہونے اور دواؤں کی پہچان نہ رکھنے کے سبب وہ قولنج میں قابضات اور اطلاق البطن میں سہلات استعمال کرتے ہوئے خود کو ہلاکت میں ڈالے گا۔

والثانی رجل سفیه لیس له معرفة فی المشاهدات فضلاء عن المجربات ولا یعلم اسم الامراض فضلاً عن تشخیصها ولا یعرف صور الادویة فضلاً عن امزجتها فمرض مرضاً شدیداً احتاج الی التداوی فقال فی نفسه ان فلاناً مرض فتداوی لنفسه بنفسه فبری انا ایضاً اداوی بنفس فجعل یداوی ولم یشخص المرض ولم یعرف مزاج الادویة فاستعمل القابضات فی القلنج او السهلات فی اطلاق البطن فهلك فی ساعة باذن الله[238]

طبیب حاذق کی طرح فقیہ اور مجتہد بھی اصول سے مسائل کے استنباط اور کلیات سے جزیات کے استخراج کی مہارت رکھتا ہے ،ناسخ و منسوخ ، قوی و ضعیف اور راجح و مرجوح کی معرفت رکھتا ہے ،موارد اور نزول کو جانتا ہے۔لہٰذا مسائل دین میں سے کسی مسئلہ کے استخراج کی اگر اسے حاجت ہو تو وہ مسائل کا استنباط کر سکتا ہے۔

فکذلك الفقیه المجتهد الذی یقدر علی استبباط المسائل من الاصول واستخراج الجزئیات من الکلیات ویعرف الناسخ والمنسوخ والقوی والضعیف والراجح والمرجوح ویعلم موارد والنزول ومواضع الطردد والقبول فلما احتاج الی استخراج مسئلة من مسائل الدین فاستنبطا من الاصل المبین واستراح من البلاء المهین بتوفیق الله

وحبلہ المتین[239]

اس کے برعکس ایک عام شخص نظر فی العلوم نہ ہونے کی وجہ سے، راجح و مرجوح، ناسخ و منسوخ اور قوی و ضعیف میں امتیاز نہ کر سکنے کے سبب کس طرح دقیق ترین معانی اور مفاہیم پر استخراج کر سکتا ہے۔ اگر وہ فتویٰ دے گا تو نہ صرف خود گمراہ ہو گا بلکہ گمراہ گر بھی ہو گا۔ لہٰذا ایسے شخص کو کسی مجتہد کامل کی پیروی درکار ہو گی۔

والعامی الذی لیس لہ نظر فی العلوم ولا اثر لہ فی الفھوم ولم یتمیز لراجح من المرجوح ولا الناسخ من المنسوخ ولا القوی من الضعیف فکیف یقدر علی استخراج ادق المعانی من احق المبانی ومع ھذا لو جرء علی ذلك فافتی بغیر علم فضل واضل وھلك فی ساعۃ انشاء اللہ تعالیٰ فالو اجب علی ھذا الرجل المریض المحتاج الی التداوی ان یعلق بذیل الحکیم الحاذق المجتھد الکامل[240]

مولانا احمد الدین گانگوی کی اس معرکۃ الآراء تحقیقی کاوش سے مولانا عبد اللہ چکڑالوی کے لئے انکار تقلید پر دلائل دینا مشکل ہو گیا۔ چونکہ ابھی تک مولانا چکڑالوی بھی حجیت حدیث کے قائل تھے۔ لہٰذا محدثین اور فقہا کے منصوصی اور معقولی دلائل سے وہ گھائل ہو گئے۔ یہاں سے عبد اللہ چکڑالوی نے ایک قدم مزید آگے بڑھایا اور انکار تقلید کے ساتھ ساتھ انکار حدیث بھی کر دیا۔ حجیت حدیث کے انکار پر علاقائی علماء نے ان کی تکفیر کر دی۔ مولانا چکڑالوی نے اپنا نام قاضی غلام نبی سے عبد اللہ چکڑالوی اختیار کر لیا۔ چکڑالہ میں ان کے اکثر مباحثے اور مناظرے قاضی قمر الدین محدث چکڑالوی سے ہوئے۔ جو مولانا گانگوی سے مل کر مولانا چکڑالوی کے خلاف علاقائی علماء کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر چکے تھے۔

مولانا عبد اللہ چکڑالوی اور مولانا قاضی قمر الدین: علمی معرکے اور مباحثے

قاضی غلام نبی سے عبد اللہ چکڑالوی :

قاضی ظفر ذبیح اپنی کتاب گلدستہ ذبیح میں قاضی غلام نبی اور قاضی قمر الدین کے خاندانی رشتے اور علمی سلسلے کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

> ”حضرت شیخ الحدیث قمر الاولیاؒ جب اپنے وطن چکڑالہ شریف تشریف لائے تھے اور مدرسہ میں تدریس شروع فرمائی تھی تو انہی دنوں آپ کے چچازار بھائی جن کا نام قاضی غلام نبی تھا اور ان کے والد کا نام قاضی نور عالم تھا۔ جبکہ حضرت کے والد ماجد کا نام حضرت سلیمانؒ ہے۔ ایک بھائی کا لڑکا حضرت شیخ الحدیث، مفسر حدیث اور حکیم بنے۔ نور عالم صاحب نے بھی اپنا لڑکا غلام نبی علم حاصل کرنے کے لئے دہلی بھیجا۔ وہ بھی 1282 ھ میں علوم دین حاصل کر کے واپس آئے تھے۔ غلام نبی دہلی میں ایسے اساتذہ کے پاس رہے جو غیر مقلد تھے اس لئے غلام نبی غیر مقلد بن کر لوٹا“۔[241]

قاضی ظفر ذبیح، مولانا عبد اللہ چکڑالوی کے ابتدائی مسلک کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ”علاقہ کے لوگ غلام نبی کے نظریہ سے ناواقف تھے۔ غلام نبی کو

چکڑالہ کا خطیب اور مفتی مقرر کر دیا تھا۔ ارد گرد کافی دور دور سے لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے چکڑالہ آتے تھے۔ سب لوگ غلام نبی کا دل سے احترام کرتے تھے اور ان کے فتویٰ قبول کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد غلام نبی کے نظریات میں تبدیلی رونما ہونے لگی۔ شروع شروع میں تو قاضی غلام نبی نے اپنے استاد ڈپٹی نذیر احمد کا عدم تقلید اور انکار تقلید کا مسلک اپنایا اور اپنے آپ کو اہل حدیث کہلوانے لگے اس سے علاقہ کے لوگ کنارہ کش ہو گئے اور ان کے فتویٰ کا اعتماد ختم ہو گیا مگر اس کے بعد قاضی غلام نبی نے اپنا نام بھی بدل کر عبد اللہ رکھ لیا۔ اور عبد اللہ چکڑالوی کے نام سے مشہور ہوا"۔ (242)

مولانا عبد اللہ چکڑالوی کو علماء قاضی غلام نبی سے ہی ذکر کیا کرتے۔ سید گانگوی، مولانا حسین علی کا رد کرتے ہوئے لوامع الضیاء میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"ثالثاً مانا کہ وہ بڑا عالم ہے مگر یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ وہ حق پر بھی ہے کیونکہ بڑا عالم ہونا مستلزم اتباع حق نہیں ورنہ شیطان بھی حق پر ہوتا جس کا بڑا عالم ہونا مسلم الکل ہے، علی ہذا القیاس مرزا قادیانی، غلام نبی چکڑالوی وسید احمد نیچری وغیرھم یہ سب بڑے عالم ہیں جبکہ مولوی حسین علی ان کا طفل مکتب کہلانے کا حق بھی نہیں رکھتا"۔ (243)

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات واضح ہے کہ علماء میانوالی مولانا عبد اللہ چکڑالوی کا ذکر قاضی غلام نبی کے نام سے کرتے ہیں۔ چکڑالہ پر نئے نظریات اور عقائد کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے قاضی ظفر لکھتے ہیں۔

"ایسے ایسے مسائل بیان کرنا شروع کر دیے کہ لوگوں کے لئے

موجب وحشت بن گئے۔ عوام متنفر ہو گئی۔ علاقہ بھر کے لوگوں کے اصرار پر یہ خطابت والی ذمہ داری بھی حضرت شیخ الحدیث قمر الاولیا قاضی قمر الدینؒ کو سونپ دی۔ حضرت نے خواجگان موسیٰ زئی شریف، خواجگان دندہ شاہ بلالؒ شریف ضلع اٹک کے حکم پر یہ ذمہ داری قبول فرمائی اور جمعہ پڑھانا شروع کر دیا۔ فتویٰ دینے شروع فرما دیئے۔ قاضی غلام نبی 14 سال تک خطیب و امام رہ چکا تھا۔ انکا ر حدیث کی وجہ سے اب اہل حدیث کی بجائے اپنے آپ کو اہل قرآن کہلوانا شروع کر دیا اور اپنا نام عبد اللہ چکڑالوی رکھ لیا"۔[244]

مولانا عبد اللہ چکڑالوی نے مسلک اہل قرآن کی بنیاد رکھی تو علاقہ سے کوئی بھی شخص اس کی حمایت کے لیے تیار نہ ہوا۔ حتیٰ کہ بیٹے بھی حمایت سے دستبردار ہو گئے۔ صرف ایک پوتا ان کے مسلک پر آخری دم تک رہا۔

"اس باطل مذہب کی پیروی کے لئے اپنے دونوں صاحب علم بیٹوں قاضی محمد ابراہیم اور قاضی محمد عیسیٰ پر زور ڈالا، دباؤ ڈالا لیکن قاضی محمد ابراہیم نے تو صاف انکار کر دیا۔ عبد اللہ چکڑالوی نے اپنے اس بیٹے کو جائیداد سے محروم کر دیا۔ قاضی محمد ابراہیم نے جائیداد سے محروم ہونا قبول کر لیا لیکن دین نہ چھوڑا اور نقل مکانی کر کے پیروالہ ضلع ملتان میں امامت کر لی اور آسودگی سے زندگی گزار دی۔ دوسرے بیٹے قاضی محمد عیسیٰ نے جائیداد کی محرومی کے ڈر سے وقتی طور پر حامی بھر لی اور بیٹا محمد یحییٰ عبد اللہ چکڑالوی کے حوالے کر دیا۔ آزمائشی دور گزار کر خود قاضی محمد عیسیٰ اسلام اور مسلک حنفی پر قائم ہو گئے۔ لیکن اپنے بیٹے محمد

یحییٰ کو واپس نہ لا سکے۔ وہ اپنے دادا کے مذہب پر قائم رہا اور آخر دم تک رہا۔ چکڑالہ میں صرف یہی ایک شخص اہل قرآن تھا"۔ (245)

عبد اللہ چکڑالوی سے پہلے اس علاقہ کے اکثر لوگ صوفیاء نقشبند سے وابستہ تھے اور صوفیانہ طرز زندگی یہاں رائج تھا۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے قاضی ظفر ذبیح لکھتے ہیں۔

"اس زمانہ میں چکڑالہ میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے پیر بھائی مولانا نور خانؒ غازی خیل جو ایک جاگیر دار تھے اور حضرت محبوب سبحانی خواجہ محمد عثمان دامانیؒ کے خلیفہ مجاز بھی تھے چکڑالہ میں مقیم تھے۔ فقیر غلام عباس خانؒ بھی ایک جاگیر دار اور حضرت خواجہ سراج الاولیا خواجہ محمد سراج الدینؒ کے خلیفہ تھے۔ حضرت سید الاولیاء پیر لعل شاہ صاحبؒ دندہ شاہ بلاول والے حضرت سراج الاولیاؒ کے خلیفہ تھے۔ مولانا محمد صدیقؒ ڈھوک زمان والے۔ مولانا محمد حسینؒ تھمے والی والے۔ یہ تمام حضرات خواجگان موسیٰ زئی شریف کے خلفاء تھے"۔ (246)

مولانا عبد اللہ چکڑالوی اور قاضی قمر الدین محدث چکڑالوی کے مابین ہونے والے مباحثوں کا ذکر کرتے ہوئے قاضی ظفر ذبیح لکھتے ہیں۔

"عبد اللہ چکڑالوی جہاں بھی نظریہ انکار حدیث کا پرچار کرنے کے لئے جاتا حضرت شیخ الحدیث قمر الاولیاءؒ بھی اس کے تعاقب میں وہیں پہنچ جاتے اور اسی مجلس میں لوگوں کو عبد اللہ چکڑالوی کے غلط عقائد سے آگاہ فرماتے۔ حدیث و سنت کا مقام اور اہمیت بیان فرماتے چونکہ علاقہ پہلے بھی عقیدت مند تھا اس لئے حضرت شیخ الحدیثؒ کے الفاظ

مبارک سینوں میں اترتے تھے اور سینے منور ہو جاتے"۔[247]

عوامی حمایت نہ ملنے کے سبب مولانا عبد اللہ چکڑالوی اکثر مناظروں میں ناکامی سے دوچار ہوتے جس کی وجہ سے مزید کچھ وقت گزرنے کے بعد انہوں لاہور کا رخ اختیار کیا۔

"مباحثہ میں عبد اللہ چکڑالوی کو لاجواب اور مبہوت کر دیتے۔ عبد اللہ چکڑالوی برس ہا برس اس سارے علاقہ اٹک، فتح جنگ، پنڈی گھیپ، ٹمن، تراپ، انجرہ مارامارا پھرتا رہا مگر حضرت شیخ الحدیثؒ کی مساعی مبارک کی بدولت اس کی پذیرائی نہ ہوئی۔ چکڑالہ شہر میں بھی ایک آدھ کے سوا کسی کو اپنا ہمنوا نہ بنا سکا"[248]

چکڑالہ سے لاہور منتقلی:

ایک ہی خاندان سے ہونے کے سبب مولانا عبد اللہ چکڑالوی اور قاضی قمر الدین کے مابین عدالتی مخاصمت بھی جاری رہی۔ بالآخر مولانا چکڑالوی یہاں سے لاہور منتقل ہو گئے۔

"قاضی عبد اللہ نے شیخ الحدیث قمر الاولیاءؒ کے خلاف جھوٹے مقدمات شروع کر دیئے لیکن بے سود، یہ مقدمہ بازی بھی حضرت شیخ الحدیثؒ کے کام میں کوئی رکاوٹ نہ بن سکی۔ اس جھوٹی مقدمہ بازی سے عبد اللہ چکڑالوی کی شرافت کا بھانڈہ پھوٹ گیا اور عوام میں زیادہ رسوا و ذلیل ہو گیا۔ جب دینی اور دنیاوی لحاظ سے اپنا اعتماد کھو بیٹھا تو اپنے پوتے جو اس کا شاگرد اور خلیفہ بھی تھا۔ قاضی یحییٰ کو ساتھ لے کر لاہور چلا گیا وہاں اشاعت القرآن کے نام سے رسالہ جاری کیا"۔[249]

وفات سے کچھ دن قبل مولانا چکڑالوی دوبارہ میانوالی آ گئے اور یہیں ان کا مدفن بنا۔

> "اور مذہب اہل قرآن کے نام سے انکار احادیث کا پرچار کرتا رہا جب ضعف اور بڑھاپا کی وجہ سے کام کاج کے قابل نہ رہا تو کچھ دن ملتان میں اپنے ایک پیروکار کے پاس رہا۔ آخری دنوں میں میانوالی کے ملحقہ گاؤں یارو خیل میں رہا۔ 1915ھ میں یارو خیل میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا"۔ (250)

قاضی ظفر ذبیح کے بقول آبائی قصبہ چکڑالہ میں عبداللہ چکڑالوی کے پیروکار نہیں پائے جاتے۔ اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں۔

> "ہمارے پورا علاقہ اٹک، فتح جنگ سے لے کر میانوالی تک خواجگان موسیٰ زئی شریف کے فیوضات وبرکات سے منور ہے اور منور تھا۔ ایک آدمی بھی عبد اللہ چکڑالوی کا پیروکار نہ بن سکا۔ لیکن چکڑالہ چونکہ عبد اللہ کا آبائی وطن تھا اس لئے یہ بدنامی چکڑالہ کو ملی اور آج بھی ان کیخلاف اسلام نظریات کو چکڑالویت کا نام دیتے ہیں۔ مرزائیت تو ایک فرد کے ذمہ تھی لیکن ہماری بدقسمتی کہ چکڑالویت پورے قصبہ کے نام پر مشہور ہوئی"۔ (251)

سید احمد الدین گانگوی اور قاضی قمر الدین چکڑالوی کی مساعی سے علماء میانوالی کے مابین اتحاد واتفاق کی فضا قائم ہوئی اور تمام علماء نے ملکر مولانا چکڑالوی کے نظریات کا رد کیا۔ مولانا گانگوی کے ہی تلمیذ رشید مولانا سید غلام قاسم چکبندی جب مسئلہ تکفیر میں ابہام کا شکار ہوئے تو انہوں نے بعض علماء کے اقوال اور فتاویٰ مولانا گانگوی کی طرف ارسال کئے اور اپنے شبہات آپ کے سامنے رکھے۔ جس کے جواب

میں سید گانگوی نے انہیں خط لکھتے ہوئے وضاحت کی کہ الحاد کے رد میں علماء کے اتفاقی قول کا التزام کیا جائے۔ خط کی ابتداء میں ہی مولانا گانگوی لکھتے ہیں:

787

عالی قدر والا جاہ جناب مولانا مولوی غلام قاسم شاہ صاحب دامت برکاتہ

"وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ مزاج اقدس سرفراز نامہ بمعہ استفتاء ہمدستی جناب پیر فیض اللہ شاہ صاحب پہنچے مافیہا سے آگاہی ہوئی۔ جواباً دوستانہ مشورہ عرض ہے اس کو کسی خود غرضی تا تخالف پر محمول ہرگز نہ فرمائیں جس پر ناراض ہوئے ہیں بلکہ مخلصانہ مشورہ ہے اور دوستانہ تبادلہ خیالات ہے چونکہ زمانہ کے حالات بہت بگڑے ہوئے ہیں جو ملاحدہ اور زنادقہ نے مختلف رنگوں میں اپنے ملک برادری میں گونا گوں پیرائے اختیار کر رہے ہیں۔ سادہ لوح اہل سنت والجماعۃ ان کی ملمع کاریوں کی جال میں پھنس جاتے ہیں۔ مکائد کے پول کھل جانے کے بعد بہرکیف افسوس ملنے کے دیگر کوئی چارہ نہیں ہوتا۔"(252)

سید گانگوی مولانا سید غلام قاسم کو مخاطب کرتے ہوئے اور ان کی رائے کا نقص انتشار وافتراق اہل سنت کی صورت میں ظاہر ہونے کا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"لہٰذا ہر ایک معاملہ میں اپنے ایمان اور خودداری کا ہر وقت لحاظ رکھنا چاہیے اب مقدمہ مذکورہ میں بھی آپ کے ساتھ یہی معاملہ ہوا ہے۔ ان لوگوں نے آپ کو ایک نیک نام عالم سمجھ کر دام تزویر میں پھنسالیا۔ اب آپ کو ان کے اسلام ثابت کرنے کی اس لیے ضرورت پیش آگئی کہ آپ کی مخلصی سواء ان کے اسلام ثابت کرنے کے مشکل۔ مصیبت

تو یہ ہے اس لئے کہ آپ ان کا اسلام خواہ مخواہ ثابت کریں اور دوسری علماء اس کے نافی اب دونوں طرف علماء اہل سنت والجماعۃ کا مقابلہ یہ لوگ تماشا دیکھ کر تالیاں بجا رہیں، نہایت افسوس ہے، اگر آپ اس معاملہ کو پہلے سوچ لیتے تو یہ تماشا کیوں بنتا۔"[253]

آپ انہیں مزید تنبیہ کرتے ہوئے اور ثبوت اسلام کے لیے محض اشیاء ستہ کی تصدیق کو ناکافی قرار دیتے ہوئے اور تمام ضروریات دین پر ایمان ہونے کو لازم سمجھتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جناب من یہ لوگ غالباً ملحد چکڑالوی کے پیروکار ہوں گے۔ جس کی تکفیر پر علماء وسیع الظرف نے اقدام کیا ہے۔ ان کا اسلام صرف اشیاء ستہ کی تصدیق سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ اگر اشیاء ستہ کی زبانی تصدیق اور قبلہ کی طرف نماز پڑھ لینا ثبوت اسلام کے لیے کافی ہیں خواہ جو کچھ بھی عقیدہ صرف کئے یا زبان سے بکواس کرتا پھرے تو مرزائیوں اور رافضیوں اور وہابیوں نے کونسا قصور کیا ہے کہ علماء محققین نے ان کی اعلانیہ تکفیر کر دی ہے کیا وہ اس قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتے یا اشیاء ستہ کی تصدیق نہیں کرتے۔ سب کچھ کرتے ہیں مگر پھر بھی دائرہ اسلام سے خارج۔"[254]

مرزائیوں اور نیچریوں کی تکفیر کو بطور دلیل پیش کرتے ہوئے سید گانگوی لکھتے ہیں۔

"نیچریوں کو اس زمانہ کے تمام علماء بلکہ حضرت شاہ اسحاق جیسے وسیع الظرف نے کفر کا حکم دے دیا تھا۔ زمانہ حال میں مولانا معین الدین

اجمیری و مولانا انور شاہ صاحب مرحوم نے مرزائیوں کو صرف کافر نہیں بلکہ ملعون مردود وغیرہ القاب دیئے حالانکہ ہیں وہ بھی وسیع الظرف اور مرزائی نہ اشیاء ستہ کے منکر ہیں۔ اور نہ ہی کسی دوسری قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں"۔ (255)

مسئلہ تکفیر میں سید غلام قاسم شاہ کی بدلتی رائے پر انہیں توجہ دلاتے ہوئے اور دیگر فرق کے متعلق ان کی سابقہ رائے کو بنیاد بناتے ہوئے سید گانگوی انہیں تلقین کرتے ہیں۔

"میں حیران ہوں کہ کل تو جناب کے ہاتھ میں گلابیوں کی تکفیر کا فتویٰ تھا جو علماء سے دستخط کراتے پھرتے اور آج کہتے ہیں کہ اہل حدیث کو میں مسلمان جانتا اور اہل قرآن بلاشک وشبہ مسلمان ہیں۔ ان کی تکفیر مخالفت ادلہ قطعیہ اور تنگ ظرفی ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ گلابی کم از کم مقلد حنفی تو ہیں البتہ بعض مسائل میں وہابیوں سے ملنے کی وجہ سے مورد طعن و تشنیع ہیں۔ اور اہل حدیث جسکا دوسرا نام وہابی ان کے کارناموں سے تو زمین و آسمان کانپ رہے ہیں"۔ (256)

بطور خاص دیگر فرق کے مقابل اہل قرآن کی شدید انحرافی روش کو واضح کرتے ہیں

"اور اہل قرآن جس کا دوسرا نام چکڑالوی ہے اس کی بات نہ پوچھئے تمام قرآن شریف کو الٹ پلٹ کر دیا ہے اور حدیث شریف سے قطعی انکار ہے اور رسول اللہ ﷺ مدنی کی کی نسبت وہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جو لکھنے کو زبان اور سننے کو کان گوارہ نہیں کرتے دیکھنے ہوں تو چکڑالوی تفسیر القرآن دیکھ کر اپنا جی ٹھنڈا کر سکتے ہیں۔ اب یہ

توجناب کے نزدیک بلاشبہ وشک مسلمان ہیں توبتایئے کفر کس گدھی کا نام ہوگا اور جناب کو فقہ اکبر کی عبارت اور لاتکفر واہل القبلۃ کی غلط فہمی ہوئی اس کو محققین اصول کی کتابیں دیکھ کر تشفی کر لینی چاہیے اور آیۃ شریفہ فلاوربک آہ کے غور کرنے سے غالباً بہت مشکوک رفع ہو سکتے ہیں۔ ہذا و الباقی عند التلاقی ۔ از ملال تو خائف شدم اور جناب کے استفتاء کو مختصر کر کے جواب از خود لکھا گیاہے جس سے جناب کا دامن اس لوث سے مبرا ہو جائے گا امید ہے کہ اس کو احترام اور وقعت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ فقط"[257]

عنایت اللہ مشرقی (م 1963ء) کے تفردات:

عنایت اللہ مشرقی (المعروف العلامۃ المشرقی) خاکسار تحریک کے بانی امرتسر میں 25اگست 1888ء کو خان عطا محمد خان کے گھر پیدا ہوئے سر سید احمد خان کے ساتھ ان کے قریبی تعلقات تھے۔ صرف انیس سال کی عمر میں 1907ء میں پنجاب یونیورسٹی لاہور سے امتیازی حیثیت کے ساتھ ریاضی میں ایم اے کا امتحان پاس کیا اور سابقہ تمام ریکارڈ توڑ دیئے۔ اور پھر 1909ء میں اسی سال انہیں برطانیہ کی کیمرج یونیورسٹی میں ریاضی کے ٹرائی پوز میں داخلہ مل گیا۔ اس کے بعد انھوں نے ریاضی میں رینگلر کیا۔ قیام کیمرج کے دوران ان کی سائنسی و علمی، خصوصاً مذہبی علوم میں صلاحیتوں کا اعتراف اس وقت کے عالمی شہرت یافتہ ماہر فلکیات پروفیسر جیمز جینز نے برملا کیا۔[258]

علامہ مشرقی 1913ء سے 1915ء تک اسلامیہ کالج پشاور کے وائس پرنسپل

اور 1917ء میں اسی کالج کے پرنسپل مقرر کر دیئے گئے۔ 1920ء تک حکومت ہند کے انڈر سیکرٹری کے طور پر کام کرتے تھے۔ بعد ازاں 1919ء میں ان کا تبادلہ ہائی سکول پشاور بطور ہیڈ ماسٹر کر دیا گیا۔ جب آپ برطانیہ سے تعلیم مکمل کر کے آئے تھے تو ریاست کے مہاراجہ نے آپ کو ریاست کے وزیر اعظم کا منصب پیش کیا تھا، لیکن مشرقی نے اس پیشکش کو محض اس لئے ٹھکرا دیا تھا کہ وہ تعلیم کے میدان میں علمی و تحقیقی خدمات سرانجام دینا چاہتے تھے۔[259]

خاکسار تحریک:

1930ء میں انہوں نے سیاسی عسکری جماعت خاکسار تحریک قائم کی۔ اس سے قبل 1924ء میں اپنی شہرہ آفاق تصنیف تذکرہ کی پہلی جلد مکمل کر چکے تھے۔ اس وقت ان کی عمر چھتیس سال تھی۔ انہوں نے اپنی تصنیف کو تفسیر القرآن کے طور پر پیش کیا۔ 1925ء میں یہ تصنیف نوبل انعام کے لئے اس شرط پر نامزد کی گئی کہ اس کتاب کا ترجمہ کسی یورپی زبان میں کر دیا جائے۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، حالانکہ برطانیہ کے پروفیسر نکلسن نے تذکرہ کا انگریزی زبان میں ترجمہ کرنے کی پیشکش کی تھی۔ مشرقی نے اپنے سیاسی و مذہبی نظریات کی اشاعت کے لئے ایک ہفت روزہ جریدہ الاصلاح بھی لاہور سے جاری کیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر 75 برس تھی اور آخری عمر میں مرض سرطان میں مبتلا تھا۔[260]

مشرقی کی تصانیف اور افکار:

ان کی مشہور تصانیف، تذکرہ، اشارات، تکملہ، ارمغان، حکیم اور حدیث القرآن ہے۔

حدیث القرآن:

اس کتاب کا مقصد مسلمانوں کو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں دعوت عمل دے کر نئی زندگی عطا کرنا اور انہیں خلافت ارضی کے لئے تیار کرنا تھا۔ یہ کتاب مشرقی نے جیل میں 1951ء میں لکھی اور اسے تذکرہ کی دوسری جلد کا ایک حصہ قرار دیا۔[261]

تذکرہ:

یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے اور سرورق پر یہ بھی لکھا ہے کہ تذکرہ یعنی قرآن حکیم کے صحیح مقاصد اور اس کے من جانب اللہ ہونے پر دس جلدوں میں ایک مکمل اور مبسوط علمی تبصرہ جب پہلی جلد شائع ہوئی تو اس وقت تک چھ جلدوں کے مسودات تیار ہو چکے تھے۔ لیکن جلد اول کی اشاعت کے بعد مشرقی نے باقی جلدوں کی اشاعت روک دی اور خود مکمل طور پر سیاسی اور عسکری تنظیم خاکسار کو منظم کرنے میں لگ گئے جبکہ تذکرہ کی دوسری جلد ان کے انتقال کے بعد شائع ہوئی۔[262]

1997ء میں تذکرہ کا تیرہواں ایڈیشن، مشرقی کے فرزند حمید الدین المشرقی نے لاہور سے شائع کیا اور اس کی پرانی ترتیب بدل کر دو کے بجائے تین جلدوں میں مرتب کر دیا، اس اشاعت کے پیش لفظ میں انہوں نے لکھا کہ اس کے بعد تذکرہ کے غیر مطبوعہ حصوں کی اشاعت کی جائے گی۔ جن کے مسودات ادارہ کے پاس محفوظ ہیں۔ مشرقی قرآن حکیم کو خدا کا کلام کہتے ہیں جن میں مسلمانان عالم کو ان کی اجتماعی موت وحیات کے متعلق آخری پیغام دیا گیا ہے اور یہی عبارت تذکرہ کے سرورق پر لکھی ہوئی ہے۔

اس کتاب کے پہلے 144 صفحات عربی زبان میں ہیں جو درحقیقت تذکرہ

کا خلاصہ ہیں اور اسے البلاغ المبین کے نام سے تذکرہ کا افتتاحیہ کہا گیا ہے۔ دیباچہ جس میں علوم القرآن سے متعلق بعض موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔ ایک سو صفحات پر مقدمہ ہے۔ اس میں دیباچہ کی طرح تفسیر سے متعلق مشرقی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جس میں صرف اصول قرآن سے متعلق مباحث نہیں بلکہ دوسرے موضوعات بھی شامل ہیں۔ (263)

علامہ مشرقی کے تفردات:

مشرقی کے نزدیک قرآن قانون ہے اور کسی بھی قانون کی تشریح تاویل اجماع، قیاس اور رائے سے نہیں کی جاسکتی۔ جس طرح قانون اپنی تشریح خود کرتا ہے اسی طرح قرآن بھی اپنی تشریح آپ ہے۔ (264)

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن مکمل کتاب ہے مربوط ہے اس میں کوئی لفظ حشو نہیں کوئی شاعرانہ زوائد نہیں، اس کی لغت خود اس کے اندر موجود ہے، یہ آپ اپنی تفسیر ہے۔ اس کو کسی خارجی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ بظاہر یہ عبارت اس پر دلیل ہے کہ حدیث مشرقی کے نزدیک دلیل نہیں ہے اور نہ ہی تفسیر قرآن میں ان کے نزدیک حدیث کی ضرورت ہے۔ مشرقی قرآن ہی کو اصل مصدر تفسیر مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگ قرآن کے متعلق جو تشریح چاہیں بنالیں اس کی آیات کو توڑ مروڑ کر جو مطلب چاہیں نکال لیں، تاویل کے انبار لگادیں یا مکر کے طومار بکھیر دیں مگر ان کے صحیح اور واحد موتی خود قرآن کے اندر موجود و محفوظ ہیں۔ (265)

مشرقی حدیث کو مآخذ تفسیر نہیں مانتے:

علم تفسیر کے ضمن میں وہ حدیث کو مآخذ تفسیر نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ

قرآن کتاب مبین ہے اور اپنی تفسیر کے لئے حدیث کی محتاج نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حدیث کے شیدائی اس قرآن کی کسی ایک آیت کو بھی صحاح ستہ سے بے نیاز نہیں سمجھتے، مگر اس کا اپنا فیصلہ ہے۔ کیا ان لوگوں کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تمہارا دین نازل کیا، جو ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ اور آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تو اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے، وہ اپنی رائے کو حضرت عمرؓ کے قول سے مدلل کرتے ہیں جو واقعہ قرطاس میں منقول ہے۔ (266)

مشرقی، ملائکہ کے وجود کے بھی قائل نظر نہیں آتے، انہیں خدا کی مقرر کردہ بے پناہ قوتیں کہتے ہیں۔ تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ذی روح انسان والا سجدہ نہیں تھا، کیونکہ خدا اپنے سوا کسی کو سجدے کا حکم نہیں دیتا، بلکہ مراد یہ تھی کہ یہ غیر ذی حس فرشتے انسان کے تابع ہو کر رہیں وہ انہیں خدا کی مقرر کردہ بے پناہ قوتیں کہتے ہیں۔ وہ بجلی، ہوا، پانی اور دوسری قوتوں کو بھی ملائکہ کہتے ہیں اور ان کی تسخیر کو انسان کے سامنے سجدہ کہتے ہیں۔ علامہ مشرقی جنوں سے مراد وہ اشرار صوفیاء وعلماء لیتے ہیں جو حجروں میں چھپے بیٹھے ہیں اور عوام الناس کے عقائد میں فساد پیدا کرکے انہیں بزدل وکمزور بناتے رہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جن کا لفظی مطلب چھپا ہوا ہے اور یہ لوگ اپنے آپ کو حجروں میں چھپا لیتے ہیں اور عوام سے بھی اپنی اطاعت کرواکے انہیں عمل وجہاد سے دور کر دیتے ہیں۔ (267)

علامہ مشرقی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مسئلہ میں بھی جمہور کیخلاف ہے، وہ ان کی پیدائش پر تو کوئی تبصرہ نہیں کرتے، البتہ طبعی موت کے قائل ہیں۔

علامہ مشرقی کی تحریک خاکسار 1940ء کے اوائل پشاور اور دیگر علاقوں تک

مقبول ہو گئی تھی۔ خاکساروں نے برصغیر کے مختلف شہروں میں باری کیمپ لگا کر نظم و ضبط کا مظاہرہ کیا، 19 مارچ 1940ء کو ایک حادثہ پیش آیا 313 خاکساروں کا ایک دستہ جب لاہور میں عالمگیری شاہی مسجد کی جانب جا رہا تھا تو حکومت نے گولی چلانے کا حکم دے دیا اور علامہ مشرقی کو گرفتار کر کے مدراس کی دیلور جیل میں نظر بند کر دیا۔ بہت سے خاکسار جاں بحق اور بہت سے زخمی ہو گئے۔ علامہ مشرقی مجموعی طور پر دس برس تک اسیر زنداں رہے اور آخر 25 اگست 1963ء کو مرض سرطان سے فوت ہوئے۔[(268)]

اس تحریک کا پیغام سادہ اور پر کشش تھا جس نے نوجوان، کم خواندہ، بے روزگار اور نچلے طبقے کو مرعوب کیا جو اچھے خوابوں کا متمنی اور عزت نفس کے ساتھ پہچان کا متلاشی تھا۔ علامہ مشرقی کی شخصیت نے نوجوانوں کو بہت متاثر کیا جو بیک وقت عربی، انگریزی اور اردو میں قادر الکلام خطیب اور ادیب تھے۔ وہ خود وردی پہن کر بیلچے کے ساتھ عام کارکنوں میں گھل مل جاتے۔ تحریک کا کوئی چندہ نہ تھا۔ رہن سہن میں سادگی۔ بازوؤں پر خدمت خلق کا نشان، ایک امیر کی اطاعت، رضا کار کا کام اس کا حکم بجالانا ہے۔ علامہ مشرقی کا یہ بھی کہنا تھا کہ مولوی کا اعتبار نہ کرو۔ اس کے کہنے پر نہ چلو، علامہ مشرقی کی تقریروں، تحریروں اور خاکسار تحریک کے بیلچہ بردار، وردی پوش حربی مظاہروں نے برصغیر بالخصوص پنجاب میں ہل چل مچادی۔ الاصلاح، تحریک خاکسار کا ترجمان تھا۔ علامہ مشرقی نے خدمت خلق کے نعرے کے ذریعے اپنے متبعین کو بتدریج باور کرایا کہ اسی راستے سے ہٹلر کے انداز میں اسلامی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔

علامہ مشرقی اپنی ذہانت اور جوش کو خدمت خلق اور سماجی بہبود تک محدود رکھتے، احرار اسلام یا مسلم لیگ کے ساتھ تصادم سے اجتناب کرتے اور اسلام اور علماء کے ساتھ چھیڑ خانی سے باز رہتے تو ممکن تھا کہ ان کی تحریک نچلے طبقے کو آسودگی اور بہتری دینے کا باعث بن جاتی۔ مگر انہوں نے اپنے عروج میں مولوی کا غلط مذہب کے نام سے سلسلہ وار مضامین میں اسلام کی نئی تشریحات کو اپنایا اور علماء پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔

میانوالی میں مولانا احمد الدین گانگویؒ اور خواجہ محمد اکبر علیؒ کی زیر قیادت انجمن اصلاح المسلمین، انجمن حمایت العرب اور انجمن شعبۃ التبلیغ جیسی سیاسی سماجی اور مذہبی تحریکیں پہلے سے موجود تھیں اور علماء میانوالی کے آستانہ عالیہ سیال شریف، خانوادہ بگوی، جلال پور مشائخ سے گہرے روابط تھے۔ ان روابط ہی کی بدولت مولانا ظہور احمد بگوی کی حزب الانصار اور انجمن اصلاح المسلمین میانوالی کے اشتراک سے خاکساریت کی تردید کے لئے انصار المسلمین یعنی فوج محمدی کے نام سے ایک نئی جماعت قائم کی گئی۔ جس کے ابتدائی تمام اجلاس میانوالی، کالاباغ اور بھیرہ میں منعقد ہوئے۔ ان اجلاسوں کی تمام تفصیلات تذکار بگویہ، فوزالمقال، تاریخ میانوالی، تذکرہ اولیاء میانوالی، جمال فقر، انوار قمریہ، ریگزاروں سے لالہ زاروں تک جیسی کتب میں تفصیلاً دیکھی جاسکتی ہیں۔ صاحبزادہ انوار احمد بگوی رد خاکساریت میں علماء میانوالی کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

خوش قسمتی سے ضلع میانوالی میں چند ایسے مخلص خدام ملت موجود ہیں جن کے ذریعے اصلاح المسلمین کے نام سے ایک باعمل جماعت کا قیام عمل میں آچکا تھا۔

ضلع میانوالی میں مندرجہ ذیل علماء کا وجود مسلمانوں کے لئے باعث برکت ورحمت ثابت ہوا، مولانا گل شیر خان کالاباغ، مولانا احمد الدین گانگوی، مولانا محمد اکبر علی میانوالی، مولانا نور احمد وتہ خیل، مولانا صاحبزادہ محمد فخر الزمان سجادہ نشین کوٹ چاندنہ بن حضرت مولانا نور الزمان، مولانا صاحبزادہ محمد زین الدین سجادہ نشین ترگ شریف، جناب خان اللہ داد خان رئیس عیسیٰ خیل، حضرت مولانا ابوالسعد احمد خان مجددی خانقاہ کندیاں شریف، جناب حکیم عبد المجید سیفی(169)

انجمن اصلاح المسلمین اور اکابرین ضلع میانوالی کی درخواست پر 30 ستمبر 1938ء کو جامع مسجد میانوالی میں مولانا ظہور احمد بگوی صاحب امیر حزب الانصار کا زبردست خطاب ہوا جس سے عام مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں پر بہت اچھے اثرات پڑے اسی روز اکابرین کے مشورے سے رضاکاران اسلام کی بھرتی کا پروگرام مرتب کیا گیا اور اس کے دوسرے دن اسلامی تنظیموں کا عملی کام شروع کر دیا گیا عیسیٰ خیل، ترگ، موچھ، کالاباغ، کوٹ چاندنہ، ٹھٹھی ودیگر مقامات پر رضاکاران کے جیوش مرتب ہوگئے پندرہ روز کے اندر وردیاں بھی تیار ہوگئیں اور اسی عرصہ میں ترکی زبان میں فوجی پریڈ بھی شروع ہوگئی۔

22 اکتوبر 1938ء کو تین سو سے زیادہ رضاکاران نے عید گاہ میانوالی کے وسیع میدان میں منظم طریقے پر حربی پریڈ کی جس کو دس بارہ ہزار اشخاص نے دیکھا۔ درج ذیل اصحاب باہر سے شامل ہوئے۔ حضرت مولانا ظہور احمد بگوی، مولانا عبد الرحمن میانوی، مولانا پیر منیر شاہ خوشابی، مولانا محمد علم الدین خطیب جامع مسجد کیمبل پور، مولانا سید محمد بخش سوکڑی اور مولانا صاحبزادہ نور الحسن۔ دو دنوں کے اجتماعات سے

علماء کرام نے خطاب کیا اور خاکساریت کی قلعی کھول دی۔[270]

23 اکتوبر کے آخری اجلاس میں اتفاق رائے سے یہ قراردادیں منظور ہوئیں:

1۔ اسلامیان میانوالی کا یہ نمائندہ اور عظیم الشان اجتماع مسٹر عنایت اللہ مشرقی کے کفر پرور، اسلام سوز اور ملحدانہ رویے کیخلاف رنج و نفرت کا اظہار کرتا ہے اور حکومت پنجاب کے ذمہ دار ارکان کو متنبہ کرتا ہے کہ اس کے کسی مطالبہ کو بھی مسلمانان پنجاب کا مطالبہ قرار نہ دے۔ مسٹر مشرقی کو مسلمانوں کی نمائندگی کا حق ہرگز حاصل نہیں ہے۔ نیز مسلمانان پنجاب کبھی گوارہ نہیں کرسکتے کہ حکومت کی طرف سے مشرقی کو ملحدانہ پراپیگنڈہ کے لئے آسانیاں بہم پہنچائی جائیں یا اسلامی بیت المال کا ادارہ اس کے حوالے کیا جائے۔ لہٰذا یہ اجلاس مشرقی کے پیش کردہ مطالبات سے بے زاری کا اعلان کرتا ہے۔

2۔ اسلامیان ضلع میانوالی کا یہ نمائندہ اجتماع اعلان کرتا ہے کہ سنٹرل اسمبلی کے جن مسلم ارکان نے اسلام اور ملک کے مفاد سے غداری کرکے فوجی بل کے حق میں ووٹ دیئے ہیں انہوں نے مسلم ووٹران کے جذبات کا ہرگز احترام نہیں کیا۔ ایسے غداران اسلام مسلمانوں کی نمائندگی کا قطعاً حق نہیں رکھتے۔

3۔ مسلمانان ضلع میانوالی کا یہ شاندار نمائندہ اجتماع سرحد اور فلسطین کے مظلوم باشندگان کے ساتھ کامل ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے حکومت برطانیہ کی مسلم آزار روش کیخلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔

4۔ مسلمانان ضلع میانوالی کا یہ شاندار نمائندہ اجتماع حکومت پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ ضلع میانوالی کے ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل بورڈوں میں نامزدگی کو جلد

از جلد ختم کر کے انتخابی اور نمائندہ دستور جاری کیا جائے۔[271]

اجتماع میانوالی کے اہم فیصلے:

چونکہ اجتماعی مظاہرے کا آغاز اور شاندار اہتمام میانوالی سے ہوا تھا اس لئے اکابرین نے طے کیا کہ جگہ جگہ پھیلی انفرادی کوششوں کو ایک مضبوط مرکزی سلسلے کے ساتھ مربوط کر دیا جائے چنانچہ اس مقصد کے لئے درج ذیل فیصلے کئے گئے۔
(1) امیر حزب انصار کی جانب سے ضلع میانوالی کی اسلامی جماعتوں کو ہر قسم کی عملی امداد وراہنمائی (2) جریدہ شمس الاسلام کے بھرپور تعاون کی یقین دہانی اور نشر واشاعت کی آسانی (3) رضاکاروں کی جماعت کا نام انصار الاسلام یعنی فوج محمدی ہو گا (4) راہنمائی کے لئے ایک مجلس مشاورت کی تشکیل (5) دستور اساسی اور دستور العمل کی تدوین اپنے طویل مضمون کے آخر میں حزب الانصار کے مبلغ اور سالار جیوش فوج محمدی، مولانا عبد الرحمان میانوی لکھتے ہیں۔

> میانوالی کے اس اجتماع کی مفصل روداد درج کرنے سے ہمارا اصلی مقصد یہ ہے کہ دیگر مقامات کے مسلمان بھی اس عملی مثال اور کارکردگی کو دیکھ کر خواب غفلت سے بیدار ہوں اور مسلم نوجوانوں کی تنظیم کر کے ان میں عسکریت کا جذبہ پیدا کریں اور ان کے دلوں میں اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اپنی زندگیاں وقف کرنے کا جذبہ پیدا کریں جو حضرات اپنے ہاں ایسی جماعت قائم کرنا چاہیں وہ حضرت امیر حزب اللہ کو اپنے عزائم سے مطلع کریں۔[272]

اجتماع میانوالی کے بعد صوبہ بھر میں جگہ جگہ تبلیغی اور تنظیمی سرگرمیاں تیز تر

ہو گئیں۔ اجتماع جمعۃ الوداع کے دن بھیرہ میں جیوش حزب الانصار (فوج محمدی) نے شاندار جلوس نکالا۔ درج ذیل قرارداد اختتامی اجتماع میں پاس کی گئی۔

حکومت پنجاب کو انتباہ:

مسلمانوں کی مذہبی روح کو کچلنے کے لئے ماسٹر عنایت اللہ مشرقی نے جو پروگرام تیار کیا ہے اس کے متعلق واقف حال اور رازداں اصحاب پہلے ہی رائے قائم کر چکے ہیں کہ سابق انڈر سیکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا حال گورنمنٹ پنشنرز کا کوئی اقدام گورنمنٹ کے منشا کیخلاف نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں کو انگریز کے در پر جھکنے کی تعلیم دینے والا اور انگریز کو کامل مومن و مسلم قرار دینے والا مشرقی چاہتا ہے کہ گورنمنٹ از روئے قانون اسے مسلمانوں کا امیر تسلیم کرے اور حکومت بذریعہ قانون تمام مسلمانوں سے زکوٰۃ وصدقات فراہم کر کے اس کے بیت المال میں داخل کرے اور الحاد و دہریت کی اشاعت کے لئے اسے براڈ کاسٹنگ سٹیشن قائم کرنے کی اجازت عطا کرے۔ عرصہ ایک سال سے ان امور کے متعلق حکومت کے ساتھ مشرقی کا راز و نیاز کا سلسلہ جاری تھا اب سنا گیا ہے کہ حکومت کے ارکان مشرقی کے ان مطالبات کو تسلیم کرنے پر آمادہ ہو چکے ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حکومت پنجاب کو مسلمانان پنجاب کی طرف سے زبردست اور مسلسل مخالفانہ جدوجہد کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔ مسلمان کسی صورت میں بھی زکوٰۃ کا روپیہ مشرقی کے حوالہ کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر جگہ جلسے کر کے حکومت پنجاب کو مشرقی کے مطالبات تسلیم کرنے کے نتائج سے آگاہ کریں اور قراردادوں کی نقول اخبارات کے علاوہ وزیر اعظم پنجاب کے پاس بھی روانہ کریں۔ (273)

مجلس مشاورت کالاباغ:

اب تک تردید خاکساریت کے لئے جہاں جہاں کام ہو رہا تھا اسے مربوط بنانے کی ضرورت تھی، چنانچہ 15 جون 1939ء کو کالاباغ میں محمدی فوج کی مجلس مشاورت میں درج ذیل اصحاب شامل ہوئے۔ حضرت مولانا صاحبزادہ فخر الزمان کوٹ چاندنہ، حضرت مولانا احمد الدین سجادہ نشین مکھڈ شریف، حضرت علامہ مولانا زین الدین سجادہ نشین ترگ شریف، ڈاکٹر سید محمد شاہ ٹھٹھوی، جناب قاضی منظور حسین بھیں، خان اللہ داد خان عیسیٰ خیل، مولانا گل شیر خان کالاباغ، مولانا محمد داؤد ٹیکسلوی، مولانا افتخار احمد بگوی بھیرہ اور دیگر مجالس کے نمائندگان۔

اتفاق رائے سے درج ذیل فیصلے کئے گئے:

عسکری تنظیم کے قائد اعظم مولانا صاحبزادہ محمد فخر الزمان کوٹ چاندنہ ضلع میانوالی☆ قاضی منظور حسین بھیں، نائب قائد اعظم ☆امیر العساکر حلقہ شرقی مولانا افتخار احمد بگوی☆ امیر العساکر حلقہ غربی ڈاکٹر سید محمد شاہ ٹھٹھوی☆ امیر العساکر حلقہ شمالی مولانا محمد جان ٹیکسلوی☆ ادارہ عالیہ عسکریہ محمدیہ کا صدر مقام ٹیکسلا ہوگا☆ رضاکاروں کی وردی خاکی رنگ اور سر کے لئے سرخ رنگ کی ترکی ٹوپی ہوگی ☆ ہر مجاہد اور ہر معاون اپنے بازو پر سبز رنگ کا نشان نصرت چسپاں کرے گا☆ محمدی فوج کا منظور شدہ جھنڈا ادارہ عالیہ کی طرف سے ہر مجلس کو ملے گا۔[274]

تنظیم و عسکریت:

درج بالا مرکزی ڈھانچے کی تشکیل، مختلف اضلاع میں قائم کردہ فوج محمدی کی

مصروفیات اور مرکزی ادارہ حزب الانصار بھیرہ / ادارہ عالیہ محمدیہ عسکریہ ٹیکسلا کی بھرپور تحریری، تقریری اور تنظیمی سرگرمیوں سے یہ تحریک پھیلنے لگی۔ اور شہر شہر گاؤں گاؤں شاخیں قائم ہونے لگیں۔

خاکساری مذہب (نو) حصے

اس دوران حضرت مولانا بگویؒ کا تحریر کردہ کتابچہ "خاکساری مذہب نمبر 1" ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہو رہا تھا۔ آپ نے کتابچے کے بقایا آٹھ حصے بھی تالیف کر دیئے تھے۔ مگر سرمائے کی کمی کے سبب ابھی طبع نہیں ہو سکے تھے۔ البتہ خاکساریت کے خلاف عام لٹریچر خوب تقسیم ہوا، اور جگہ جگہ کارکن اور مبلغ سرگرم عمل رہے۔

ادارہ عالیہ محمدیہ عسکریہ کا قیام اور اثرات:

علماء کی تحریروں اور تقریروں اور عملی مظاہروں سے مسلمانوں میں تنظیم اور عسکریت سے تعارف اور تعلق پیدا ہو رہا تھا۔ علماء اور عوام باہم دگر اور ایک دوسرے کو سمجھ رہے تھے اور قریب آ رہے تھے۔ ان مساعی سے درج ذیل نتائج بر آمد ہوئے۔

"مسلم نوجوانوں میں صحیح اسلامی اصولوں کے ماتحت تنظیم و عسکریت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے فوج محمدی قائم کی گئی تھی۔ فوج محمدی کے سپاہیوں کو انصار الاسلام کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انصار الاسلام کی تحریک خدا کے فضل وکرم سے سرعت کے ساتھ پھیل رہی ہے۔ اب تک کئی ہزار نوجوان اس سلسلہ میں منسلک ہو چکے ہیں۔ مورخہ 17 اپریل کو بمقام ٹیکسلا قائدین تحریک کا ایک جلسہ مشاورت منعقد ہوا۔ انصار الاسلام کی عسکری تنظیم کو کامیاب بنانے کے لئے ادارہ اسلامیہ عسکریہ، قائم کیا گیا ہے۔ فی الحال ادارہ کا مرکز

ٹیکسلا قرار پایا ہے اور مولانا محمد داؤد ناظم اور حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین سجادہ نشین ترگ ضلع میانوالی ناظم احتساب منتخب ہوئے ہیں۔ حزب الانصار کے امیر حضرت مولانا ظہور احمد بگوی کو امیر مقرر کیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو ہر جگہ انصار الاسلام کی تحریک کو فروغ دینا چاہیے۔ ادارہ اسلامیہ عسکریہ کی شاخیں تمام ملک میں قائم ہونا ضروری ہیں۔ جہاں جہاں مسلم نوجوان کسی اسلامی عسکری نظام میں منسلک ہونے کے خواہش مند ہوں وہ مولانا محمد داؤد ناظم ادارہ اسلامیہ عسکریہ ٹیکسلا ضلع راولپنڈی سے خط و کتابت کریں۔ حزب الانصار کے ارکان اسلام کے عسکری نظام کو ملک کے طول و عرض میں قائم کرنا چاہتے ہیں۔ نئے نئے فتنوں بالخصوص فتنہ مشرقیت کا مقابلہ کرنے کے لئے ایسی تنظیم کا وجود بے حد ضروری ہے۔ ادارہ اسلامیہ عسکریہ نے پنجاب کے بڑے بڑے شہروں میں فوجی مظاہروں اور عسکری کیمپ لگانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس وقت تک چھ ماہ کے عرصہ میں پانچ ہزار سے زائد نوجوان اس تحریک میں شامل ہو چکے ہیں۔ میانوالی، بھیرہ، ٹیکسلا، ہری پور ہزارہ و دیگر مقامات پر فوجی مظاہرے نہایت کامیاب رہے ہیں۔ جو لوگ اس نازک دور میں اسلام کے تحفظ اور مسلمانوں کی سربلندی کا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہیں انہیں بہت جلد اس مبارک تحریک میں شامل ہو جانا چاہیے"۔ (275)

ادارہ عالیہ کے اہم اعلانات اور ہدایات:

بحوالہ شمس الاسلام۔ جون 1939ء اشتراک عمل، تعاون علی الخیر، ضرورت تنظیم و وحدت عمل اور خدمت کی اعلیٰ مثال:

(1) انصار الاسلام کا فرض ہے کہ جریدہ شمس الاسلام بھیرہ، جریدہ ضیاء الاسلام گلوالی دروازہ امر تسر جریدہ الارشاد امر تسر، جریدہ الفلاح چھوٹی لال کڑتی پشاور، جریدہ الاسلام کولوٹولہ کلکتہ کی سر پرستی کریں۔ یہ جرائد خاکساریت والحاد کی تردید کے لئے جاری ہوئے ہیں۔ اپنے حلقہ کی کارگزاری کی رپورٹیں بھی اشاعت کے لئے ان جرائد میں ارسال کیا کریں اور ان جرائد کی توسیع اشاعت کو اپنا مذہبی فرض قرار دیں۔

(2) ڈی آئی خان، بنوں اور میانوالی کے اضلاع میں جس قدر انصار الاسلام (فوج محمدی) کی جماعتیں قائم ہو چکی ہیں وہ پریڈ سکھلانے کے لئے حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین سجادہ نشین ترگ ضلع میانوالی ناظم اعلیٰ احتساب سے امداد طلب کریں حضرت ممدوح ان کے پریڈ کرانے والے عسکری کو روانہ کر دیں گے دیگر امور کے متعلق ان اضلاع کی جماعتیں حضرت صاحبزادہ محمد فخر الزمان شاہ صاحب سجادہ نشین کوٹ چاندنہ ڈاکخانہ کالاباغ سالار اعظم محمدی فوج سے مشورہ طلب کر سکتی ہیں۔

(3) خدمت خلق اور دیگر کارگزاری کی ہفتہ وار رپورٹ مولانا محمد داؤد ناظم امور ادارہ محمدیہ عسکریہ ٹیکسلا ضلع راولپنڈی کے پاس ہر جماعت کا ناظم ارسال کر دیا کرے۔

(4) انصار الاسلام کے نشانات بازو پر چسپاں کرنے کے لئے دفتر جریدہ شمس الاسلام بھیرہ سے طلب کئے جائیں، نشان کی قیمت دو پیسہ فی نشان مقرر کی گئی ہے۔ جمیع معاونین وانصار کو چاہیے کہ نصرت اسلام کا یہ امتیازی نشان اپنے بازو پر چسپاں کرے۔

فوج محمدی میانوالی کی کابینہ:

تمام مجالس اسلامیہ کی متفقہ مرکزی مجلس، امیر حزب الانصار کی مشاورت سے طے کی گئی:۔

☆ صدر (جناب اللہ داد خان رئیس عیسیٰ خیل) ☆ مفتی اعظم (جناب مولانا محمد زین الدین ترگ) ☆ ناظم عمومی (محمد اکبر خان خنکی خیل) ☆ ناظم تعلیمات (حافظ مولوی غلام جیلانی میانوالی) ☆ سالار اعظم (حضرت مولانا پیر سید محمد فخر الزمان شاہ صاحب کوٹ چاندنہ)[276]

اسی افواج محمدی کی تنظیمی تبلیغی اور عسکری پھیلاؤ کی وضاحت کے لئے ان چند مقامات کے نام درج کئے جاتے ہیں جہاں پر افواج محمدی اپنے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے سرگرم عمل تھی۔

ایبٹ آباد، راولپنڈی، کیمبل پور، بنوں، میانوالی، سندھ، صوبہ یوپی ہندوستان، ڈھاکہ بنگال، کلکتہ، ملتان، جہلم، چنیوٹ، ڈیرہ اسماعیل خان، ٹانک، کشمیر وغیرہ

رضاکاران اسلام کا حربی مظاہرہ:

جریدہ شمس الاسلام بھیرہ اپریل 1939ء، ص 15 میں حربی مظاہرہ کی رپورٹ درج ذیل ہے۔

اس دفعہ سالانہ کانفرنس کے موقع پر رضاکاران اسلام کا حربی مظاہرہ بے حد کامیاب رہا۔ مسلم نوجوانان میں تنظیم و عسکریت کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے حزب الانصار کے مخلص کارکنان کی مساعی بار آور ہوئیں۔ اسلامی اصول کے ماتحت مسلم نوجوانوں کا تنظیم کا کام وقت کے اہم اور ضروری مسائل میں سے ہے۔ بھیرہ کے انصار الاسلام کے علاوہ علاقہ چکوال کے خدام الاسلام کی جماعت بسر کردگی قاضی منظور حسین صاحب اللہ کا ورد کرتی ہوئی بھیرہ میں وارد ہوئی۔ ضلع میانوالی کے مقامات ترگ، عیسیٰ خیل اور ٹھٹھی کے رضاکاروں

(فوج محمدی) کی جماعتیں حضرت صاحبزادہ محمد زین الدین مکھڈوی وصوفی اللہ داد خان رئیس اعظم عیسیٰ خیل، ڈاکٹر سید محمد شاہ نائب سالار اعظم فوج محمدی کی سرکردگی میں پیدل سفر کرکے بھیرہ پہنچ گئیں۔ انجمن انصار المسلمین ٹیکسلا کے رضاکاروں نے دوسو میل کاسفر سائیکلوں پر طے کیا۔ کانفرنس کے ایام میں رضاکاران کا حربی مظاہرہ اور انصار المسلمین کے حربی کیمپ کا نظارہ مسلمانوں میں حیات نو پیدا کررہا تھا۔ فوج محمدی نے فوجی پریڈ کا بہترین نظارہ پیش کیا۔ انصار المسلمین نے مصنوعی جنگ میں اپنی حیرت انگیز تنظیم کا مظاہرہ کیا۔ حزب الانصار کی طرف سے مولانا محمد داؤد ٹیکسلوی، ڈاکٹر سید محمد شاہ، قاضی منظور حسین صاحب وجملہ رضاکاران کاشکریہ اداکیاجاتاہے۔ یہ تمام حضرات خاص طورپر ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں۔(277)

مورخہ 25-24 فروری ہر دور وز بعد نماز عصر عید گاہ کے سامنے کھلے میدان میں اڑھائی میل کے محاذ میں رضاکاران اسلام نے مصنوعی جنگ کاشاندار نظارہ پیش کیا۔ کم وبیش تیس ہزار انسانوں نے اس منظر کامشاہدہ کیا۔ رضاکاروں کامورچے قائم کرنا، فائرنگ اور گولہ اندازی کرتے ہوئے آہستہ آہستہ بڑھنا، غنیم کا محاصرہ کرنا۔ زخمیوں کی طبی امداد کا مکمل انتظام۔ غنیم کی گرفتاری اور خالص اسلامی جذبات کا اظہار غرض جملہ مناظر ولولہ انگیز اور زندگی بخش تھے۔ ان کوششوں سے محمدی فوج کی تحریک دن بدن مقبول ہوتی اور شہر شہر پھیلتی چلی گئی۔(278)

تحریک خاکسار کی تردید میں پیش پیش رہنے والے علماء وعمائدین میانوالی میں سے اکثر مولانا گانگوی کی فکری، تدریسی اور تحریکی خدمات کے زیر سایہ تربیت پاتے

رہے۔ انجمن اصلاح المسلین ، انجمن اسلامیہ ، تحریک خلافت و دیگر تحریکات کی سرپرستی اور قیادت کی وجہ سے مولانا گانگوی کو ایک امتیازی حیثت حاصل تھی۔ تحریک خاکسار کے رد میں علماء میانوالی کے بھرپور کردار کی وجہ بھی آپ ہی تھے۔

خلاصہ:

برصغیر میں جدید معتزلہ کا ظہور انحرافی تحریک کی ایک کڑی تھی۔ جدید معتزلہ کے افکار و نظریات کی بنیاد انکار سنت و حدیث پر تھی۔ اس تحریک کے اولین بانی سرسید احمد خان تھے اور بانی ثانی شیخ عبد اللہ چکڑالوی تھے جنہوں نے حجیت سنت کا مکمل انکار کرتے ہوئے فرقہ اہل قرآن کی بنیاد ڈالی۔

برصغیر میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے لئے اہل حدیث کے مقابلے میں اہل قرآن کی اصطلاح استعمال کی ان کے والد قاضی نور عالم اہل حدیث مکتب فکر کے مشہور عالم تھے علاقہ کے قاضی، مفتی، امام اور خطیب تھے 1865ء میں عبد اللہ چکڑالوی دہلی چلے گئے، جہاں ڈپٹی نذیر احمد کی شاگردی اختیار کی اور وہیں سرسید کے افکار و نظریات کا مطالعہ کیا اور ان سے اس قدر متاثر ہوئے کہ مسلک اہل حدیث ترک کر دیا اور اہل قرآن کی اصطلاح اپنے لئے اختیار کی اور نام تبدیل کر کے غلام نبی سے عبد اللہ چکڑالوی بن گئے۔

1880ء کی دہائی میں عبد اللہ چکڑالوی ہندوستان سے فارغ التحصیل ہو کر اپنے آبائی علاقہ چکڑالہ واپس پلٹے تو اس وقت یہاں کی اکثریت حنفی مسلک اور صوفی المشرب تھی۔ عبد اللہ چکڑالوی، سید نذیر حسین دہلوی کے شاگرد ہونے کی وجہ سے مسلک اہل حدیث اختیار کر چکے تھے۔ ابھی تک عبد للہ چکڑالوی، قاضی غلام نبی

چکڑالوی کے نام سے موسوم تھے جو ان کے والد نے رکھا تھا۔ عبد اللہ چکڑالوی نے جگہ جگہ تقریروں میں تصوف اور تقلید کا رد شروع کر دیا۔ علماء میانوالی نے سید احمد الدین گانگوی سے انکار تقلید کا سدباب کرنے کا مطالبہ کیا اس پر مولانا گانگوی نے نواب صدیق حسن خان بھوپالی، سید نذیر حسین دہلوی اور مولانا عبد اللہ چکڑالوی کے رد میں بزبان عربی نور الایمان فی تائید مذہب النعمان کے نام سے ایک معرکہ آراء کتاب تصنیف فرمائی۔ چونکہ مولانا چکڑالوی نے ابھی تک حجیت حدیث اور محدثین کا انکار نہیں کیا تھا اس لئے مولانا گانگوی نے محدثین اور فقہاء کی صدیوں پر مشتمل روایت سے اجتہاد اور تقلید کے قضیوں کو معقولی انداز میں سمجھانے کی سعی کی۔

آپ نے انحرافی رویوں کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی اور واضح کیا کہ کسی نااہل شخص کو دینی مسند پر بٹھایا جانا اس کا بنیادی سبب ہے۔ آپ قدیم علماء کے ہاں پائی جانے والی اس علمی روایت کو شد و مد سے بیان کرتے ہیں کہ نااہل شخص کو دین کا علم نہ سکھایا جائے۔ حصول علم دین سے پہلے ضروری ہے کہ خواہش مند طالب علم کی ذہنی صلاحیت کا امتحان لیا جائے کہ آیا یہ شخص اس قابل ہے کہ اسے اصول دین پڑھائے جائیں اور تکمیل علوم کے بعد پھر یہ پرکھا جائے کہ درسیات مکمل کرنے والا ایک فاضل اب اس قابل ہے کہ یہ بحیثیت معلم و مبلغ لوگوں تک اس دین کو پہنچائے۔ مولانا گانگوی نے اپنی تصانیف میں علوم دین کے حوالے سے بیان کردہ اس معیار کو جابجا ذکر کیا ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ اگر اس پیمانے پر عمل کیا جائے تو انتشار و افتراق بین المسلمین سے بچا جا سکتا ہے۔

مولانا احمد الدین گانگوی کی اس معرکۃ الاراء تحقیقی کاوش سے مولانا عبد اللہ

چکڑالوی کے لئے انکار تقلید پر دلائل دینا مشکل ہو گیا۔ چونکہ ابھی تک مولانا چکڑالوی بھی حجیت حدیث کے قائل تھے۔ لہٰذا محدثین اور فقہا کے منصوصی اور معقولی دلائل سے وہ گھائل ہو گئے۔ یہاں سے عبد اللہ چکڑالوی نے ایک قدم مزید آگے بڑھایا اور انکار تقلید کے ساتھ ساتھ انکار حدیث بھی کر دیا۔ حجیت حدیث کے انکار پر علاقائی علماء نے ان کی تکفیر کر دی۔ مولانا چکڑالوی نے اپنا نام قاضی غلام نبی سے عبد اللہ چکڑالوی اختیار کر لیا۔ چکڑالہ میں ان کے اکثر مباحثے اور مناظرے قاضی قمر الدین محدث چکڑالوی سے ہوئے۔ جو مولانا گانگوی سے مل کر مولانا چکڑالوی کے خلاف علاقائی علماء کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کر چکے تھے۔

مولانا عبد اللہ چکڑالوی نے مسلک اہل قرآن کی بنیاد رکھی تو علاقہ سے کوئی بھی شخص اس کی حمایت کے لیے تیار نہ ہوا۔ حتیٰ کہ بیٹے بھی حمایت سے دستبردار ہو گئے۔ صرف ایک پوتا ان کے مسلک پر آخری دم تک رہا۔ سید احمد الدین گانگوی اور قاضی قمر الدین چکڑالوی کی مساعی سے علماء میانوالی کے مابین اتحاد و اتفاق کی فضا قائم ہوئی اور تمام علماء نے ملکر مولانا چکڑالوی کے نظریات کا رد کیا۔

مولانا عنایت اللہ المشرقی اور ان کی تحریک خاکسار کی تردید میں سید احمد الدین گانگوی نے انجمن اصلاح المسلمین کے پلیٹ فارم سے علماء میانوالی کے شانہ بشانہ جدوجہد کی۔ علامہ مشرقی کی تقریروں، تحریروں اور خاکسار تحریک کے بیلچہ بردار، وردی پوش حربی مظاہروں نے برصغیر بالخصوص پنجاب میں ہل چل مچادی۔ الاصلاح، تحریک خاکسار کا ترجمان تھا۔ علامہ مشرقی اپنی ذہانت اور جوش کو خدمت خلق اور سماجی بہبود تک محدود رکھتے، احرار اسلام یا مسلم لیگ کے ساتھ تصادم سے

اجتناب کرتے اور اسلام اور علماء کے ساتھ چھیڑ خانی سے باز رہتے تو ممکن تھا کہ ان کی تحریک نچلے طبقے کو آسودگی اور بہتری دینے کا باعث بن جاتی۔ مگر انہوں نے اپنے عروج میں مولوی کا غلط مذہب کے نام سے سلسلہ وار مضامین میں اسلام کی نئی تشریحات کو اپنایا اور علماء پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔

میانوالی میں مولانا احمد الدین گانگویؒ اور خواجہ محمد اکبر علیؒ کی زیر قیادت انجمن اصلاح المسلمین، انجمن حمایت العرب اور انجمن شعبۃ التبلیغ جیسی سیاسی سماجی اور مذہبی تحریکیں پہلے سے موجود تھیں اور علماء میانوالی کے آستانہ عالیہ سیال شریف، خانوادہ بگوی، جلال پوری مشائخ سے گہرے روابط تھے۔ ان روابط ہی کی بدولت مولانا ظہور احمد بگوی کی حزب الانصار اور انجمن اصلاح المسلمین میانوالی کے اشتراک سے خاکساریت کی تردید کے لئے انصار المسلمین یعنی فوج محمدی کے نام سے ایک نئی جماعت قائم کی گئی۔

سید احمد الدین گانگوی نے فرقہ ءاہل قرآن کی تردید میں کتب ورسائل لکھ کر اپنی آراء کا اظہار کیا اور خاکساریت کی تردید میں عملی اور تنظیمی کردار ادا کیا۔

حوالہ جات

1۔ مبارک حسین مصباحی، افتراق بین المسلمین، مرکزی مجلس رضا، لاہور، 2004ء، ص110
2۔ عبد الحکیم شرف قادری، شیشے کے گھر، مرکزی مجلس رضا، 1986ء، ص38-39
3۔ اشرف علی تھانوی، حکایات اولیاء، دار الاشاعت کراچی، ص120
4۔ ایضاً، ص103
5۔ محمد عبد الحکیم شرف قادری، شیشے کے گھر، مرکزی مجلس رضا، لاہور، ص40
6۔ مبارک حسین مصباحی، افتراق بین المسلمین، مرکزی مجلس رضا، لاہور، 2004ء، ص29
7۔ ایضاً، ص29
8۔ سر سید احمد خاں، مقالات سر سید، مجلس ترقی ادب لاہور، ج9، ص178
9۔ مبارک حسین مصباحی، افتراق بین المسلمین، مرکزی مجلس رضا، لاہور، 2004ء، ص131-133
10۔ سید احمد الدین گانگوی، لوامع الضیاء فی علوم سید الانبیاء، قلمی، ص3
11۔ سورۃ اعراف:187
12۔ سورۃ اعراف:188
13۔ سورۃ نمل:65
14۔ سورۃ لقمان:34
15۔ سورۃ انعام:50
16۔ مولانا نظام الدین ملتانی، القول الجلی فی رد حسین علی، ص2-3-4
17۔ سید احمد الدین گانگوی، لوامع الضیاء فی علوم سید الانبیاء، قلمی، ص10
18۔ ایضاً
19۔ ایضاً، ص11
20۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوب العتابیہ، قلمی، ص24
21۔ ایضاً

22۔ سید احمد الدین گانگوی، لوامع الضیاء فی علوم سید الانبیاء، قلمی، ص27
23۔ ایضاً، ص27-29
24۔ ایضاً، ص29
25۔ سید احمد الدین گانگوی، لوامع الضیاء فی علوم سید الانبیاء، قلمی، ص29
26۔ ایضاً، ص30
27۔ ایضاً، ص25
28۔ جمالی، مولانا محمد حیات، دستور العمل، رسالہ شمس الاسلام، اختر پریس سرگودھا، ج3، بابت ماہ نومبر دسمبر1926، ص13۔20
29۔ سید احمد الدین گانگوی، لوامع الضیاء فی علوم سید الانبیاء، قلمی، ص7-8
30۔ ایضاً، قلمی، ص27-29
31۔ اشتہار، قلمی، المشتہر: منشی فاضل ومولوی فاضل محمد اکبر ضلع جہلم حال وارد ساڑہ روغہ (وزیرستان)، پریس ڈیرہ اسماعیل خان، س ن
32۔ سورۃ جن:26
33۔ اشتہار، قلمی، المشتہر: منشی فاضل ومولوی فاضل محمد اکبر ضلع جہلم حال وارد ساڑہ روغہ (وزیرستان)، پریس ڈیرہ اسماعیل خان، س ن
34۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوب العتابیہ، قلمی، ص5
35۔ سید احمد الدین گانگوی، مجموعۃ الفتاویٰ، قلمی، ش1
36۔ سورۃ جن:26-27
37۔ سید احمد الدین گانگوی، مجموعۃ الفتاویٰ، قلمی، ش1
38۔ سورۃ جن:26-27
39۔ سید احمد الدین گانگوی، مجموعۃ الفتاویٰ، قلمی، ش1
40۔ انجمن اسلامیہ میانوالی کی بنیاد مولانا احمد الدین گانگوی نے رکھی تھی۔ مذکورہ جلسے کے منتظمین میں مولانا امیر علی گانگوی، مولانا نور محمد ہاشمی اور مولانا سید غلام قاسم شاہ شامل تھے اور تینوں مولانا گانگوی کے شاگرد تھے۔
41۔ ملا نظام الدین ملتانی، القول الجلی، اقبال سٹیم پریس لاہور، 1925ء، ص1
42۔ سید احمد الدین گانگوی، لوامع الضیاء فی علوم سید الانبیاء، قلمی، ص12
43۔ پپلانوی، مفتی محمد حسین شوق، ایضاح الادلۃ لجواز ما اھل، پپلاں: شعبہ تبلیغ واشاعت جامعہ محمودیہ رضویہ، ص4

44۔ پپلانوی، غلام محمود نجم الرحمن، لاہور: بابانور محمد چھاپا، 1927، ص78۔79
45۔ نظامی، محمد زین الدین، نجم الہدیٰ، ملتان، سید الیکٹرک پریس، س ن، ص110-111
46۔ سید احمد الدین گانگوی، لوامع الضیاء فی علوم سید الانبیاء، قلمی، ص9
47۔ سید احمد الدین گانگوی، لوامع الضیاء فی علوم سید الانبیاء، قلمی، ص12
48۔ مفتی محمد حسین شوق پپلانوی، ایضاح الادلۃ لجواز ما اھل، ص2
49۔ ایضاً، ص3
50۔ ایضاً، ص4
51۔ گانگوی مجموعہ مکاتیب، قلمی، میانوالی، شمس العلوم لائبریری، ش13، م ن 103
52۔ ایضاً، ش14، م ن 104
53۔ گانگوی مجموعہ مکاتیب، قلمی، میانوالی، شمس العلوم لائبریری، ش15، م ن 105
54۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص21
55۔ ایضاً، ص22
56۔ سورۃ النساء:65
57۔ سورۃ النساء:115
58۔ گانگوی مجموعہ مکاتیب، قلمی، میانوالی، شمس العلوم لائبریری، ش16، م ن 106
59۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوب العتابیہ، قلمی، ص198
60۔ ایضاً، ص179
61۔ سید احمد الدین گانگوی، مباحث علم غیب، قلمی، ص1
62۔ ایضاً
63۔ ایضاً
64۔ سید احمد الدین گانگوی، مباحث علم غیب، قلمی،، ص3
65۔ ایضاً، ص4
66۔ ایضاً
67۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوب العتابیہ، قلمی، ص221
68۔ ایضاً ص222
69۔ ایضاً، ص223
70۔ ایضاً، ص224
71۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوب العتابیہ، قلمی، ص225

72۔ ایضاً، ص224
73۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوب العتابیہ، ص224
74۔ ایضاً، ص24
75۔ ایضاً
76۔ اشتہار، تقویٰ بجواب فتویٰ، م / منور الدین، ک / علی محمد، پرتاب پریس، لائل پور
77۔ ایضاً
78۔ اشتہار، تقویٰ بجواب فتویٰ، م / منور الدین، ک / علی محمد، پرتاب پریس، لائل پور
79۔ اشتہار، غایۃ القصویٰ فی توضیح مافی تقویٰ، م / محمد مسلم دیوبندی
80۔ ایضاً
81۔ اشتہار، غایۃ القصویٰ فی توضیح مافی تقویٰ، م / محمد مسلم دیوبندی
82۔ ایضاً
83۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوف العتابیہ، قلمی، ص220
84۔ ایضاً، ص221
85۔ اشتہار، تقویٰ بجواب فتویٰ، م / منور الدین، ک / علی محمد، پرتاب پریس، لائل پور
86۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوف العتابیہ، قلمی، ص215
87۔ ایضاً، ص216
88۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوف العتابیہ، قلمی،، ص217
89۔ ایضاً، ص218
90۔ ایضاًص219
91۔ قاضی نور محمد، صاعقۃ الرحمن علیٰ حزب الشیطان، ص3
92۔ ایضاً
93۔ ایضاً
94۔ قاضی نور محمد، صاعقۃ الرحمن علیٰ حزب الشیطان، ص3
95۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوب العتابیہ، قلمی، ص83-93
96۔ مولانا نور محمد، صاعقۃ الرحمن علیٰ حزب الشیطان، ص5
97۔ ایضاً
98۔ ایضاً
99۔ مولانا نور محمد، صاعقۃ الرحمن علیٰ حزب الشیطان، ص5

100۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوب العتابیہ، قلمی، ص177
101۔ ایضاً، ص178
102۔ قلمی فتاویٰ، محررہ مولانا عبدالعزیز، مملوکہ مولانا اکبر علی چشتی
103۔ ایضاً
104۔ قلمی فتاویٰ، محررہ مولانا عبدالعزیز، مملوکہ مولانا اکبر علی چشتی
105۔ سید احمد الدین گانگوی، خواب نامہ، قلمی، ص2
106۔ ایضاً، ص3
107۔ ایضاً
108۔ سید احمد الدین گانگوی، خواب نامہ، قلمی، ص4
109۔ ایضاً ص5
110۔ ایضاً، ص6
111۔ سید احمد الدین گانگوی، خواب نامہ، قلمی، ص6
112۔ ایضاً، ص7
113۔ ایضاً
114۔ ایضاً
115۔ سید احمد الدین گانگوی، خواب نامہ، قلمی، ص8
116۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوف العتابیہ، قلمی، ص203
117۔ ایضاً، ص6
118۔ ایضاً، ص7
119۔ ایضاً، ص8
120۔ ایضاً
121۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوف العتابیہ، قلمی، ص15
122۔ ایضاً
123۔ ایضاً، ص16
124۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوف العتابیہ، قلمی، ص16
125۔ ایضاً
126۔ ایضاً
127۔ ایضاً

128۔ ایضاً
129۔ ایضاً
130۔ مبارک حسین مصباحی، افتراق بین المسلمین، مرکزی مجلس رضا، لاہور، 2004ء، ص49۔50
131۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوف العتابیہ، قلمی، ص43
132۔ ایضاً
133۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوف العتابیہ، قلمی، ص43
134۔ ایضاً
135۔ ایضاً، ص104
136۔ ایضاً
137۔ ایضاً
138۔ ایضاً
139۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوف العتابیہ، قلمی، ص70
140۔ ایضاً، ص155
141۔ ایضاً، ص195
142۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوف العتابیہ، قلمی، ص161
143۔ ایضاً، ص191
144۔ ایضاً
145۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوف العتابیہ، قلمی، ص192-193
146۔ ایضاً، ص195-196
147۔ سید احمد الدین گانگوی، تکفیر المسلمین کے قواعد فقہیہ، قلمی، ص1 / ابن عابدین، فتاویٰ شامی، ج3، ص293
148۔ ایضاً
149۔ ایضاً
150۔ سید احمد الدین گانگوی، تکفیر المسلمین کے قواعد فقہیہ، قلمی، ص3 / ابن عابدین، فتاویٰ شامی، ج3، ص297
151۔ ایضاً
152۔ ایضاً، ص4 / ابن عابدین، فتاویٰ شامی، ج3، ص293
153۔ ایضاً، قلمی، ص4 / ایضاً

154۔ سید احمد الدین گانگوی، زجر الاشقیاء عن اھانۃ الاصفیاء معروف بہ تصویر محبت، قلمی، گنج بخش لائبریری، میانوالی، ش102، ص17
155۔ ایضاً
156۔ ایضاً
157۔ سید احمد الدین گانگوی، زجر الاشقیاء عن اھانۃ الاصفیاء معروف بہ تصویر محبت، ش102، ص19
158۔ ایضاً
159۔ سورۃ مائدہ: 15
160۔ سورۃ النور: 35
161۔ سورۃ الاحزاب، 45-46
162۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص43
163۔ ایضاً، ص172-173
164۔ سورۃ ال عمران، 103
165۔ سورۃ اال عمران، 164
166۔ سورۃ الضحی، 11
167۔ سورۃ النحل، 114
168۔ سورۃ ابراہیم، 5
169۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص174
170۔ ایضاً، ص175
171۔ ایضاً، ص180
172۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص189
173۔ امام تفتازانی، شرح عقائد نسفیہ، ص61
174۔ سورۃ بروج، 16
175۔ سورۃ فاطر، 22
176۔ سورۃ ھود، 42
177۔ سورۃ الحج، 27
178۔ سورۃ جن، 19
179۔ سورۃ فاطر، 14

180۔ سورۃ نساء، 64
181۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص195
182۔ سورۃ سجدہ، 11
183۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص197
184۔ سید احمد الدین گانگوی، لوامع الضیاء، قلمی، ص196
185۔ ایضاً، ص201
186۔ سید احمد الدین گانگوی، لوامع الضیاء، قلمی، ص190
187۔ ایضاً، ص191
188۔ سید احمد الدین گانگوی، لوامع الضیاء، قلمی، ص217
189۔ ایضاً، قلمی، ص218-219
190۔ ایضاً، ص220
191۔ ایضاً
192۔ امر تسری، مولانا ثناء اللہ، حجیت حدیث اتباع رسول اللہ ﷺ، ہندوستان، امر تسری کتب خانہ ثنائیہ، 1929ء، ص71
193۔ خوشتر نورانی، سر سید اور ان کی تحریک، ص16
194۔ ایضاً
195۔ شیخ محمد اکرام، موج کوثر، ص90
196۔ خوشتر نورانی، سر سید اور ان کی تحریک، ص16
197۔ شیخ محمد اکرام، موج کوثر، ص91
198۔ سعیدی، علامہ غلام رسول، تبیان الفرقان، لاہور: ضیاء القران پبلی کیشنز، ج1، ص132
199۔ شیخ محمد اکرام، موج کوثر، ص70
200۔ مولانا عبد اللہ چکڑالوی، برہان الفرقان علی صلوٰۃ القرآن، لاہور، سر سید ریسرچ اکیڈمی لاہور 2007، ص415
201۔ مولانا عبد اللہ چکڑالوی، ترجمہ القرآن بایات الفرقان، ج1، ص1
202۔ ایضاً، ج1، ص2
203۔ ایضاً، ص3
204۔ ایضاً، ص1، ص96۔97
205۔ مولانا عبد اللہ چکڑالوی، ترجمہ القرآن بایات الفرقان، ج1 ص97۔98

206۔ ایضاً

207۔ ایضاً

208۔ ایضاً، ص45

209۔ سورۃ آل عمران59

210۔ مولانا عبد اللہ چکڑالوی، ترجمہ القرآن بآیات الفرقان، ج1، ص187

211۔ ایضاً، ص179

212۔ ایضاً، ص163

213۔ سورۃ النمل، 82

214۔ مولانا عبد اللہ چکڑالوی، ترجمہ القرآن بآیات الفرقان، ج1۔ ص36تا37

215۔ ایضاً

216۔ ایضاً، ص86

217۔ ایضاً، ص38

218۔ ایضاً

219۔ ایضاً

220۔ ڈاکٹر ثنا اللہ، برصغیر کے تفسیری ادب میں عقلیت پسندی، رجحانات و تفردات، العلم پبلی کیشنز، پشاور، س ن، ص180

221۔ مولانا عبد اللہ چکڑالوی،، ترجمہ القرآن بآیات الفرقان، ج1، ص38

222۔ چکڑالوی، مولوی عبد اللہ، برہان الفرقان علیٰ صلوٰۃ القرآن، 2007ء، آصف پرنٹرز لاہور، ص15-16

223۔ مولوی عبد اللہ چکڑالوی، برہان الفرقان علیٰ صلوٰۃ القرآن، ص69

224۔ مولوی عبد اللہ چکڑالوی، برہان الفرقان علیٰ صلوٰۃ القرآن، ص87-88

225۔ مولانا عبد اللہ چکڑالوی، ترجمہ القرآن بآیات الفرقان، ص108

226۔ ایضاً، ص252

227۔ ایضاً، ص277

228۔ مولانا عبد اللہ چکڑالوی، ترجمہ القرآن بآیات الفرقان، ص277

229۔ سید احمد الدین گانگوی، نور الایمان فی تائید مذھب النعمان، قلمی، ص1

230۔ ایضاً

231۔ ایضاً

232۔ ایضاً، ص 11
233۔ سید احمد الدین گانگوی، نور الایمان فی تائید مذھب النعمان، ص 12
234۔ ایضاً
235۔ ایضاً، ص 13
236۔ سید احمد الدین گانگوی، نور الایمان فی تائید مذھب النعمان، ص 13
237۔ ایضاً
238۔ ایضاً، ص 14
239۔ ایضاً
240۔ سید احمد الدین گانگوی، نور الایمان فی تائید مذھب النعمان، ص 14
241۔ قاضی محمد ظفر ذبیح، گلدستہ ذبیح، ص 117
242۔ قاضی محمد ظفر ذبیح، گلدستہ ذبیح، ص 117
243۔ سید احمد الدین گانگوی، لوامع الضیاء، قلمی، ص 13
244۔ قاضی محمد ظفر ذبیح، فیض قمر الاولیاء، ص 140
245۔ ایضاً
246۔ ایضاً
247۔ ایضاً
248۔ ایضاً
249۔ قاضی محمد ظفر ذبیح، فیض قمر الاولیاء، ص 140
250۔ ایضاً، ص 141
251۔ ایضاً 141
252۔ گانگوی مجموعہ مکاتیب، قلمی، میانوالی، شمس العلوم لائبریری، ش 30، م ن 130
253۔ ایضاً
254۔ ایضاً
255۔ گانگوی مجموعہ مکاتیب، قلمی، میانوالی، شمس العلوم لائبریری، ش 30، م ن 130
256۔ ایضاً
257۔ ایضاً
258۔ ڈاکٹر ثناء اللہ، برصغیر کے تفسیری ادب میں عقلیت پسندی، رجحانات و تفردات، العلم پبلی کیشنز، پشاور، س ن، ص 191

259۔ ایضاً
260۔ دائرہ المعارف، عنایت اللہ خان مشرقی، ج17، ص303
261۔ عنایت اللہ المشرقی، حدیث القرآن، ص4
262۔ عنایت اللہ المشرقی، تذکرہ، التذکرہ پبلی کیشنز، لاہور، 1997ء، ج1، ص59
263۔ ڈاکٹر ثنااللہ، برصغیر کے تفسیری ادب میں عقلیت پسندی: رجحانات و تفردات، ص193
264۔ عنایت اللہ المشرقی، تذکرہ، ج1، ص46
265۔ ایضاًص92
266۔ ڈاکٹر ثنااللہ، برصغیر کے تفسیری ادب میں عقلیت پسندی، رجحانات و تفردات، ص194
267۔ ایضاً
268۔ ایضاً
269۔ ڈاکٹر انوار احمد بگوی، تذکار بگویہ ج2، ص792
270۔ ایضاً
271۔ ایضاً، ص793
272۔ محمد ریاض بھیروی، ریگزاروں سے لالہ زاروں تک، ص24
273۔ ڈاکٹر انوار احمد بگوی، تذکار بگویہ ج2، ص795 / محمد ریاض بھیروی، ریگزاروں سے لالہ زاروں تک، ص24
274۔ محمد ریاض بھیروی، ریگزاروں سے لالہ زاروں تک، ص25
275۔ ڈاکٹر انوار احمد بگوی، تذکار بگویہ ج2، ص795
276۔ ڈاکٹر انوار احمد بگوی، تذکار بگویہ ج2، ص802 / محمد ریاض بھیروی، ریگزاروں سے لالہ زاروں تک، ص26
277۔ ڈاکٹر انوار احمد بگوی، تذکار بگویہ ج2، ص802
278۔ ایضاً

باب چہارم

سید احمد الدین گانگوی کے فقہی تفردات و امتیازات

فصل اوّل

سید احمد الدین گانگوی کے فقہی تفردات

اہل لغت نے تفرد کے یہ معنی بیان کئے ہیں: تفرد وافرد، واستفرد بالامر، یعنی کسی کام میں یکتا ہونا، علیحدہ ہونا اور اسی طرح ساتھیوں سے الگ ہو جانا۔

مختار الصحاح میں ہے:

(فَرَدَ)بمعنی (انفرد)(یفرد)بالضم (فرادة)بالفتح و (تفرّد)
بکذا و(استفرده)انفرد به[1]

تفرد سے مراد کسی عالم کا مرجوح قول ہے یا وہ رائے جسے ان کے معاصر راجح نہ سمجھیں۔ مشاہیر امت کے ایسے تفردات سے کتب تفسیر اور فقہ بھری پڑی ہیں۔ اس مبحث میں سید احمد الدین گانگوی کی بعض وہ فقہی آراء زیر بحث لائی جائیں گی جن میں آپ کی رائے نے تفرد کی حیثیت اختیار کرلی۔

موتی مسجد کے متعلق سید احمد الدین گانگوی کا فتویٰ:

سابقہ ابواب اور فصول میں مسجد آریہ کے قضیے کا تاریخی پس منظر بیان کیا جاچکا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں ہندو مسلم اتحاد کو موثر بنانے کے لیے سیاسی اور مذہبی ہم آہنگی کے لیے کئے جانے والے اقدامات میں ایک موتی مسجد کی تعمیر تھی، پنجاب کا ضلع میانوالی اس لحاظ سے منفرد اہمیت کا حامل

ہے کہ یہاں ہندو مسلم اتحاد کی علامت کے طور پر ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ میانوالی اور سیاست کے عنوان سے سید نصیر شاہ اس بات کا تذکرہ کرتے ہوئے اور اس کو مولانا حسین احمد مدنی کے دورے کے تناظر میں دیکھتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> "یہاں مولانا حسین احمد مدنی بھی مولانا شیر محمد زرگر کی دعوت پر متحدہ قومیت کا علم اٹھائے تشریف لائے تھے اور ہندوؤں کے دھرم شالہ (جہاں آج کل ایم سی ہائی سکول ہے) میں قیام کیا تھا۔ علامہ اقبال کے 1930ء کے الہ آباد والے خطبہ صدارت کی اور مسلم لیگ کی گونج یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ یہاں کا دانا ہندو جان گیا تھا کہ ایک روز پاکستان بن ہی جائے گا اس لئے ہندو مسلم اتحاد میں سرگرم ہو گیا تھا۔ اسی خیر سگالی کے طور پر لالہ ہیم راج نے وہ مسجد بنوائی تھی جسے آج کل موتی مسجد کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اس طرح گویا یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہاں کا ہندو بڑا وسیع الظرف ہے۔"[2]

موتی مسجد کی تعمیر کے عدم جواز کا موقف سید احمد الدین گانگوی نے اختیار کیا اور الشعلۃ الجباریہ لاحراق مسجد آریہ کے نام سے ایک مبسوط تاریخی فتویٰ جاری کیا۔ جس میں بیس سے زائد علماء پنجاب کی تقاریظ شامل تھیں۔ جبکہ اس مسجد کے جواز کا عملی بیانیہ تو مولانا حسین احمد مدنی نے طے کیا لیکن تحریری اشتہار خانقاہ حسینیہ واں بھچراں سے مولانا حسین علی نے جاری کیا۔ دلائل کے اعتبار سے مولانا گانگوی کا فتویٰ اگرچہ درست تھا مگر عملاً مسجد کی تعمیر جاری رہی اور مسجد آج بھی موتی مسجد کے نام سے مین بازار میانوالی میں موجود ہے اس اعتبار سے مولانا گانگوی کا فتویٰ ایک تفرد کی حیثیت اختیار کر گیا۔ مولانا گانگوی کے بعض دلائل کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

سید احمد الدین گانگوی سے کئے گئے استفتاء میں حسب ذیل امور شامل تھے۔

استفتاء:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو آریہ نے اپنے مکان کو بشرائط ذیلہ مسجد بنانے کے واسطے وقف کیا اور اس وقف پر کسی مسلمان کو متولی قرار دیا۔ اور رجسٹری بھی کرا دیا (شرائط یہ ہیں)

☆مسجد کی دیوار پر ایک پتھر جس پر عبارت ذیلہ کندہ ہے ضروری اور لازمی دائمی لگا رہے گا اس کے اکھاڑنے اور ہٹانے کا کسی کو کوئی حق نہ ہو گا۔

(اوم: اللہ اکبر، یہ عبادت خانہ وقف کردہ حکیم ہیمراج آریہ میانوالی،)

☆مسجد میں جو چاہے گا احداث ہو گی اس پر بھی بعینہ یہی کتبہ لازمی اور دائمی ہو گا۔

☆نیچے حصہ میں دکانیں ہوں گی جن کی پیداوار مسجد کے مصارف پر خرچ ہو گی اور ان کے سقف پر مسجد ہو گی۔

☆منجملہ دوکانوں کے ایک دوکان میں وہ ہندو واقف تاحین حیات اپنی رہائش لازمی طور رکھے گا جو کسی کو اس کی رہائش رکھنے میں ہارج (حارج) ہونے کا کوئی حق نہ ہو گا۔ اس کے مرنے کے بعد وہ دوکان بھی تحویل مسجد میں ہو جاوے (جائے) گا۔

کیا یہ مسجد شرعاً جائز اور صحیح ہو سکتی ہے یا نہ۔ بینوا توجروا[3]

استفتاء کے جواب کی ابتداء میں ہی مذکورہ مسجد کی تعمیر کو ناجائز قرار دیتے ہوئے لکھا۔

> "صورت مسؤلہ عنہا میں ازروئے قواعد شریعت عزیٰ یہ مسجد ہرگز مسجد اسلام نہیں بن سکتی۔ اس کا بنانا اور اس کی امداد کرنی اور اس کو رونق دینی سب حرام اور بانیان گناہ گار"[4]

تعمیر مساجد اور مشرکین:

مذکورہ مسجد کے مسجد الاسلام نہ ہونے کی پہلی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ جائیداد وقف کردہ کا مالک آریہ ہے اور اس نے اپنے نام سے وقف کیا ہے اور زمان حال میں تمام کفار معاندین اسلام میں سے آریہ زیادہ مشرک، معاند اور محارب اسلام ہیں شب وروز لگاتار اسلام اور بانیء اسلام علیہ اکمل الصلوٰۃ والسلام کی ذات مجمع البرکات اور صفات عالی درجات پر قسما قسم اور گوناگوں شرمناک حملے کرکے غیور مسلمانوں کے دلوں کو زخمی کررہے ہیں اور انہوں نے اپنے مجالس اور محافل میں بالاتفاق حتمی اور قطعی فیصلہ کرلیا ہے کہ ہندوستان صرف ہندوؤں ہی کا ملک ہے اور مسلمانوں کا اس میں کوئی حق نہیں لہٰذا اس کو اسلام اور اہل اسلام سے خالی کردیا جائے بلکہ ان کی یہ صدا اجلاس عام میں جہاں ہزاروں اہل اسلام موجود تھے تمام مسلمانوں کے کانوں تک پہنچائی گئی جس کا اثر اب تک مسلمانوں کے زخمی دلوں پر تازہ ہے۔ اب ایسے کافر مشرک معاند ومحارب اسلام کی جائیداد جس کو وہ خود اپنے نام سے وقف کرے اور اپنے نام کا کتبہ مسجد پر لگادے اور مسلمان اس کو خوشی سے لے کر اپنا مال بھی اس پر خرچ کرکے مسجد بنائیں اور اس کا نام آریوں والی مسجد رکھائیں کیسی عبرت ناک بے غیرتی ہے۔ اسلام کا پہلا سبق غیرت ہے جس کو غیرت نہیں اس کا ایمان کہاں کا۔(5)

مشرک مسجد کی تعمیر نہیں کرسکتا:

نص قرآنی سے اس حرمت کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"بہت ممکن ہے کہ اس میں تمام آریوں نے مشورہ اور منصوبہ کرکے

اسلام کو دھبہ لگانے کی خاطر یہ تجویز پاس کی ہو کہ اسلام کو ہمارا ممنون احسان ہونا چاہیے کہ ہم نے اس کو اپنی جائیداد سے مسجد بنادی ہے۔ اسی واسطے اللہ جل جلالہ غیور حقیقی نے قرآن شریف میں عمومی اور قطعی ارشاد صادر فرمایا کہ کسی کافر مشرک کا کوئی حق نہیں کہ وہ مساجد اللہ کی عمارت کریں ۔مَاكَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَاللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۔ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۔وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ[6] یعنی مشرکین کو مساجد اللہ کی عمارت کی کوئی اجازت نہیں جبکہ اپنے آپ کو کافر کہلاتے ہوں ان کے عمل حبط ہوگئے اور آگ میں ہمیشہ رہیں گے"۔[7]

اس آیت سے آپ ثابت کرتے ہیں کہ کسی بھی مشرک کو کسی مسجد کی تعمیر کرنے کی ہر گز ہر گز اجازت نہیں دی جائے گی۔

"دیکھئے المشرکین کو جو صیغہ جمع سالم ہے معرف باللام کرنے سے جو مفید استغراق ہوتا ہے کس قدر عموم اور شمول مترشح ہے اور مساجد صیغہ جمع اقصیٰ منتہی الجموع کو اضافت کرنے سے بھی استغراق تو معنی یہ ہوا کہ کسی مشرک کو کسی مسجد کی عمارت کرنے کی ہر گز اجازت نہیں خصوصاً جبکہ وہ اپنے منہ سے اپنے کفر کا اقرار کرتا ہو"۔[8]

مشرک کی تعمیر کردہ عمارت کو مسجد کہنا جائز نہیں:

اب آپ وضاحت کرتے ہیں کہ ہندو جب اپنے شرک کا اعتراف کرتے ہیں تو پھر غیرت اسلامی کا تقاضا یہ ہے کہ نہ تو انہیں مسجد بنانے دی جائے اور نہ ہی ان کی تعمیر کردہ عمارت کو مسجد قرار دیا جائے۔

"اب اس ہندو سے پوچھیے کہ تم کون ہو وہ یہی کہتا ہے کہ (ہندو آریہ)
خداوند عالم جل شانہ نے اس معاملہ کو نہایت قبیح اور شنیع قرار دیا ہے
کہ جب وہ اپنے کفر اور شرک پر مصر ہے کیا تمہیں غیرت اسلامی
اجازت دیتی ہے کہ اس کو مسجد بنانے دیں یا اس کی مسجد بنی ہوئی کو
مسجد الاسلام قرار دیں"۔[9]

مختلف تفاسیر کے حوالے دیتے ہوئے آپ اپنے موقف کو ثابت کرتے ہیں کہ اجلہ مفسرین کرام نے آیت مذکورہ کی وہی تفسیر کی جس کو مولانا گانگوی نے اختیار کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری میں اور محی السنۃ علاؤ الدین نے تفسیر خازن میں لکھا ہے کہ یہودی یا نصرانی جب کہے کہ میں یہودی یا نصرانی ہوں یا مشرک کہے کہ میں مشرک ہوں تو اس کی کفر پر شہادت ہو گئی وہ کسی مسجد کی عمارت میں حصہ نہیں لے سکتا۔[10]

تعمیرِ مساجد کی شرائط:

مساجد کی تعمیر صرف اور صرف اہل ایمان ہی کر سکتے ہیں۔ مومنوں کے لیے اس تخصیص کو قرآن کریم سے ثابت کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

"پھر قرآن پاک نے کلمہ حصر سے مسجد اللہ کی بناء کے جواز کو مومنین
ہی کے ساتھ مخصوص فرماتے ہوئے ارشاد کیا۔ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ
اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ
يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ[11]

حاصل اس آیت شریفہ کا یہ ہے کہ مشرکین تو مسجدوں کی عمارت ہر گز نہیں کر سکتے بلکہ صرف مومنین ہی کر سکتے ہیں"۔[12]

اس آیت مبارکہ سے حاصل فوائد اور تفسیری نکات کی طرف انتہائی لطیف اور نفیس پیرائے میں اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سبحان اللہ کیسے عجیب اور نرالے طرز سے قرآن پاک نے مدعا کو ثابت کر دیا جس میں نہ کسی تاویل کی گنجایش ہے اور نہ ہی تفصیل کی حاجت۔ کیونکہ اثبات بعد النفی میں جس قدر لطف اور اثبات مرام ہوتا ہے دیگر کسی طرز تقریر میں نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ کلمہ توحید کی بناء اسی اثبات بعد النفی پر رکھی گئی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جس نے پایہء توحید کو معراج کمال تک پہنچا دیا اس آیت شریفہ نے عمارت مساجد اللہ کو مخصوص باہل اسلام سے جو موصوف بصفات اربعہ ہیں کر دیا"۔ (13)

صفات اربعہ کو تفسیر کبیر کے حوالے سے ثابت کرتے ہیں۔

صفت اوّل: تعمیر کنندہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو

مسجد کے تعمیر کنندہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ امام رازی کے حوالے سے صفت اول کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

"ثم انه تعالیٰ لما بین ان الکافر لیس له ان یشتغل بعمارة المسجد بین ان المشتغل بهذا العمل یجب ان یکون موصوفاً بصفات اربعة الصفة الاولی قوله تعالیٰ اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وانما قلنا انه لابد من الایمان بالله لان المسجد عبارة عن الموضوع الذی یُعبد الله فیه فمالم یکن مومناً بالله امتنع ان یبنی موضعا یعبد الله فیه وانما قلنا انه لابد من ان یکون مومنا بالله والیوم الاخر

لان الا شتغال بعبادۃ اللہ تعالیٰ انما یفید فی القیامۃ فمن انکر القیامۃ لم یَعبد اللہ ومن لم یعبد اللہ لم یبن بناءً لعبادۃاللہ تعالیٰ"[14]

یعنی پھر جب اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ کافر تو مسجد نہیں بنا سکتے تو بیان کیا کہ مسجد کے بنانے والے ان چار صفات سے ضرور یہ موصوف ہوں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے ساتھ ایمان رکھتا ہوں یہ صفت اس واسطے لازم ٹھہرائی کہ مسجد اس مقام کا نام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے تو جب تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہ ہو تو اس کی عبادت کی جگہ ہر گز نہیں بنا سکتا اور قیامت کا ایمان اس لئے ضروری ہے کہ عبادت الٰہی کا فائدہ قیامت میں ملے گا جو شخص قیامت کا منکر ہو گا وہ ہر گز عبادت الٰہی نہ کر سکے گا اور جو شخص خود عبادت نہ کرے گا وہ عبادت خانہ کیا بنائے گا۔

صفت ثانی: تعمیر کنندہ پابند صلوٰۃ ہو

دوسری صفت یہ ہے کہ وہ نماز بھی پڑھتا ہو۔

"والصفۃ الثانیۃ قولہ واقام الصلوٰۃ والسبب فیہ ان المقصود الاعظم من بناء المساجد اقامۃ الصلوات فالانسان مالم یکن مقراً بوجوب الصلوٰۃ امتنع ان یقدم علی بناء المساجد"[15]

یعنی دوسری صفت یہ کہ وہ نماز بھی پڑھتا ہو یہ اس لئے کہ مسجدوں کے بنانے سے مقصد اعظم یہ ہے کہ ان میں نماز پڑھی جائے تو جب وہ خود نماز کے وجوب کا قائل نہ ہو گا وہ مسجدیں کیسے بنا سکے گا۔

صفت ثالث: تعمیر کنندہ صدقہ وزکوٰۃ کی ادائیگی کا پابند ہو

تیسری صفت یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ بھی دیتا ہو۔

"والصفة الثالثة قوله واتی الزکوۃ الی ان قال لان ایتاء الزکوۃ واجب وبناء المسجد نافلة والا انسان مالم یفرغ عن الواجب لایشتغل بالنافلة والظاهر ان الانسان مالم یکن مودیاً للزکوۃ لم یشتغل ببناء المساجد" [16]

یعنی تیسری صفت یہ کہ زکوٰۃ بھی دیتا ہو آگے جا کر کہا کہ یہ اس لئے کہ زکوٰۃ کا دینا فرض ہے اور مساجد کی بناء نفل اور انسان جب تک ادائیگی فرض سے سبکدوش نہ ہو نفل کی ادائیگی میں مصروف نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ انسان جب تک زکوٰۃ ادا نہ کرے مسجدوں کی بناء نہیں کرتا۔

صفت رابع: تعمیر کنندہ خوف خدا سے سرشار ہو

چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ محض اللہ سے ڈرتا ہو۔

"والصفة الرابعة قوله ولم یخش الا الله یحتمل ان یکون المراد منه ان یبنی المسجد لالاجل الریاء والسمعة وان یقال فلان یبنی مسجداً ولکنه یبنیه لمجرد رضوان الله تعالیٰ والمجرد تقویة دین الله تعالیٰ۔انتھی ،ملتقطاً بقدر الحاجة" [17]

یعنی چوتھی صفت یہ ہے کہ سوا اللہ تعالیٰ دوسرے کسی سے خوف نہ کرے احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ مسجد کی بناء ریا وسمعہ کی غرض سے نہ ہو اور نہ اس لئے کہ کہا جائے فلاں مسجدیں بنا رہا ہے بلکہ محض بغرض رضاء الٰہی و تقویت دین مولیٰ

کے ہو۔

مشرکین کے لیے تعمیرِ مساجد کی ممانعت کے اسباب:

صفات اربعہ مخصوص باہل اسلام ذکر کرنے کے بعد وہ چھ اسباب واضح کرتے ہیں جن کی وجہ سے بموجب فرمان اللہ جل جلالہ کے کوئی مشرک کسی مسجد اسلام کی عمارت کا مجاز نہیں اور حقیقت میں وہ اس عمارت کا مستحق اور سزاوار بھی نہیں۔

سبب اوّل: مساجد کی بناء وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے ہے

تفسیر مظہری اور خازن کے حوالے سے پہلا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> ”یہ کہ مساجد کی عمارت صرف واحدہ لاشریک کی عبادت کے واسطے مخصوص ہے اور کافر و مشرک جب وحدانیت کے قائل نہیں تو پھر عبادت خانہ وحدہ لاشریک کا کس طرح بناسکتے ہیں جب کہ تفسیر مظہری اور خازن میں ہے؛اوجب اللہ علی المسلمین منعھم من ذلك لان المساجد انما تعمر لعبادة اللہ وحدہ فمن كان كافراً باللہ فلیس له ان یعمر مساجد اللہ“ (18)

یعنی خداوند عالم نے مسلمانوں پر واجب فرمایا ہے کہ وہ کفار کو بناء مساجد سے منع کریں کیونکہ مساجد کی بناء وحدہ لاشریک کی عبادت کے واسطے ہوتی ہے، جو واحد کا منکر ہے وہ مسجد نہیں بناسکتا۔

سبب دوم: مسلمان کو مشرک کا ممنون احسان نہیں ہونا چاہیے

یہ کہ جب مشرکین کی وقف کردہ زمین پر مسجد بنائی گئی یا اس کے مال سے مسجد تیار ہوئی تو اس مشرک کا مسلمانوں پر احسان ہو جائے گا اور مسلمانوں کو کسی

مشرک کا ممنون احسان ہونا ہر گز جائز نہیں جب کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے:

"وایضاً اقدامه علی مرمة المسجد یجری مجری الانعام علی المسلمین ولا یجوز ان یصیر الکافر صاحب المنة علی المسلمین"[19]

اور نیز اگر کافر مسجد کی بنا پر اقدام کرے تو ایک طرح کا مسلمانوں پر احسان ہو گا اور کافر کا احسان مسلمانوں پر ہر گز جائز نہیں۔

سبب سوم: کفار سے موالات کی ممانعت

یہ ہے کہ اس میں موالات کفار ہے اور قرآن پاک کفار کی موالات سے سخت منع فرماتا ہے:

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔

نہ پکڑیں مومن کافروں کو دوست سوائے مومنین کے [20]

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ

اے ایمان والو مت پکڑو اپنے اور میرے دشمن کو دوست [21]

اِنَّمَا یَنْهٰکُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ بے شک اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کی دوستی سے منع کرتا ہے جنہوں نے تمہارے ساتھ لڑائی کی دین میں اور تمہیں اپنے شہروں سے نکالا اور نکالنے میں مدد کی پھر جس نے ان سے دوستی کی وہی ظالم ہوں گے۔[22]

سید گانگوی ہر سہ آیات سے اپنے موقف کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب آریہ تمام مسلمانوں کے بر خلاف لڑتے ہیں اور اسلام اور بانی اسلام پر طرح طرح کے ناجائز اور شرمناک حملے کر رہے ہیں اور ملک ہندوستان کو صرف ہندوں سے مخصوص کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہاں سے نکالنے کا اعلان کر چکے ہیں اب ان سے موالات اور ارتباط نص قرآنی کی خاص مخالفت ہے۔ ہاں البتہ وہ لوگ جو زبان سے تو اسلام کے مدعی ہیں مگر حقیقت میں وہ آریوں کے ہم خیال ہیں سرور عالم ﷺ کے ہجو و توہین میں آریوں سے اگر بڑھ کر نہیں تو ان کے مساوی الاقدام ضرور ہیں۔[23]

ان کا فیصلہ خود احکم الحاکمین نے قرآن پاک سورۃ مائدہ میں فرما دیا ہے۔

وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ

یعنی جس نے ان کفار سے دوستی کی وہ ان ہی سے ہو گا اللہ تعالیٰ
ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔[24]

سبب چہارم: مشرک سے استعانت حرام ہے

مشرکین سے مدد مانگنا ناجائز ہے۔ لہٰذا اگر مسجد کے لئے ان سے استعانت کی جائے تو یہ بھی حرام ہو گا۔

"یہ کہ صحیح حدیث میں ہے کہ ہم کسی مشرک سے مدد نہیں مانگتے یعنی
کسی مسلمان کو مشرکین سے دینی معاملات میں مدد ہرگز نہیں چاہیے
اور یہ بھی ایک قسم کی استعانت ہے"۔[25]

سبب پنجم: تعمیر مسجد میں نیت خالص اللہ کے لیے ہو

مسجد کی تعمیر خالص لوجہ اللہ ہونی چاہیے اس میں ریاکاری نہیں ہونی

چاہیے۔ اس سبب کو مسجد ضرار کے تناظر میں واضح کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

"یہ کہ مساجد کی بناء خالصاً لوجہ اللہ ہونی چاہیے اس میں رو وریا ہرگز نہ ہو جبکہ خالق العباد کا ارشاد ہے ۔ان المساجد للہ یعنی مساجد صرف اللہ ہی کے واسطے ہیں اور احادیث صحیحہ میں وارد ہے من بنی للہ مسجدا ۔ ورنہ وہ مسجد مسجد الاسلام نہ ہوگی بلکہ ملحق بمسجد الضرار اور مشرکین جبکہ واحد لاشریک کے قائل ہی نہیں تو ان کی نیت خالصاً لوجہ اللہ کب ہو سکتی ہے"۔ [26]

سبب ششم: مشرک کا مال ناپاک ہوتا ہے

مشرک چونکہ خود ناپاک ہوتا ہے اس لئے اس کا مال بھی ناپاک ہوتا ہے اور خصوصاً ہندوؤں کے ہاں قیام پاکستان سے پہلے سود کا چلن پنجاب کے علاقوں میں یہود مدینہ کی طرح رائج تھا۔ لہٰذا ایسے مال سے مسجد کس طرح تعمیر کی جا سکتی ہے۔

" یہ کہ مشرکین کا مال ناپاک ہوتا ہے کیونکہ وہ خود بفرمان باری تعالیٰ نجس ہیں إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ تو ان کا مال کس طرح پاک ہوگا خصوصاً ہندوؤں کا جبکہ سود ان کے رگ و ریشہ میں منجذب ہے اور حدیث شریف مسلم میں بروایت ابی ہریرہ وارد ہے۔ان اللہ طیب لا یقبل الا طیباً تو ہندو مذکور کی جائیداد سے مسجد ہرگز نہیں بن سکتی"۔ [27]

فتاویٰ عالمگیریہ سے اس بات کو ثابت کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

"ولوجعل ذمی دارہ مسجداً للمسلمین وبناہ کما بنی المسلمون واذن لھم بالصلوۃ فیہ فصلوا فیہ ثم مات یصیر میراثاً لورثتہ وھذا قول الکل کذا فی جواھر الخلاطی، انتھی۔ یعنی اگر کسی ہندو نے اپنے مکان کو مسلمانوں کے لئے مسجد بنایا

اور مسجد کے تمام لوازمات پورے کرے اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دے دی اور لوگ نماز بھی پڑھنے لگے تو وہ ہندو مر گیا تو وہ مسجد اس کے وارثوں کے ملک میں آکر تقسیم ہو جائے گی یعنی وہ مسجد مسجد نہ رہے گی"۔ (28)

سید گانگوی کے مذکورہ بالا دلائل پر جو شبہات وارد ہو سکتے تھے آپ نے ان کا ایک ایک کر کے جواب بھی دیا ہے۔ یہاں چند شبہات کے جوابات درج کیے جاتے ہیں۔

شبہات اور ان کے جوابات:

آیت ممانعت کا شان نزول خاص ہے:

پہلا شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ اس روایت شریفہ یعنی ماکان للمشرکین کا شان نزول خاص ہے جیسا کہ عام مفسرین لکھتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے کفر و محاربہ اسلام وقطعیت رحم کی عار دلائی تو حضرت عباس نے کہا کہ ہماری قبائح کا ذکر کرتے ہیں اور محاسن بیان نہیں کرتے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ کیا تمہارے محاسن بھی ہیں انہوں نے مسجد حرام کی عمارت اور کعبہ کی دربانی اور حجاج کو پانی پلانا وغیرہ ذکر کئے تب یہ آیت نازل ہوئی تو اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہ جواب مخصوص ہے انہیں مشرکین سے نہ عام مشرکین مراد ہیں۔

جواب دیتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

"عام مفسرین وعلماء اصول کا قول ہے العبرۃ لعموم الالفاظ لالخصوص المحل یعنی نص کے عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ

خصوصی محل کا ورنہ ہزاروں آیات ایسی ہیں جن کے موارد خاص ہیں
مگر الفاظ عام اب اگر ان کو اپنے موارد پر مخصوص رکھا جائے تو ہم
بہت احکام الٰہیہ سے سبکدوش ہو گئے لہٰذا علماء تفسیر بعض ایسے مواقع
میں لکھ دیتے ہیں کہ یہاں عموم الفاظ کا اعتبار ہے"۔ (29)

عمارت کا معنی آبادی ورونق ہے نہ کہ بناء و تعمیر:

دوسرا شبہ یہ کہ عمارت کا معنی ہے آبادی یعنی مسجدوں میں آنا جانا نماز وذکر الٰہی میں مشغول ہونا نہ اس کی بناء اور تعمیر کرنا سو اس آیت شریفہ نے مشرکین کو مساجد کی رونق دینے سے روکا ہے نہ بناء و تعمیرات سے، اس کا جواب کچھ اس طرح دیتے ہیں۔

"عمارت کا معنی واقعی آبادی ہے اور آبادی کی دو صورتیں ہیں ایک بناء
اور دوسری رونق لفظ عمارت دونوں صورتوں کو حاوی ہے یعنی
مشرکین نہ رونق مساجد کر سکتے ہیں اور نہ ہی بناء اسی وجہ سے علماء تفسیر
نے اس عمارت کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے بعض کے خیال میں پہلا
معنی اور بعض کے نزدیک دوسرا معنی ملحوظ ہے بہر صورت بناء مسجد
عمارت کے مصداق ہے" (30)

تفسیر خازن، تفسیر مظہری اور تفسیر کبیر کے حوالے سے اپنے استدلال کو ثابت کرتے ہیں۔

"واختلفو فی المراد بالعمارۃ علی قولین احدھما ان المراد
بالعمارۃ العمارۃ المعروفۃ من بناء المساجد ویشیدھا
ومرمتھا عند خرابھا فیمنع الکافر منہ حتی لو اوصی ببناء
المسجد لم تقبل وصیۃ والقول الثانی ان المراد بالعمارۃ

دخول المسجد والقعود فیه فیمنع الکافر منه آه"[31]

یعنی عمارت سے مراد میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ عمارت سے مراد عمارت مشہور ہے یعنی مسجدوں کی بناء اور ان کی مضبوطی اور ان کی مرمت جبکہ قابل مرمت ہوں توکافروں کو ان تمام کاموں سے منع کیا جائے یہاں تک کہ اگر مسجدوں کی وصیت کر جائیں تو یہ وصیت بھی قبول نہ کی جائے۔اور دوسرا قول یہ ہے کہ عمارت سے مراد مسجدوں میں داخل ہونا اور وہیں بیٹھنا اس سے کافروں کو منع کیا جائے۔

"فذھب جماعة الی ان المراد منه العمارة المعروفة من بناء المسجد ومرمة عند الخراب فیمنع منه الکافر حتی لو اوصی به لا ینفذ وحمل بعضھم العمارة ھھنا علی دخول المسجد والقعود فیه۔انتھی"[32]

یعنی ایک جماعت کا مذہب تو یہ ہے کہ عمارۃ سے مراد عمارت مشہورہ یعنی مسجد کی بناء اور اس کی مرمت اس سے کافروں کو منع کیا جائے یہاں تک کہ اگر وصیت کر جائیں تو ان کی وصیت نافذ نہ ہوگی اور بعض اس عمارت کا محمل دخول مسجد اور اس میں بیٹھنے کو قرار دیتے ہیں۔

"عمارة المسجد قسمان اما بلزومھا و کثرہ ایتانھا واما بالعمارات المعروفة فی البناء فان کان المراد ھو الثانی کان المعنی انه لیس للکافر ان یقدم علی مرمة المساجد۔ انتھی"[33]

یعنی مسجد کی عمارت کی دو قسم ہیں ایک یہ کہ اس میں بہت آنا جانا اور دوسرا بناء کرنا جو مشہور ہے اگر دوسرا معنی مراد ہو تو مراد یہ ہے کہ کافر مسجد کی مرمت ہرگز نہیں کر سکتا۔ پھر وہی امام رازی آگے لکھتے ہیں

"قال الواحدی دلت ھذہ الایۃ علی ان الکفار ممنوعون من عمارۃ مسجد من مساجد المسلمین ولو اوصی بھالم تقبل وصیتۃ ۔ انتھی"[34]

یعنی واحدی نے کہا ہے کہ اس آیت کی دلالت اس امر پر ہے کہ کفار تمام مساجد المسلمین کے بنانے سے روکے گئے اور اگر اس بناء مسجد کی وصیت بھی کر جائیں تو یہ وصیت بھی نامنظور ہو گی۔

سید گانگوی مذکورہ تفاسیر سے حاصل نتیجہ یوں اخذ کرتے ہیں۔

"ان مفسرین کی تشریحات اور محققین کی تصریحات سے ثابت ہوا کہ مساجد کی عمارت دو صورتوں سے ہوتی ہے اور کفار دونوں قسموں کی عمارت سے روکے گئے ہیں"۔ (35)

حقیقت اور مجاز کے اصول سے استدلال اور اس کا جواب:

تیسرا شبہ یہ ہے کہ جب تقریر بالا واضح ہوا کہ عمارت کے دو معنی ہیں رونق مسجد اور بناء مسجد اب دو حالوں سے خالی نہیں یا تو لفظ عمارت ان دونوں معنی میں مشترک ہے یا ایک میں حقیقت اور دوسری میں مجاز ان میں سے جو بھی ہو ایک ہی حالت میں دونوں معنی کا مراد ہونا بموجب قواعد اصول ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ مشترک کے معانی میں سے جب ایک معنی کسی جگہ مراد ہو جائے تو وہاں دوسرا معنی ہرگز مراد نہیں ہو سکتا جیسا کہ نور الانوار میں ہے۔

"والاعموم لہ ای للمشترك عندنا فلا یجوز ارادۃ معنیہ معاً انتھی"[36]

اسی طرح حقیقت اور مجاز میں بھی جہاں معنی حقیقی مراد ہو وہاں مجازی نہیں

ہو سکتا اور اگر مجازی مراد ہو حقیقی معنی نہیں لیا جا سکتا۔ جیسا کہ اصول شاشی میں ہے۔

"ثم الحقیقة مع المجاز لایجتمعان ارادةً من لفظ واحد فی حالة واحدة انتھی"[37]

بناءً علیہ ایک ہی لفظ عمارۃ سے دو معنی متفرقہ ایک ہی حالت میں لینے قواعد کے برخلاف ہے۔

سید گانگوی اس شبے کا دو طرح سے جواب دیتے ہیں۔ جواب اول کچھ اس طرح ہے۔

جواب اس کا اولاً یہ ہے کہ پہلے مذکور ہوا عمارت کا معنی آبادی ہے اور آبادی کی دو صورتیں متفرقہ ہیں اور لفظ عمارت دونوں صورتوں کو شامل ہے اس میں تعدد معانی ہرگز نہیں پھر اشتراک کیسا اور حقیقت اور مجاز کہاں کا۔ اس کی مثال لفظ صلوۃ ہے جو آیت شریفہ؛

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيماً[38]

میں واقع ہے اس کا ایک عام معنی (اعتناء بشانہ) لیا گیا ہے جو کہ صلوۃ اللہ و صلوۃ الملائکہ و صلوۃ المومنین سب کو شامل ہے۔[39]

نور الانوار کی حسب ذیل عبارت سے اپنے استدلال کی مزید توضیح کرتے ہیں:

"ونحن نقول سیقت الایة لایجاب اقتداء المومنین باللہ والملائکة ولایصلح ذلك الا باخذ معنی عام شامل للکل وھو الاعتناء بشانه فیکون المعنی ان اللہ وملائکة یعتنون بشانه یاایھاالذین آمنو اعتنو ایضاً بشانه وذلك

الاعتناء من الله رحمة ومن الملائكة استغفار
ومن المومنين دعاء انتهى"[40]

مذکورہ دلائل کا ماحصل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"حاصل اس جواب کا یہ ہے کہ لفظ عمارت اپنے معنی یعنی آبادی میں مستعمل ہے اور آبادی ایک ایسا عام معنی ہے کہ وہ اپنے عموم میں تمام افراد پر حاوی ہے نہ یہاں جمع ہیں الحقیقۃ والمجاز ہے اور نہ ہی عموم المشترک"۔[41]

جواب ثانی میں آپ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ عمارت کا حقیقی مطلب بنانا جبکہ رونق دینا مجازی مفہوم ہے۔ لہٰذا حقیقت مستعملہ کو مجاز متعارف پر ترجیح دی جائے گی۔

"عمارت کا حقیقی معنی بنالو ہے اور رونق مجازی ہے اس کا عام تعارف شاہد بین ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک حقیقت مستعملہ مجاز متعارف سے اولی بالمراد ہوتا ہے اور صاحبین کے نزدیک ایسی صورت میں عموم المجاز پر عمل کرنا اولیٰ ہوتا ہے"۔[42]

مذکورہ موقف کو تلویح اور اصول شاشی کے حوالے سے اخذ کرتے ہیں۔

"ولو كانت الحقيقة مستعملة فان لم يكن لها مجاز متعارف فالحقيقة اولى بلا خلاف وان كان لها مجاز متعارف فالحقيقة اولى عنه ابي حنيفة وعندهما العمل بعموم المجاز اولیٰ انتهى"[43]

یہاں بھی رونق مساجد عمارت کا معنی مجاز متعارف کیوں نہ ہو مگر پھر بھی حقیقت مستعملہ سے مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یاتو اس سے بناء جو معنی حقیقی ہے مراد ہو گا یا

عام آدمی جس میں بناء اور رونق دونوں داخل ہیں بطریق عموم مجاز مراد ہو گا۔

مشرکین کی نجاست سے مراد باطنی نجاست ہے:

چوتھا شبہ یہ ہے کہ مانا کہ عمارت کا حقیقی معنی بناء ہے اور مجازی معنی رونق یعنی مساجد میں آنا جانا لیکن یہاں مجاز متعارف کا قرینہ صارفہ کلام الٰہی میں موجود ہے۔ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا [44]
جس کا حاصل یہ ہے کہ مشرکین نجس ہیں اس سال کے بعد مسجد حرام کے نزدیک بھی نہ آنے پائیں اور یہ معنی ہے آیت شریفہ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ [45] کا اس آیت ثانی الذکر کی اول الذکر نے تعیین کر دی بناء کا نہ یہاں ذکر ہے نہ وہاں۔

اس کے جواب میں آپ لکھتے ہیں۔

> "آیت إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ میں جو نجس کا ذکر ہے اس نے نجاست باطنی مراد ہے نہ بدنی ورنہ مشرک کا پسخوردہ اور پسینہ پاک نہ ہو تاحالانکہ علماء حنفیہ کے نزدیک یہ دونوں پاک ہیں جیسا کہ متون فقہ میں ہے"۔[46]

آیتِ ممانعت سے صرف مسجد الحرام مراد ہے:

پانچواں شبہ یہ ہے کہ مساجد سے مراد عام مسجدیں نہیں بلکہ صرف مسجد الحرام ہے جیسا کہ خصوص مورد سے صاف ہے اور نیز محض مفسرین کا بھی یہی رویہ ہے جو مساجد اللہ کی مسجد الحرام سے تاویل کرتے ہیں ۔

اس کا جواب دیتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ خصوص مورد کا تذکرہ تو پہلے ہو لیا

کہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ خصوصی محل کا۔ رہا مفسرین کی تاویل سو اس سے یہ مراد نہیں کہ یہ حکم مخصوص بمسجد الحرام ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ پہلے جب مسجد الحرام کا تذکرہ تھا جواب میں بھی بالاصل اس مسجد الحرام کا ذکر ہوا اور باقی مساجد کو اس پر قیاس کر کے اس حکم میں تبعاً داخل کیا جائے گا۔ (47)

جیسا کہ تفسیر مظہری میں ہے ۔

"والعبرة وان کان لعموم اللفظ لا لخصوص السبب لکن لابد ان یثبت الحکم فی السبب اولاً وبالذات لانه المقصود به انتہی"(48)

یا یوں کہے کہ لفظ مساجد تو اپنے عموم پر ہے لیکن مسجد الحرام چونکہ مساجد کا فرد اعلی ہے اس کا حکم بطریق اولی ثابت ہوا۔ جیسا کہ تفسیر مظہری میں ہے ۔

"ان یعمر وا مساجد الله یعنی شیئاً من المساجد فضلاً عن المسجد الحرام فانه یجب علی المسلمین منعهم من ذلك"(49)

تفسیر کبیر میں ہے۔

"والثانی ان یقال ما کان للمشرکین ان یعمرو اشیاء من مساجد الله واذا کان الامر کذلك فاولی ان کان یمکنو ا من عمارة المسجد الحرام الذی هو اشرف المساجد واعظمها"(50)

اور تفسیر مدارک بر حاشیہ تفسیر خازن میں ہے۔

"وارید جنس المساجد واذا لم یصلحو الان یعمروا جنسها دخل تحت ذلك ان لا یعمر والمسجد الحرام الذی هو صدر الجنس وهوا کد اذ طریقه طریق الکنایة انتہی"(51)

نتیجہ اخذ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

"الحاصل، بموجب فرمان علی شان صاحب قرآن جل جلالہ کے کوئی مشرک کسی مسجد کی عمارت میں ہر گز کوئی حصہ نہیں لے سکتے۔ یہ معمولی حکم نہیں بلکہ اٹل حکم ہے جو کسی موؔل کی تاویل اس کو بدل نہیں سکتی"۔ (52)

مسلمانوں کی تولیت سے استدلال:

چھٹا شبہ یہ ہے کہ ہندو مذکور نے تو صرف جائیداد یعنی زمین اور ملبہ اور کچھ قدر نقدیات دیئے اور عمارت کے لیے تو اس نے مسلمانوں کو متولی قرار دیا ہے اور ان کے حوالہ بھی کر دیا ہے جب عمارت کرنے والے مسلمان ہیں تو اس میں قباحت کیا ہے اس کا جواب دیتے ہوئے آپ فقہاء احناف کی تصریحات سے یہ واضح کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو اگر متولی قرار دیا گیا ہے تو بھی متولی وقف کرنے والے کا وکیل ہوتا ہے۔

"مسلمانوں کو اس وقف کا متولی قرار دیا گیا ہے اور متولی منجانب واقف وکیل ہوتا ہے جیسا کہ فتاوی عالمگیریہ جلد دوم ص 481 میں ہے۔ ولوجعل الیہ الولایۃ فی حال حیاتہ وبعد وفاتہ کان جائزاً وکان وکیلاً فی حال الحیوۃ وصیاً بعد الموت انتہی"۔ (53)

آپ مزید لکھتے ہیں کہ وکیل کا فعل تعمیرات میں موکل ہی کا فعل ہوتا ہے۔

"اور وکیل کا فعل بناء اور تعمیرات میں موکل کا فعل ہوتا ہے جیسا کہ درالمختار شامی کنز الدقائق وغیرہ کتب فقہ میں موجود ہے اور وقایہ میں ہے وبفعل وکیلہ فی حلف النکاح والطلاق والخلع والعتق والکتابۃ والصلح عن دم عمد والھبتہ والصدقۃ

والقرض والاستقراض والایداع والاستیداع والاعارۃ
والاستعارۃ والذبح وضرب العبد وقضاء الدین وقبضہ
والبناء والخیاطۃ والکسوۃ والحمل انتہی" (54)

قیاس سے استدلال:

ساتواں شبہ یہ ہے کہ ہندو آریہ کی زمین اور مکان اس سے لے کر مسجد بنانے میں اسلام کا کوئی کسر شان نہیں ہے بلکہ یہ ایک طرح علو شان اسلام ہے کہ ہندو سے بھی اپنا مطلب لے لیتا ہے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ یہ قیاسات مقابلہ نص صریح کے ہیں جو کہ باطل اور فاسد ہیں جیسا کہ ابلیس لعین نے نص صریح اسْجُدُوا لِآدَمَ کے مقابلہ میں قیاس کیا کہ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ (55) جیسا کہ تفسیر مظہری میں ہے

"قال ابن عباس اول من قاس ابلیس فاخطاء فی القیاس
فمن قاس فی الدین بشی من رایہ قرنہ اللہ مع ابلیس ثم قال
یعنی علی خلاف النص الواردۃ انتہی ملتقطاً" (56)

مستفاد نتیجہ یوں اخذ کرتے ہیں۔

"خلاصہ یہ ہے کہ جب نص قطعی صریح کسی امر میں وارد ہو تو وہاں کسی دھوکے کی گنجائش نہیں جب آیت صریحاً وارد ہوئی کہ مشرکین و کفار کو کسی مسجد کی عمارت کی اجازت نہیں تو پھر بے ہودہ بکواس اور واہیات خرافات اس کے مقابلہ میں پیش کرنے شیطان کا کام ہے۔"(57)

اس کے علاوہ وارد ہونے والے بعض دیگر شبہات کو ذکر کرتے ہوئے آپ

مزید توضیح کرتے ہیں۔ دیگر چند ایک شبہات حسب ذیل ہیں۔

(1) راجوواڑوں میں جو مساجد ہیں جن کو ہندو راجگان نے بنایا ہے کیا ان میں مسلمان نمازیں نہیں پڑھتے۔ اگر پڑھتے ہیں تو کیوں پڑھتے ہیں۔

(2) انگریزوں نے جو مسلمانوں کو مربعہ جات دیئے ہیں ان میں مساجد بھی بنی ہیں کیا ان میں مسلمان نمازیں نہیں پڑھتے۔

(3) بیت اللہ شریف اور مسجد الحرام جو کفار مشرکین کے قبضہ میں رہیں ان میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے اور بیت اللہ کو کفار مشرکین نے از سر نو تعمیر بھی کیا، کیا یہ مسجد نہیں؟

ان شبہات کا جواب دیتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ ان تمام مخالطات کا دو طرح سے جواب دیا جاتا ہے ایک جو ہر ایک کا واحد جواب ہے اور دوسرا جزئی جو ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ جواب ہو گا۔ جواب کلی یہ ہے کہ ہم نے صریح نص قرآنی پیش کی ہے اس کے جواب میں ایسے ایسے دھوکے کارگر نہ ہوں گے۔ جواب جزئی یہ ہے کہ راجاؤں میں علماء اسلام ہر زمان میں بکثرت موجود رہے ہیں ہماری فطرت سلیمہ یہ ہرگز تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ ان علماء متبحرین نے منافع دنیوی کو مد نظر رکھ کر صریح آیت قرآنی کا خلاف روا رکھا ہوا ہو بلکہ کسی قاعدہ شرعیہ کے تحت میں لاکر مساجد کی تعمیر کرالی ہو گی مثلاً اراضی عطیہ راجگان کو کسی مسلمان کے تملیک کرا کر مسلمان اپنی جانب سے اس کو وقف کر کے اپنے مال سے مسجد تیار کرائی ہو۔ ہمیں حسن ظن بحق علماء اہل اسلام اس امر کی جرات نہیں دیتا کہ ان کی طرف خلاف حکم احکم الحاکمین کو نسبت کریں۔ اور مربعہ جات کی مساجد کا یہ ذکر ہے کہ سرکار انگریزی نے ان تمام مربعہ

جات کو اہل اسلام کی تملیک کرائے ہیں سرکار کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہتاہے۔ پھر مسلمان نہیں کر سکتے۔ بے غیرت نام نہاد مسلمانوں کا کوئی ذکر نہیں جن کا مد نظر حصول منافع دنیوی ہوں ۔(58)

مذکورہ بالا دلائل کے بعد مولانا گانگوی اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ تاریخ اسلامی میں شاید یہ پہلی مسجد ہو گی جو ہندو مسلم کے اشتراک سے تعمیر ہو گی اور مسجد کی دیوار پر ایک جانب اللہ اور دوسری جانب اوم تحریر ہو گا۔

"حضور کریم ﷺ کے عہد اقدس سے آج تک اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ مساجد اسلامیہ میں سے کسی مسجد کی دیوار پر اوم یا کوئی دوسرا ایسالفظ جو مشعر بکفر ہو لکھاہوا ہو یہ وہ بدعت قبیحہ ہے کہ ساڑھے تیرہ سوسال سے آج تک کسی مسلمان نے باوجود اشد ضرورت کے اس کو برداشت نہیں کیااور نہ ہی کسی شہر میں کوئی ایسی مسجد بنی ہے جو مشرکین کی یادگار یاکوئی ایسالفظ جو مشعر بشرک ہو اس کے کتبہ پر کندہ ہو اس بدعت قبیحہ و کفر شنیع کے مرتکب کون ہیں وہ جو اپنے آپ کو بمضمون برعکس نہند نام زنگی کافور نام نہاد اتباع قرآن کے واحد ٹھیکہ دار"۔(59)

آپ مذکورہ مسجد کو مسجد ضرار قرار دیتے ہوئے اس کے انہدام کا فتویٰ دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"خلاصہ یہ ہے کہ مسجد مذکور مشرک کی جائیداد سے جو نجس اور غیر طیب ہے اور بغرض نام وری ومباہات بن رہی ہے یہ مسجد ضرور ملحق بضرار ہے جس کو جلا کر راکھ بنادینا اور کوڑا کرکٹ کی جگہ قرار دینا عین تعلیم اسلام ہے"۔(60)

مسجد ضرار، جو منافقین نے تعمیر کی تھیں، کو وجہ فساد قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی نظیر پہلے حضور اقدس ﷺ کے عہد میمون میں قائم ہو چکی ہے وہ مسجد ضرار جس کو منافقین نے ابو عامر راہب کے اشارہ پر بغرض فساد و تفریق جماعت مسلمین اور دشمنان خدا ورسول کے ٹھکانے کے واسطے بنائی تھی تب یہ آیت نازل ہوئی۔

"وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ"[61]

تب حضور ﷺ نے اس مسجد کو گرا کر جلا دیا اور اس کی راکھ پر تمام مدینہ شریفہ کی کوڑہ کرکٹ کی جگہ بنادی۔

آپ مزید لکھتے ہیں کہ اس ہندو کا نچلے کمرہ میں تا حین حیات اپنی رہائش مقرر کرنا یہ شرط بھی مسجدیت کے منافی ہے اس شرط پر ہرگز مسجد نہیں بن سکتی جبکہ جوہرہ نیرہ شرح قدوری میں ہے۔ "وان بنی علی سطح منزله مسجداً وسکن اسفله فهو میراث عندهما انتهی"[62] اور فتاوی عالمگیریہ میں ہے "اذا جعل ارضاً له مسجداً و شرط من ذلك شيئاً للنفسه لا يصح بالا جماع انتهى"[63]

شرعی حکم کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"الحاصل مسجد مذکور ہرگز شرعاً مسجد الاسلام نہیں بن سکتی اس کا بنانا اور اس پر مال خرچ کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں بلکہ اگر بن بھی جائے تو اس میں نماز ناجائز اور اس کا گرادینا مسلمانوں کا فرض اولین ہو گا جیسا کہ خداوند عالم جل جلالہ نے مسجد ضرار کے بارہ میں ارشاد فرمایا

ہے لاتقم فیہ یعنی اس میں آپ نماز ہر گز نہ پڑھیں یہ ہے اس مسجد کا شرعی حکم۔" (64)

آخر میں آپ اس مسجد کے مسجد الاسلام ہونے کہ دو صورتیں بیان کرتے ہیں کہ اگر یہ شرائط پوری کی جائیں تو تمام اعتراضات دور ہو سکتے ہیں۔

"ہاں اگر ہندو مذکور قبل از بناء مسجد پکااور سچا مسلمان ہو کر نماز اور زکوٰۃ ادا کرے اور خوف الٰہی دل میں رکھے تب یہ مسجد بلاشک وشبہ مسجد الاسلام بن سکتی ہے اور اگر یہ سعادت اس کے نصیب نہ ہو تو اس وقف کو واپس لے کر کسی مسلمان صالح امین کے ملک کر کے بلاکسی شرط اپنا قبضہ بالکلیہ اٹھا کر اس کے قبضہ میں دے دے اور وہ مالک اس جائیداد کا اس زمین پر اپنے طرف سے مسجد بنادے اور کوئی کتبہ وغیرہ ہندو کے نام کا نہ رہے تب بھی مسجد الاسلام بن سکتی ہے۔ سواء ان دو صورتوں کے اس جائیداد پر مسجد اسلام ہر گز ہر گز نہیں بن سکتی ۔فمن ادعی الجواز فعلیه البیان مع اوضح البرهان، سبحان ربك رب العزة عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد لله رب العالمین "(65)

تقاریظ اور تصدیقات / تصحیحات علماء کرام

مولانا عبد الرسول نائم، شاہ پور:

ماقال المجیب المصیب فی الجواب فھو مقرون بالصحۃ والصواب،

عبد الرسول نائم، المتوطن بھکر ضلع شاہ پور

مولانا غلام محمد سرسی:

الجواب صحیح غلام محمد سرسی بقلم خود:

واضح رہے کہ کفار کا کوئی لمحہ یا لحظہ خسر سے خالی نہیں۔ بموجب قول باری تعالی وَالْعَصْرِ * إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ * إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا یعنی ایک منٹ اس خسر صفت سے وہ خالی نہیں ہوسکتے بموجب کفر کے جو وہ ہر وقت لازم ہے صفت جیسی ذات کو لازم مال کو بھی لازم ہے لہذا یہ مسجد مملوکہ آریہ دس گونہ مسجد ضرار زائد ہے۔ عجب ان مسلمانوں کی حالت پر جو إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا سے نکل کر یعنی خسر میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ (66)

مولانا میاں نور احمد:

جو مسجد ان شرائط مذکورہ کے مطابق ہو وہ شرعاً ممنوع ہے۔ کیونکہ اول تو اس

میں اوم کا لفظ جو اللہ اکبر سے مقدم لکھا گیا ہے ہتک حرمت اسلام ہے کیونکہ جبکہ شعار کفر کو شعار اسلام پر مقدم کرنا بے غیرتی ہے۔ علاوہ اس کے ایک موقعہ پر حضور انور فداہ ابی وامی ﷺ جہاد پر جارہے تھے تو ایک شخص نے عرض کی کہ میں جہاد پر مدد دینا چاہتا ہوں تو نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم مسلمان ہو تو اس نے جواب دیا کہ نہیں تو حضور نے فرمایا کہ میں مشرک سے مدد لینا نہیں چاہتا تو جب جہاد شعار اسلام میں سے ہے جیسا کہ فرمان نبی ﷺ کا ہے کہ **الجہاد ماض الی یوم القیامۃ** تو ایسا ہی یہ مساجد بھی شعار اسلام میں سے ہیں۔ جیسا کہ امام محمد صاحب کی نص ہے کہ مسجد میں اذان نہ ملے اس قریہ میں جہاد کرو کہ انہوں نے شعار اسلام کو ترک کیا ہے تو نبی کریم ﷺ جہاد میں امداد نہیں قبول کی تو مسجد میں کافر کی کس طرح امداد لینی درست ہو سکتی ہے۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔ حررہ احقر العباد میاں نور احمد از وتہ خیل 16 ربیع الآخر 1350ھ [67]

مولانا محمد اکبر علی:

اقوال باللہ التوفیق الجواب الذی کتبه وحققه العلامة مولنا احمد الدین ابقاہ القوی المتین هو عین الحق والصواب بلاشك وارتیاب وکیف سیوغ للکفار وقد قال فی التفسیر الاحمدی ناقلاً عن المدارك قیل کل مسجد بنی مباهاۃ اوریاًاوسمعة اولغرض سوی ابتغا وجه الله او بحال غیر طیب فهو لاحق بمسجد الضرار انتهی۔ کلامه[68]

محمد اکبر علی عفاعنہ

المقیم فی المسجد الجامع میانوالی

مولانا سید فخر الزمان شاہ، کوٹ چاندنہ:

مسجد ہندو آریہ کی مسجد ضرار منصوص قرآنی سے بالکل کم نہیں کیونکہ ہر دو کے بانیان کافر ہیں اور طعن بر مسلمین جو موجب فتنہ عظیمہ جس کا مٹانا قیامت تک مشکل ہے۔ نیز تفریق بین المومنین آج ہی سے شروع ہوگئی۔ جب رب العزت جل جلالہ نے فیصلہ فرمادیا کہ معمرین مساجد مومنین ہیں اب حیلہ بنانے میں سراسر غلطی اور تباہی قیامت ہے۔ علاوہ ازیں مساجد میں سے جب تک حق العبد کو منقطع نہ کیا جائے تو وہ مسجد ان المساجد للہ سے نہیں چنانچہ شامی (جلد 3 صفحہ 137) احکام المسجد میں قال فی البحر حاصلہ ارہ شرط کو نہ مسجدا ان یکون سفلہ وعلوہ مسجداً لینقطع حق العبد عنہ لقولہ تعالیٰ وان الجاصیہ وان المساجد للہ بخلاف ما اذا کان السرداب والعلو موقوفاً لمصالح المسجد فھو کسرداب بیت المقدس ھذا ھو ظاھر الروایۃ انتھیمختصراً چہ جائیکہ ایک ہندو واقف نجس اپنی حین حیات تک اپنے واسطے رہنے کے واسطے ایک جگہ خاص کرتا ہے حال آنکہ حکم مذکورہ بالا ایک مسلمان واقف کے متعلق لکھا گیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ مسجد کسی صورت میں مسجد اللہ نہیں بن سکتی۔ بموجب تحقیق فاضل محقق مجیب کے صانہ اللہ تعالیٰ فقط واللہ اعلم (69)

انا العارض فخر زمان بقلم خود ساکن کوٹ چاندنہ متصل کالاباغ

26 ماہ ربیع الثانی 1350ھ

مولانا نور محمد ہاشمی، کندیاں:

قد رایت هذه الرسالة کلها مطابقاً شریعة النبی ﷺ فالجواب صحیح الذی کتبه حضرت مولانا احمدالدین فهو نجیح هذا مذهبی و عین ایمانی لان فی لفظ۔ اوم هتك الله تعالیٰ جل جلاله فیلیق للمسلمین ان یهدموا اویحرقوا هذا المسجد لان فی لفظ اوم شرك جلی الاوم یقال للمادة والروح والله فلفظ اوم مجموع الثلاثة ویقولون له القدیم۔ فهوا شرك جلی کیف للمسلم ان ینظر الیٰ لفظ الشرك ثم یصلی فیه لایقول له المسجد

حررہ عبدہ نور محمد امام مسجد اسٹیشن کندیاں، بقلم خود (70)

مولانا عبد اللہ، بھکر:

اقول وبه تعالیٰ نحول ماقاله العلامة الفهامة فی الجواب فهو صحیح بلاشك وارتیاب والحق احق بالعمل والاتباع

حررہ عبدہ عبد اللہ عفی عنہ سکنہ بھکر بقلم خود (71)

مولانا محمد امیر احمد / خواجہ ضیاء الدین سیالوی سجادہ نشین سیال شریف:

واقعی وہ مسجد جس کی زمین کوئی ہندو وقف کرے اور اپنا تعلق بھی قطع نہ کرے جیسا کہ حضرت مولانا مجیب نے اپنے استفتاء میں تحریر فرمایا۔ ایسی مسجد میں نماز ہر گز جائز اور صحیح نہیں۔ کیونکہ مسجد کے صحیح ہونے کی یہ شرط ضروری ہے کہ وہ محض خالصاً لوجہ اللہ ہوے۔ لقولہ تعالیٰ وان المساجد للہ اور مسجد ہذا میں چونکہ ہندو اور تعلق تاحین حیات لازمی رکھا ہے اس واسطے یہ مسجد جائز نہیں۔ هذا هو الحق وماذا

البعد الحق الا الضلال حضرت قبلہ سجادہ نشین سیال شریف کا فرمان ہے کہ اس مسجد کو مسجد نہ کہا جائے۔ حضرت مولانا محمد امیر احمد صاحب: سجادہ نشین سیال شریف کی اجازت سے لکھا گیا۔ حضور کے دستخط ثابت ہیں۔ بذات خود، مسکین امیر احمد[72]

مولانا قاضی نور حسین، فتح جنگی:

المجیب مصیب، نور حسین فتح جنگی بقلم خود[73]

مولانا برہان الدین او چھروی:

ما حققه المحققون فهو حقيق بالقبول[74]

حررہ الاحقر الافقر برہان الدین او چھروی، بقلمہ

مولانا محمد عبد الرحمٰن بڑھالی:

مسکین محمد عبد الرحمن بقلم خود سکنہ بڑھال[75]

مولانا محمد جعفر، مدرس سیال شریف:

یحمل الصحۃ علی ھذا الجواب بالاشتقاق ۔ حررہ

المسکین محمد جعفر کان اللہ تعالیٰ از سیال شریف مدرس اول[76]

مولانا غلام محمد:

"جو کچھ حضرت مولانا مجیب نے استفتاء بالا میں جواب تحریر فرمایا عین صحیح وصواب ہے۔

احقر الناس غلام محمد قصبہ احمد خانوالہ، بقلم"[77]

مولانا غلام یٰسین واں بھچروی:

"مطابق نصوص صریحہ کے ہیں اس کے خلاف عمل کرنا محض بطلان اور فساد دین ہے۔ غلام یٰسین عفاعنہ ازواں بھچراں"(78)

مولانا محمد عبد اللہ، پہاڑ پور:

"المجیب مصیب حررہ محمد عبد اللہ عفاعنہ بقلم خود از پہاڑ پور شمالی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان"(79)

مولانا عبد المجید سندھی:

قد رایت هذه الرسالة من ادله الیٰ آخره وقرات حرفاً حرفاً من غیر مرة فوجدته صحیحاً لاریب فیه فهذا مذهبی وعین ایمانی فیلیق للمسلمین ان یحرقوا او یهدموا هذه المسجد لانه ملحق لمسجد الضرار والعجب من الذین یقولون بجواز هذه المسجد فهم آریة لان الجنس باالجنس یمیلوا کتبه احقر العباد عبد المجید سندھی الحال واں بھچراں(80)

مولانا فضل الٰہی قریشی:

"بعض مقام پر نظر گزاری گئی ہے تحریر موافق شرع شریف معلوم ہوتی ہے۔ امید کہ اول سے آخر تک رسالہ اچھا صحیح ہو گا۔ دو تین باتیں ضرور قابل اعتراض ہیں۔ لفظ اوم، دوسرا اواقف کا وہیں قدیمی کفریہ نام کندہ ہونا تیسرا تحت میں اس کا نامزد حجرہ مسکن کا ہونا اس میں ضرور دل کو کماحقہ تسلی نہیں ہوتی جب تک اسلام کے مطابق نہ بنائی جائے گی۔ مسجد مشتبہ رہے گی اور قابل اعتراض ہو گی۔ فقط الراقم

بندہ فضل الٰہی قریشی الحال واں بھچراں"(81)

مسجد آریہ کے عدم جواز پر سید احمد الدین گانگوی نے قرآن و حدیث اور فقہاء کی آراء سے درجنوں دلائل دیئے مذکورہ مسجد کو افتراق و انتشار بین المسلمین کا ذریعہ قرار دیا مسلمانوں اور مشرکوں کے اتحاد سے تعمیر ہونے والی اس عمارت کو امت مسلمہ میں ایک نیا سانحہ قرار دیا۔ اپنی تحقیق پر معاصر علماء سے رائے بھی لی اور مذکورہ عمارت کو مسجد کہنے کو بھی ناجائز قرار دیا۔ مگر اس سب کے باوجود وہ مسجد تعمیر ہوئی اور کم و بیش ایک صدی گزرنے کے بعد آج بھی مین بازار میانوالی کے وسط میں موتی مسجد کے نام سے معروف ہے اور یوں سید احمد الدین گانگوی کی درست رائے نے بھی ایک تفرد کی حیثیت اختیار کرلی۔

موسیقی اور آلات موسیقی:

متقدمین صوفیہ اور سید احمد الدین گانگوی کی فقیہانہ اور تفردانہ رائے

موسیقی کا جواز و عدم جواز بھی علماء کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ رہا اور جانبین سے اس پر دلائل دیئے جاتے رہے۔ موسیقی کے حوالے سے سید احمد الدین گانگوی کی آراء کو اس مبحث میں ذکر کیا جائے گا اور آلات موسیقی کے متعلق آپ کے تفرد و امتیاز کو بھی مفصل بیان کیا جائے گا۔

موسیقی اور آلات موسیقی کے جواز اور عدم جواز کے متعلق سید گانگوی کی آرا پر تبصرہ کرنے سے قبل متقدمین صوفیہ اور فقہا کی آرا کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ مبحث سماع کے تحت رسالہ قشیریہ، عوارف المعارف، قوت القلوب اور احیاء العلوم وغیرہ میں موسیقی کے موضوع پر اکابر صوفیہ کی آرا کو دیکھا جا سکتا ہے۔ چند آرا کو بیان کرنے

کے بعد مولانا گانگوی کی رائے کو بیان کیا جائے گا۔

شیخ ابو القاسم قشیری باب السماع کی ابتداء جواز سماع کے ثبوت کے لئے حسب ذیل قرآنی آیات سے کرتے ہیں:

فَبَشِّرۡ عِبَادِ الَّذِيۡنَ يَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ(82)

"پس میرے ان بندوں کو خوشخبری سناؤ جو بغور بات سنیں پھر احسن کی اتباع کریں۔"

فَهُمۡ فِىۡ رَوۡضَةٍ يُّحۡبَرُوۡنَ(83)

"باغ کی کیاری میں ان کی خاطر داری ہو گی"

قشیری لکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر سماع سے کی گئی ہے۔ شیخ قشیری جہاں قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں وہیں احادیث و آثار، فقہاء کی آراء اور صوفیاء کے اقوال بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس مبحث میں صحیحین، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ، نسائی مسند احمد وغیرہ کی احادیث بھی بطور استدلال ذکر کرتے ہیں۔ صحیح بخاری کی درجہ ذیل روایات کو بطور استدلال ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے تھے کہ انصار خندق کھودتے وقت یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

نحن الذین بایعوا محمداً
علی الجهاد ما بقینا ابداً

رسول اللہ ﷺ نے ان کو یوں جواب دیا:

اللهم لا عیش الا عیش الآخرة
فاکرم الانصار والمهاجرة(84)

دوسری روایت بخاری کی یہ ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ ان کے ہاں داخل ہوئے تو ہمارے پاس دو گانے والیاں یوم بعاث والے اشعار گا رہی تھیں تو حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا کہ یہ تو مزمار شیطان ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اے ابو بکر! انہیں چھوڑ دو ہر قوم کے لئے عید کا دن ہوتا ہے اور آج ہماری عید کا دن ہے"۔ (85)

اس روایت کو قشیری نے اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان دو احادیث کے علاوہ دیگر کتب حدیث سے مزید پانچ اور روایات بھی شیخ قشیری نے ذکر کی ہیں۔

امام شافعی کا مسلک: قشیری کا تبصرہ

قشیری اپنے فقہی مسلک کی رعایت سے امام شافعی کا اس باب میں موقف بھی ذکر کرتے ہیں اور جواز سماع کے لئے ان کی ایک روایت بھی ذکر کرتے ہیں، امام شافعی کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"واما الشافعي رحمه الله، فانه لا يحرمه، ويجعله فى العوام مكروها، حتى لو احترف بالغناء او اتصف على الدوام بسماعته على وجه التلهي ترد به الشهادة، ويجعله مما يسقط المروة ولا يلحقه بالمحرمات"۔ (86)

"بہر حال امام شافعیؒ تو وہ بھی اسے بھی حرام قرار نہیں دیتے لیکن عوام کے لئے اسے مکروہ سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی بطور پیشہ اس پر دوام اختیار کرے اور ذریعہ لہو ولعب سمجھے تو اس کی شہادت بھی رد کر دیتے ہیں جن سے مروت ساقط ہو جاتی ہے البتہ آپ اسے حرام

کاموں کے ساتھ نہ ملاتے تھے"

امام شافعی کی رائے ذکر کرنے کے متصلا بعد قشیری وضاحتی انداز میں لکھتے ہیں کہ جو سماع زیر بحث ہے اس کا تعلق ایسے کلام کے سماع سے نہیں جو لہو لعب پر مشتمل ہو (یعنی ھمارا کلام موسیقی کے بارے میں نہیں) کیونکہ ایسا غنا سننا تو اھل حق کے شایان شان ہی نہیں، پھر احادیث و آثار ذکر کرنے کے بعد امام شافعی ہی سے متعلقہ ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں جس کے راوی شیخ اسماعیل بن علیہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں امام شافعی کی معیت میں تھا تو ہم ایسے مقام سے گزرے جہاں کوئی شخص گیت گا رہا تھا امام شافعی نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

ایطربك هذا؟ کیا تمہیں اس سے خوشی محسوس ہوتی ہے؟ فقلت لا

فقال: مالك حس!!

میں نے کہا نہیں تو آپ نے فرمایا: کہ تم میں حس ہی نہیں۔

اپنے استاد شیخ ابو علی الدقاق کی رائے بھی ذکر کرتے ہیں، ان کے موقف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"سمعت الاستاذ ابا علی الدقاق یقول: السماع حرام علی العوام، لبقاء نفوسهم، مباح الزهاد، لحصول مجاهداتهم، مستحب لاصحابنا، لحیاة قلوبهم"[87]

"میں نے اپنے استاذ ابو علی الدقاق سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ عوام کے لئے سماع حرام ہے۔ ان کے نفوس کی بقا کے لئے زہاد کے لئے مباح ہے کیونکہ انہیں مجاھدات حاصل ہیں اور ہمارے اصحاب کے لئے مستحب ہے ان کے قلوب کی حیات کے لئے"

سماع کے جواز یا عدم جواز پر متقدمین صوفیہ کے ارشادات بھی پیش کرتے ہیں، اس ضمن میں وہ شیخ حارث المحاسبی، شیخ ذوالنون مصری، شیخ جنید بغدادی، شیخ ابو بکر شبلی، شیخ ابو الحسن نوری، شیخ ابو عثمان مغربی وغیرہ کے اقوال کو بیان کرتے ہیں۔ شیخ ابو بکر شبلی سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

"وسئل الشبلی عن السماع فقال: ظاهره فتنة، وباطنه عبرة، فمن عرف الاشارة حل له استماع العبرة، والا فقد استدعی الفتنة، وتعرض للبلیة"(88)

حضرت شبلی سے سماع کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا: اس کا ظاہر فتنہ ہے اور باطن عبرت، جو اس اشارے کو پہچان لے اس کے عبرت کا سننا جائز ہے وگرنہ وہ فتنہ کو مدعو کرنے والا اور مصائب کو طلب کرنیوالا ہو گا۔

سماع کی حلت و حرمت: قشیری کا مؤقف

سماع کے حوالے سے قشیری، صوفیہ کے اقوال اور احوال کو کثرت کے ساتھ درج کرنے کے بعد کوئی محاکمہ کرتے نظر نہیں آتے اور نہ ہی اقوال کی شرح یا ان پر کسی بھی انداز سے نقد یا تبصرہ نہیں کرتے جس کی وجہ سے سماع کے جواز و عدم جواز پر اقوال و احوال کا مجموعہ تو سامنے آتا ہے لیکن حکم سماع کا عقدہ نہیں کھل پاتا، پورے باب السماع میں کسی خاص رائے کا یقین قشیری کے ہاں نظر نہیں آتی اور نہ اس حوالے سے کوئی حکم لگاتے نظر آتے ہیں لیکن جواز سماع کے بیان میں آیات واحادیث اور آثار و اقوال کی زیادتی سے یہ مفہوم سامنے آتا ہے کہ قشیری خود بھی جواز و اباحت سماع کے قائل تھے، اس کی تائید باب السماع کے اختتام سے قبل اپنے استاذ شیخ ابو علی

الد قاق کی رائے اور پھر ان سے اپنی خواہش کے اظہار سے ہوتی ہے۔ قشیری کہتے ہیں کہ استاذ ابو علی الد قاق سماع کے لحاظ سے لوگوں کی تین اقسام بیان کرتے تھے۔

متسمع، مستمع اور سامع

متسمع وقت کے مطابق سنتا ہے، مستمع حال کے اعتبار سے جبکہ سامع حق کے ساتھ سنتا ہے اور اس کے بعد قشیری لکھتے ہیں۔

"سالت الاستاذ ابا علی الدقاق، رحمه الله تعالیٰ، غیر مرة، شبه طلب، رخصة فی السماع، فکان یحیلنی علی ما یوجب الامساك عنه، ثم بعد طول المعاودة قال: ان المشایخ قالوا: ما جمع قلبك الی الله سبحانه وتعالیٰ فلا باس به"[89]

میں نے استاذ ابو علی الد قاق سے کئی مرتبہ سماع سننے میں رخصت چاہی تو وہ اس سے بچنے کی تاکید کرتے، پھر مدت طویل گزرنے کے بعد فرمایا کہ مشائخ کہتے ہیں کہ جو تمہارے دل کو مجتمع کر کے بارگاہ خدا تک لے جائے تو (اس کے سننے میں) کوئی حرج نہیں۔

سماع کے حوالے سے شیخ سہروردی کی رائے:

شیخ شہاب الدین سہروردی نے سماع کے مبحث پر بھی تفصیل سے کلام کیا ہے، مبحث سماع کے حوالے سے اس کے جواز پر دیے گئے اکثر و بیشتر دلائل تفصیل سے ذکر کر دیے ہیں، فضیلت و قبولیت سماع پر مفصل دلائل دیے ہیں۔

سماع کے مجوزین و منکرین کے دلائل ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی آراء کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ جو لوگ سماع کے انکاری ہیں ان کی وجوہ انکار بھی بیان کی ہیں نیز محفل سماع کے دوران طاری ہونے والی کیفیات پر بھی سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ شیخ

سہروردی نے اس پر چار مستقل ابواب میں بحث کی ہے، ابواب کے نام حسب ذیل مقرر کیے ہیں۔

- فی القول فی السماع قبولا و ایثارا[90]
- فی القول فی السماع ردا و انکارا[91]
- فی القول فی السماع ترفعا واستغناء[92]
- فی القول فی السماع تادبا واعتناء[93]

پہلے باب میں سہروردی نے سماع کی فضیلت و قبولیت کو موضوع بحث بنایا ہے اس کے ساتھ ساتھ سماع کے احکام بھی ذکر کیے ہیں، اس باب کی ابتداء میں قرآنی آیات کے سماع کی تاثیر ذکر کرنے کے بعد سماع کے معاملہ میں ہونے والے اختلاف کا ذکر کیا ہے، قرآن کریم کی آثر آفرینی پر تین آیات اور تین احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

> "وھذہ جملة لا تنکر، ولا اختلاف فیھا، انما الاختلاف فی استماع الاشعار بالالحان وقد کثرت الاقوال فی ذلك وتباینت الاحوال: فمن منکر یلحقه بالفسق، ومن مولع به یسھد بانه واضح الحق، ویتجاذ بان فی طرفی الافراط و التفریط"[94]

ان جملہ امور (سماع قرآن وغیرہ) سے انکار و اختلاف نہیں کیا جاسکتا، اصل میں اختلاف اس امر میں ہے کہ اشعار لحن کے ساتھ (گا کر) سنے جاسکتے ہیں کہ نہیں، اس میں بکثرت اقوال ہیں اور احوال بھی مختلف ہیں، بہر حال منکرین اسے فسق و فجور گردانتے ہیں جبکہ اس کے عادی اور شیدائی اسے ہی واضح حق قرار دیتے ہیں، اس طرح

یہ دونوں افراط و تفریط کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

حکم سماع میں شیخ ابو طالب مکی کی موافقت :

سماع کا حکم بیان کرنے میں سہروردی، شیخ ابو طالب مکی کی آراء کو بنیاد بناتے ہیں، سہروردی کے بقول شیخ ابو طالب مکی چونکہ علم و عمل سے آراستہ اور زہد و تقویٰ سے پیراستہ مرد صالح اور فقیہہ و محدث تھے اس لیے ان کا بیان کردہ حکم زیادہ صحیح ہے۔

شیخ ابو طالب مکی کا بیان کردہ حکم ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقال فی السماع حرام، وحلال و شبهة فمن سمعه بنفس مشاهدة شهوة وهوی فهو حرام، ومن سمعه بمعقوله دلی صفة مباح من جارية اوزوجة كان شبهة لدخول اللهو فيه، ومن سمعه بقلب يشاهد "معانی تدله علی الدليل وتشهد طرقات الجليل فهو مباح، وهذا قول الشيخ ابی طالب المکی وهو الصحيح"[95]

"شیخ ابو طالب مکی کہتے ہیں کہ سماع حرام بھی ہے، حلال بھی اور مشتبہ بھی، اگر شہوت و خواہش نفس کے باعث سنا جائے تو حرام ہے، اور جس نے معقول طریق سے اپنی زوجہ یا جاریہ سے سنا تو یہ سماع مشتبہ ہے کیونکہ اس میں لہو ولعب کا دخل ہے اور جس نے قلبی توجہ سے سنا اور دلیل راہ بننے والے معانی کا مشاہدہ کیا تو ایسا سماع مباح ہے، اور یہ شیخ ابو طالب مکی کا قول ہی صحیح ہے۔"

اس کے بعد سہروردی سماع کی علت و حرمت پر بحث کرتے ہیں اور وضاحت

سے بتاتے ہیں کہ سماع کی حلال صورتیں کون کونسی ہیں اور حرام کس صورت میں ہے، اس دوران بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث سے احادیث بھی ذکر کرتے ہیں، دوران سماع صوفیہ کی وجدانی کیفیات کا احوال بھی بتاتے ہیں، نیز اشعار کے بارے میں بھی نبی پاک ﷺ کے فرامین بھی پیش کرتے ہیں اسی طرح سماع و وجد کے معاملہ میں نقالی کرنے والے بناوٹی درویشوں کی حالت زار کا نقشہ بھی کھینچتے ہیں۔

سہروردی سماع کے متعلق مطلقا منکر نا سمجھی کو بھی مبرھن کرتے ہیں کہ مطلقا سماع کا انکار احادیث اور آثار صحابہ سے لاعلمی کا نتیجہ ہے یا پھر منکر سماع کو نیک اعمال پر تکبر ہے جس کی وجہ سے انکار پر مصر ہے یا پھر وہ بدذوقی کی وجہ سے انکاری ہے، انکار پر مبنی تینوں وجوہ کا تفصیلا جواب دیتے ہیں، اس ضمن میں مسجد نبوی ﷺ میں حبشیوں کے رقص کے حوالے سے صحیحین کی روایت کو بھی بطور استدلال پیش کرتے ہیں، سنن ابو داؤد سے بھی ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں اھل سماع کی بعض کرامات بھی بیان کرتے ہیں، اس باب کے اختتام پر سہروردی انکار محفل سماع پر تصور بدعت سے کیے گئے استدلال کا رد بھی فقیہانہ بصیرت اور شان سے کرتے ہیں۔

شیخ سہروردی لکھتے ہیں۔

"القائل: ان هذه الهیة من الاجتماع بدعة؟ یقال له: انما البدعة المحذورة الممنوع منها بدعة تزاحم سنة مامورا بها، ومالکم یکن هکذا فلا باس به"[96]

"اگر کوئی کہے کہ (سماع) کے اجتماع کے لئے مخصوص ہیئت بدعت ہے، اس کے یوں جواب دیا جائے کہ وہ بدعت ممنوعہ ہے جو کسی ایسی سنت کے خلاف ہو جس کا حکم دیا گیا ہو اور اگر ایسی صورت نہ ہو تو پھر

کوئی حرج نہیں۔"

سہروردی کا نام نہاد صوفیہ پر نقد:

باب اول میں جواز سماع کی بکثرت وجوہ و دلائل ذکر کرنے کے بعد دوسرے باب میں مروجہ محافل سماع اور موسیقی و غنا کے حوالے سے احکام شریعت، فقہاء کی آراء اور صوفیہ کے ارشادات کو بیان کیا گیا ہے، شیخ سہروردی اپنے زمانہ کے نام نہاد بناوٹی صوفیہ کا ذکر کرتے ہیں کہ فی زمانہ محافل سماع کا انعقاد قلبی رغبت کے بجائے خواہش نفسانی کی بنیاد پر ہوتا ہے، ایسی محافل فقط سیر تماشے اور نفسانی خواہشات کے زیر اثر ہوتی ہیں جسکی وجہ سے روحانی ترقی کے سلسلے رک گئے ہیں اور لذت عبادت بھی نہ رہی، اپنے ہم عصر بناوٹی درویشوں کے حالات ذکر کرنے کے بعد سہروردی غنا اور موسیقی کے حوالے سے مشائخ وفقہا کی تعلیمات بیان کرتے ہیں۔

امام شافعی کا موقف بیان کرتے ہوئے سہروردی رقم طراز ہیں:

"وقد نقل عن الشافعي، رضي الله عنه، انه قال في كتاب "القضاء" الغناء لهو مكروه يشبه الباطل وقال: من استكثر منه فهو سفيه ترد شهادته"(97)

"امام شافعی نے کتاب القضاء میں لکھا ہے کہ: غنا اور موسیقی لہو لعب کا ذریعہ، مکروہ اور باطل سے مشابہ ہے مزید کہا کہ جو بکثرت گانا سنے تو وہ بے وقوف ہے، اس کی گواہی مردود ہے۔"

سہروردی فقہا شافعیہ کے اس معاملہ میں اتفاق و اجماع کا قول کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک غنا و موسیقی ناجائز ہے، مزید امام مالک اور امام ابو حنیفہ سے بھی اس کی تائید ذکر کرتے ہیں۔

موسیقی کی حرمت پر قرآن وحدیث سے استدلال:

مذہب فقہاء نقل کرنے کے بعد سہروردی قرآنی آیات کی تفسیر سے بھی موسیقی کی حرمت پر استدلال کرتے ہیں اور حسب ذیل آیات کی تفسیر کو اس حوالے سے نقل کرتے ہیں۔

- وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيث[98]
- وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ[99]
- وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوتِك[100]

آیت قرآنی کی تفسیر کے بعد غنا کی مذمت میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث، صحابہ کے اقوال ذکر کرتے ہیں، صحابہ کرام میں سے حضرت عثمان غنیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں، پھر مذمت غنا، موسیقی میں حضرت فضیل بن عیاض، حضرت خواجہ حسن بصری، حضرت ضحاک وغیرھم کے اقوال پیش کرتے ہیں، اس باب کے اختتام پر سہروردی ان دو ابواب میں جواز سماع اور عدم جواز سماع وغنا کے حوالے سے بالاختصار حسب ذیل انداز سے تبصرہ کرتے ہیں:

"فهذه الآثار دلت على اجتناب السماع واخذ الحذر منه۔ والباب الاول بما فيه دل على جوازه بشروطه وتنزيهه عن المكاره التى ذكرناها۔ وقد فصلنا القول وفرقنا بين القصائد والغناء وغير ذلك، وكان جماعة من الصالحين لا يسمعون، ومع ذلك لا ينكرون على من يسمع بنية حسنة ويراعى الادب فيه"[101]

"یہ وہ روایات ہیں جو سماع سے اجتناب پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہ بھی

کہ سماع سے بچا جائے، اور اس سے پہلے باب میں جواز سماع مشروط طریقہ
سے ثابت کیا گیا اور ہم نے ان خرابیوں کا بھی ذکر کر دیا جن سے سماع کو
پاک رکھنا چاہیے اس کے ساتھ ساتھ قصائد و اشعار اور غناء موسیقی کا
فرق بھی بیان کر دیا ہے اور ہر قول بالتفصیل ذکر کیا ہے۔"

جہاں یہ حقیقت ہے کہ صالحین کی ایک جماعت ایسی ہے جو سماع نہیں سنتی وہیں یہ ان کا انکار بھی نہیں کرتے جو حسن نیت اور آداب سماع کے ساتھ اس کا اہتمام کرتے ہیں۔ سماع کی بحث میں شیخ سہروردی تیسرے اور چوتھے ابواب میں دوران سماع کیفیت وجد کے طاری ہونے کی وضاحت کرتے ہیں، سماع اور وجد کے باہمی تعلق پر سیر حاصل بحث کرتے ہیں۔ باطل پرستوں کا نفسانی خواہشات کے زیر اثر کی جانے والی حرکات کو حقیقت وجد سے جدا کرتے ہوئے حق پرستوں کے دلی ارادوں کی بنیاد پر دوران سماع طاری ہونے والی وجدانی کیفیت کی حقیقت، اثر پذیری اور دوران سماع آداب کا ذکر کرتے ہیں۔

موسیقی کے متعلق سید احمد الدین گانگوی کی رائے:

سماع کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ فقہاء، صوفیہ اور محدثین کے ہاں شروع سے مختلف فیہ رہا ہے۔ ہر دور میں علماء و صوفیہ اپنے اپنے مشرب و مسلک کے اعتبار سے آراء کا اظہار کرتے رہے۔

بیسوی صدی کے ابتدائی عشروں میں مسئلہ سماع پر درجنوں کتب و رسائل تالیف کئے گئے۔ جن کی وجہ سے صوفیہ ء چشت کے لئے اپنے معمولات پر عمل مشکل بنا دیا گیا۔ فاضل بریلی[(102)] سے سید عین القضاۃ حیدر آبادی[(103)] تک کئی علماء نے عدم

جواز پر دلائل دیئے۔ چشتی خانقاہوں کے علمی مراکز میں آستانہ عالیہ سیال شریف کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور مجاہد اعظم خواجہ ضیاء الدین سیالوی پنجاب میں امارت شرعیہ کو قائم کر چکے تھے۔ قاضی القضاۃ اور مفتی اعظم کے فرائض سید احمد الدین گانگوی کے سپرد تھے۔ برصغیر کے کئی علماء وصوفیہ نے مسئلہ سماع پر خواجہ ضیاء الدین سیالوی سے وضاحت چاہی۔ خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے ایماء پر سید گانگوی نے اس مسئلہ پر انتہائی مبسوط اور مدلل کتاب لکھ کر تمام پہلوؤں کو انتہائی شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیا۔ مسئلہ سماع پر مولانا گانگوی کی یہ کتاب پہلی مرتبہ 1924ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے شائع ہوتے ہی پورے برصغیر میں اخبارات و جرائد میں اس پر تبصرے شائع ہوئے۔ کتاب کے جملہ محاسن وخصائص ایک مبسوط مقالے کے متقاضی ہیں۔ سر دست صرف دو حوالوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے جس سے اس کتاب کی تاریخی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار والفجار کے بارہ میں حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر (م 1942ء) نے لکھا۔

> "چنانچہ ایک رسالہ خیر النواحی فی حرمۃ الملاہی مولوی محمد عین القضاۃ حیدر آبادی نے در بارہ غنا، تصنیف کر کے دلائل حرمتِ غناء کی بھرمار کر دی پھر اس کے جواب میں مولانا احمد الدین گانگوی سیالوی نے رسالہ ضیاء شمس الانوار فی تحقیق سماع الابرار الفجار تصنیف کر کے رسالہ مذکورہ کے دلائل کے پرخچے اڑا دیئے، یہ رسالہ اس وقت میرے سامنے ہے اور اس کے ہوتے ہوئے اب اس بارہ میں کسی

جدید رسالہ کی تالیف کی ضرورت نہیں ہے"(104)

منیجر رسالہ شمس الاسلام سرگودھا نے لکھا:

"یہ کتاب حضرت مولانا مولوی احمد الدین گانگوی نے بایماء اعلیٰ حضرت سجادہ نشین سیال شریف تحریر فرما کر مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے، مولانا نے کتاب میں مسئلہ سماع پر نہایت محققانہ بحث کرتے ہوئے مخالفین کے دلائل کا ایسا دندان شکن جواب دیا ہے کہ آج تک کسی کو تردید کی جرات نہیں ہو سکی۔ حدیث شریف، آثار، اقوال محدثین و فقہاء، غرض اس مسئلہ کے متعلق معلومات کے دریا کو ایک کوزہ میں بند کر دیا ہے، ملک بھر کے چیدہ اخبارات نے اس پر نہایت عمدہ ریویو کئے ہیں، خاندان چشتیہ کے ساتھ تعلق رکھنے والوں میں سے ہر شخص کے پاس اس کتاب کا ہونا ضروری ہے تاکہ معترضین کے فریب سے محفوظ رہے"۔(105)

سماع، غنا اور آلات غنا کے متعلق مولانا گانگوی کی آرا کو بالتفصیل ذکر کیا جاتا ہے۔ سید گانگوی نے نہ صرف غنا کو جائز قرار دیا بلکہ آلات غنا یعنی مزامیر اور معازف کو بھی جائز قرار دیا۔ اس حوالے سے آپ کی آرا کا تفرد ظاہر و باہر ہے۔

سماع اور غنا بغیر مزامیر اور مع المزامیر مباح اور حلال ہے:

"اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سماع خواہ مجرد غنا ہو یا مع المزامیر فی حد ذاتہ مباح اور حلال ہے۔ اس کی ذات میں نہ کوئی حرمت ہے نہ قباحت۔ الا بوجہ لحوق عوارض ذمیمہ کے مذموم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اُن عوارض سے معری ہو تو اپنی حلت پر رہتا ہے۔ گویا اس کے دو قسم

ہوئے۔ ایک مشروع اور دوسرا غیر مشروع۔ مشروع ان روایات کا محمل ہے جو اباحتِ سماع پر دال ہیں۔ بناًعلیہ علی الاطلاق حرمت سماع کا فتویٰ دینا بھی غلط۔ اور علی الاطلاق اباحت سماع کا فتویٰ بھی غلط"۔ (106)

سماع مشروع و غیر مشروع:

سماع کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں، سماع مشروع اور سماع غیر مشروع ہر دو کی تعریف اور توضیح مختصراً کچھ یوں کرتے ہیں۔

"سماع مشروع وہ ہے کہ مجلس صلحاء میں بغرض صالح استعمال کیا جائے اس کی اباحت میں تو کوئی بھی اہلِ حق شک نہ کرے گا۔ ورنہ رسول اللہ ﷺ اور کبار صحابہ کے افعال و اقوال اس کی سرکوبی کر دیں گے اور غیر مشروع وہ ہے جو مجلس فساق میں بغرض لہو و لعب مستعمل ہو۔ اس کی حرمت میں کوئی بھی شک نہیں کرتا۔ اب پہلا قسم سماع بلا تفاق حلال اور دوسرا بلا تفاق حرام"(107)

گانے بجانے کے مواقع:

دس احادیث ذکر کرتے ہیں اور بعد ازاں احادیث کی عبارات النصوص اور اشارات النصوص سے گانے بجانے کے لئے ثابت مواقع کا ذکر کرتے ہیں۔

"الحاصل ان احادیث کی عبارت النص نے مواقعات ذیلہ میں گانے بجانے کو ثابت کر دیا (1) شادی کے وقت عام ازیں کہ خاص بوقت انعقاد نکاح ہو جیسا کہ احادیث میں مروی ہے ایلنو النکاح ولو بالدف یعنی ظاہر کرو نکاح کو اگرچہ دف کے ساتھ بھی ہو۔ یا بوقتِ

زفاف یا بعد ازاں (2) خوشی مباحہ کی مبارکبادی کے وقت (3) خوشی پہنچنے کے وقت (4) دوستوں کی ملاقات کے وقت (5) کسی نیک کام کی تحریص و ترغیب کے وقت اور ان کی اشارۃ النّص نے مواقعات ذیلہ میں گانے بجانے کی اجازت دے دی۔ اور حقیقت بتلا دی۔ (6) ولیمہ کے وقت (7) عقیقہ کے وقت (8) ختنہ کے وقت (9) اعراس بزرگانِ دین کے وقت (10) ختم قرآنِ شریف کے وقت (11) ولادت لڑکا کے وقت جیسا کہ احیاء العلوم میں ہے"۔[108]

حضور کریم ﷺ کی اجازت سے غنا مع المزامیر کا اثبات:

نبی کریم رؤف رحیم ﷺ کی احادیث سے غنا مع المزامیر کو ثابت کرتے ہوئے اور خلاصہ ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

"الحاصل اس بیانِ بسیط سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ حضورِ کریم ﷺ کے سامنے آپ کی اجازت سے غنا مع المزامیر کا استعمال کیا گیا۔ بلکہ خود حضور ﷺ نے کلامِ الٰہی کو خوشی فتح میں اسی لہجہ سے پڑھا اور ابو موسیٰ اشعری سے بھی خوش الحانی سے سنا۔ اور خوش الحانی سے پڑھنے کی ترغیب بھی دی۔ بلکہ یہ بھی فرمایا کہ جو شخص اس طرح نہ پڑھے گا وہ ہمارے سے نہیں اور اشعار مناسبہ خود بھی پڑھے۔ اور صحابہ کبار کے ساتھ مشاعرہ بھی فرمایا"۔[109]

معازف کی حلت:

آپ کا موقف یہ ہے کہ فی نفسہ تمام معازف حلال ہیں۔ مگر عوارض مذمومہ کی

وجہ سے ناجائز ہوتے ہیں۔

"باقی رہی معازف کی حلت یا حرمت۔ اس کی نسبت ذرا کان رکھ کر سنیے۔ تحقیق المرام فی ھذا المقام یہ ہے کہ فی الاصل و فی حد ذاتہ تمام انواع معازف و مزامیر مباح ہیں۔ ان میں ذاتی حرمت ہرگز نہیں۔ بلکہ عوارض ملحقہ کی وجہ سے کبھی حرمت عارض ہو جاتی ہے"۔[110]

سماع کی طرح مزامیر کو بھی مشروع اور غیر مشروع میں تقسیم کرتے ہیں۔

"تو گویا مزامیر بھی دو قسم ہیں ایک مشروع دوسرے غیر مشروع۔ یعنی اگر عوارض ذمیمہ سے معری ہیں تو مشروع ہیں۔ اور اگر عوارض ذمیمہ کے ساتھ ملحق ہیں تو غیر مشروع۔ اب جن روایات کا مفاد اباحت ہے ان کا محمل پہلا قسم ہو گا اور جن کا مدلول حرمت ہے ان کا محمل دوسرا قسم ہو گا فحصل الوفاق وار تفع الشقاق "[111]

بربط کا جواز:

مولانا گانگوی آلات موسیقی میں دف کو ثابت کرنے کے بعد بربط کو معازف کی دوسری قسم قرار دیتے ہوئے ثابت کرتے ہیں۔ اس حوالے سے صحابہ کرام کے معمول کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

"دوسرا قسم معازف کا عود ہے جس کو بربط بھی کہتے ہیں۔ اور اس کی تاریں ہوتی ہیں۔ جن کو زیر و بم کہتے ہیں۔ اور غیاث اللغات میں ہے کہ عود کو ہندی میں طنبور اور رباب کہتے ہیں۔ شیخ محدث دہلوی نے کہا ہے کہ عبد اللہ بن جعفر و عبد اللہ بن عمر و عبد اللہ بن زبیر و معاویہ بن ابی سفیان و عمرو بن عاص و حسان بن ثابتؓ ان جملہ صحابہ کبار سے

منقول ہے کہ بربط کو سنا کرتے تھے"۔ (112)

تابعین بھی بربط سنا کرتے تھے:

"اور غیر صحابہ سے عبد الرحمن بن حسان و خارجہ بن زید جو فقہاء سبعہ مدینہ میں سے ہیں ان سے بھی اس کا سماع منقول ہے۔ اور استاد ابو منصور نے زہری و سعید بن مسیب و عطابن ابی رباح و شعبی و عبد اللہ بن ابی عتیق و اکثر فقہاء مدینہ منورہ سے اس کا سماع نقل کیا ہے"۔ (113)

دیگر فقہا کے فتاویٰ سے بھی بربط کے جواز کو ثابت کرتے ہیں اور یہ واضح کرتے ہیں کہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور فقہا کا معمول اس کے جواز کو ثابت کرتا ہے۔

"اور جلیلی نے عبد العزیز بن ماجشون سے نقل کیا ہے۔ کہ وہ عود کے سننے میں رخصت دیتے تھے ابراہیم بن سعد نے ایک دن رشید کے پاس آکر عود طلب کیا۔ رشید نے پوچھا کہ عود مرمر یا مجمر۔ ابراہیم نے کہا کہ عود مرمر۔ تو رشید نے سرود عود حاضر کر دیا۔ جس کو اس نے خوب بجایا۔ اور غنا و عود کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا۔ اور ابنِ سمعانی نے طاؤس سے اس کے جواز کو نقل کیا ہے"۔ (114)

عود کے جواز پر دسیوں روایات ذکر کرنے کے بعد خلاصہ کلام کے طور پر اس سے معازف کی حلت کو ثابت کرتے ہوئے، آپ لکھتے ہیں۔

"ان روایات سے عود کا جواز بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ اگر حرام ہوتا ایسے جلیل القدر صحابہ و تابعین و فقہا و متورعین و محدثین اس کو ہرگز نہ سنتے۔ یہ ہمارے مقتداء و پیشوا ہیں۔ اُن کے افعال و اقوال ہمارے لیے سند ہیں۔ ان کے افعال ہوائے شہوانی و خواہش نفسانی پر ہرگز

محمول نہیں ہو سکتے۔ تو ضرور ہے کہ ان اکابر کو شارع کی اجازت کا علم ہو گا۔ ورنہ ایسا کام جو خلافِ شریعت ہو ان سے ابعد بمراحل ہے فثبت ان العود حلال مباح سماعہا"۔ (115)

دف اور عود سے جملہ مزامیر و معازف کی حلت پر قیاس:

دف اور عود کی اباحت ثابت کرتے ہوئے دیگر مزامیر و معازف کو ان پر قیاس کرتے ہوئے جائز قرار دیتے ہیں کہ جب تک آلات موسیقی سے کوئی عارض مذموم لاحق نہ ہو، جائز قرار دیا جائے گا۔

"جب دف اور عود کی اباحت و حلت صریحاً ثابت ہو گئی۔ تو باقی جمیع اقسام مزامیر و معازف کو ان پر قیاس کر کے جملہ مزامیر کو حلال و مباح سمجھا جائے گا۔ اور جہاں تک ان سے کوئی عوارض ذمیمہ عارض نہ ہو تو ان کو حرام نہ کہا جائے گا وجہ اس کی یہ ہے کہ جملہ مزامیر کے آواز دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو ان سے غرض تشہیر ہوتی ہے یا تطریب۔ پہلی صورت دف میں موجود ہے۔ اور دوسری عود میں۔ پس جو آلات مشہرہ ہیں وہ تمام دف پر مقیس ہوں گے۔ اور جو مطربہ ہیں وہ عود پر"۔ (116)

آلات موسیقی اگر لہو و لعب کی وجہ سے حرام قرار بھی دیئے جائیں تب بھی ان کی حرمت عارضی ہو گی نہ کہ ذاتی۔

"اور مابہ الاشتراک ان کے وہی دو امر ہیں جو مذکور ہوئے۔ ہاں اگر بغرض لہو و لعب بجائے جائیں تو اُن کی حرمت عارضی ہو گی نہ ذاتی۔ اور یہ حرمت جمیع انواع مزامیر کو شامل ہو گی خواہ دف ہو یا عود یا غیر

اس کے"۔ (117)

فقہا احناف سے آلات موسیقی کا جواز:

فقہا احناف کی آرا سے بھی آپ مذکورہ بالا آلات موسیقی کے جواز کو ثابت کرتے ہیں۔ علامہ شامی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ طبل غازیوں اور شادی کے لیے بجانا جائز ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ علامہ شامی نے رد لمختار میں کہا ہے۔

"والطبل اذا كان لغير اللهو فلا باس به كطبل الغزاة
والعرس لما فى الاجناس ولا باس ان يكون ليلة العرس دف
يضرب به ليعلن به النكاح و فى الولو الجية وان كان للغزو
والقافلة يجوز اتقانى ملخصا انتهى كتاب الاجاره" (118)

یعنی طبل اگر بغرض لہو نہ ہو تو کوئی خوف نہیں مثل طبل غازیوں اور شادی کے کیونکہ اجناس میں ہے کہ کوئی خوف نہیں کہ شادی کی رات دف بجائی جائے۔ تاکہ اس نکاح کا اعلان کیا جائے۔ اور ولوالجیۃ میں ہے کہ اگر غازیوں اور قافلہ کے لیے ہے اسی طرح اتقانی میں مختصراً۔

ڈھول کا اثبات:

فتاویٰ ہندیہ کے حوالے سے آپ ڈھول کو ثابت کرتے ہیں۔ اولاً طبل کو غازیوں اور شادی کے لئے جائز قرار دیتے ہیں اور پھر ابو بکر وراق کے حوالے سے مختلف علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کے ہاں زیر استعمال مزامیر کو بیان کرتے ہیں۔

"اور فتاویٰ ہندیہ میں ہے رجل استاجر رجلا ليضرب الطبلان
كان للهو لا يجوز وان كان الغزو والقافلة يجوز كذا فى غاية

البیان انتھی اور ولو الجیہ میں ھے رجل استاجر ورجلا یضرب له الطبل ان کان للھولا یجوز وان کان للغزو والقافلة یجوز لانه طاعة انتھی "[119]

یعنی فتاویٰ ہندیہ میں ہے اگر کسی نے کسی طبل بجانے کے لیے اجیر بنایا۔ اگر بغرضِ لہو تو جائز نہیں اور اگر غازیوں اور قافلہ کے لیے ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح غایۃ البیان میں ہے اور ولو الجیہ میں ہے اگر کسی نے کسی کو طبل بجانے کے لیے اجیر بنایا۔ اگر لہو کے لیے ہو تو ناجائز ہے اور اگر غازیوں یا قافلہ کے لیے ہو تو جائز ہے۔ کیونکہ یہ طاعت اور عبادت ہے۔ ابو بکر الوراق کے حوالے سے ہندی ڈھول کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں۔

"قال ابوبکر الوراق لکل قوم مزامیر ومزامیر العرب والعراق والخراسان الدف وما یلتوی به کالضج والناء ومزامیر البدوی الدھل وما یلتوی به ومزامیر اھل الھند الدخص وھو ثنیئ یتخذ من الخذف مجوف مطول له طرفان یمینه اشد صوتا من الیسار یقال له بالفارسیة مندل وھو دھل الھند وما یلتوی به والشرع اباحة حالة التزوج اما قبله وبعده فحرام کذا فی ملتقط النسفی انتھی "۔[120]

منقول ہے کہ ابو بکر وراق نے کہا ہے کہ ہر قوم کے مزامیر ہیں اور عرب و عراق و خراسان کا مزامیر دف ہے۔ اُس کے مشابہ مثل ضج اور بدوی کے مزامیر دہل یعنی ڈھول ہے یا اس کے مشابہ اور اہل ہند کا مزامیر دخص ہے۔ وہ ایک خذف سے بنی ہوئی میان خالی۔ جس کی دو طرفیں ہوتی ہیں۔ دائیں کا آواز بائیں سے زیادہ ہوتا ہے اس کو فارسی میں سندل کہتے ہیں۔ وہ ہندی ڈھول ہے یا اس کے مشابہ اور شریعت نے اس کو

شادی میں مباح کیا ہے۔ آگے پیچھے حرام۔

مواقع السماع:

آپ لکھتے ہیں کہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ سات موقعہ ہیں جن میں اغراض مخصوصہ کے لیے سماع مشروع و مروج ہے:

(اوّل) غناء الحجیج یعنی حاجیوں کے لیے گانا۔ کیونکہ وہ پہلے شہروں میں طبل اور شاہیں لے کر گاتے بجاتے ہیں۔ چونکہ اس میں ایسے اشعار و نظمیں پڑھے جاتے ہیں جو وصف کعبہ و مقام ابراہیم و حطیم و زمزم و باقی مشاعر پر شامل ہوں جس سے سامعین کو حج بیت اللہ کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ سماع محمود و مستحسن ہو گی۔ لان الباعث علی الخیر خیر

(دوئم) غناء القراۃ یعنی نمازیوں کا راگ چونکہ اس میں بھی تحریص و ترغیب جہاد کی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ غنا بھی اعلیٰ درجہ کا مشروع و مستحسن ہو گا۔ الا اس میں راگ کچھ قدر جوشیلا اور الفاظ بھی ایسے ہوتے ہیں جن سے شجاعت بھڑکے اور کفار پر غصہ و غضب جوش مارے۔ یہاں تک کہ اپنی جان و مال کو اُن کے مقابلہ میں ناچیز سمجھے۔(121)

(سوئم) وہ غنا جو بہادران اسلام بوقت مقابلہ کفار کے کہا کرتے ہیں۔ غرض اُن سے تقویت قلوب مجاہدین و تضعیف دل کفار ہوتی ہے لیکن اس میں یہ بھی شرط ہے کہ راگ اور آواز نرم اور باریک نہ ہوں اور نہ مزامیر ایسے ہوں جن کے نرم اور حسین آواز ہوتے ہیں۔ بلکہ جابر آواز ہونا چاہیے اور یہ غنا جہاد مباح میں مباح ہے اور واجب میں واجب اور اگر اہل اسلام کے ساتھ مقابلہ ہو تو حرام ہے اور یہ غناء بہادران اسلام صحابہ وغیرہ سے بکثرت منقول ہے۔ حضرت علی کے اشعار زبان زد خلائق ہیں۔

(چہارم) غنا نیاحت: یہ دو قسم ہے۔ مذموم و محمود، مذموم وہ ہے کہ کسی چیز کے تلف

ہونے یا کسی شخص کی وفات پر کی جاوے قال اللہ تعالیٰ لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ (122)

اور حدیث شریف میں بھی اس کی مذمت موجود ہے اور محمود وہ ہے جو انسان اپنے قصورات دینی پر افسوس ظاہر کرے اور اپنے گناہوں پر روئے اور نوحہ کرے۔ جیسا کہ حضرت آدم ونوح وداؤد علیہم السلام کے واقعات مشہور ہیں۔

بناءعلیہ یہ جو واعظین منبر پر چڑھ کر آواز مرقق ومحزن سے تقریریں کرتے ہیں جن سے لوگوں کے دلوں میں اثر پیدا ہوتا ہے اور روتے ہیں یہ بھی محمود ہے۔(123) (پنجم) غنا السرور یعنی خوشی کے اوقات میں گانا بجانا۔ جیسے پہلے اس کی تشریح ہو چکی ہے۔ مثلاً عید، شادی ولیمہ، عقیقہ، اعراسِ بزرگان، کسی دوست کی آمد مبارک بادی، لڑکے کی پیدائش وختنہ، قرآن شریف کا ختم وغیرہ وغیرہ جو جو خوشیاں محمود ہیں اُن کا اظہار بھی بذریعہ غنا محمود ہے۔ (ششم) سماع العشاق۔ واسطے تحریک شوق و بھڑکانے عشق کے اگر عشق محمود ہے تو غنا بھی محمود ہوگا ورنہ مذموم۔ (ہفتم) غنا عاشقان انوار الٰہی وغریقان ابحار نامتناہی ایسے لوگوں کے حق میں سماع ایک روحانی غذا ہے۔ جب تک نہ لے جاں بلب ہو جاتے ہیں مراتب میں عقدے پڑ جاتے ہیں۔ مل جائے تو تر و تازہ ہو جاتے عقدے کھل جاتے ہیں۔ عبادت میں چست وچالاک ہو جاتے ہیں۔ تمام خیالات سوائے لقاء محبوب کے محو ہو جاتے۔ اس حال کی آگاہی صرف اسی شخص کو ہوگی جس نے اس کا مزہ چکھا اور جس کو اس نعمت عظمیٰ سے محرومی ہے وہ انکار کرکے اپنے آپ کو دائمی بدنصیبی کا سزاوار بناتے ہیں۔ اس حال کو صوفیا کی اصطلاح میں وجد کہا جاتا ہے جو وجود سے ماخوذ ہے۔ یعنی سماع سے پہلے یہ حالت نہ تھی۔ اب سماع کی برکت

سے موجود ہوئی۔ اس سے دل تمام کدورات سے مصفا ہو جاتا ہے۔(124)

آیت لہو الحدیث سے استدلال کا جواب:

آپ پر حسب ذیل آیت کی تفسیر کے حوالے سے اعتراض کیا گیا کہ لہو الحدیث سے مراد گانا بجانا ہے۔ علامہ عین القضاۃ حیدر آبادی نے اس آیت کو بطور استدلال پیش کرتے ہوئے لکھا۔

قال اللہ تعالیٰ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ

(125)

انتہیٰ مراد لہو الحدیث سے غنا ہے۔ اس پر بعض صحابہ اور بعض تابعین کے آثار جو کہ متعدد طریق سے پہنچے ہیں دلالت کرتے ہیں۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کے حوالے سے وارد اعتراضات کے آپ نے مفصل جوابات دیئے۔ آیت کے متعدد شان نزول کا ذکر کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں۔

> "اقول اس کلیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت مقدسہ کا شان نزول صرف یہی ہے جس کو جناب نے ذکر کیا ہے۔ حال آنکہ مفسرین نے اس کے شان نزول میں مختلف روایات ذکر کیے ہیں۔ اس لیے مناسب تھا کہ اس کی تقریب میں یوں فرماتے کہ بحسب تصریح بعض مفسرین کے اس آیت سے مراد الخ"(126)

شان نزول میں مفسرین کے مختلف اقوال کا ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ اوّلاً تو اس آیت سے نصاً حرمت غنا ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اس کے شان نزول میں مفسرین نے اقوال مختلفہ ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ تفسیر خازن میں اُس کی تفصیل ہے جس

کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض کا قول ہے کہ آیت نضر بن حارث کے حق میں نازل ہوئی جس نے فارس کے بادشاہوں کے قصے خرید لائے تھے اور قریش کے محافل میں پڑھ کر سناتا تھا اور کہتا کہ محمد (ﷺ) عاد و ثمود کا قصہ سناتے ہیں اور میں رستم و اسفندیار کا قصہ پڑھتا ہوں اور قریش اس کو سن کر بڑے محظوظ ہوتے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی جو کہ ٹھیک ٹھیک مضمون مطابق ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ آیت غنا کے بارہ میں نازل ہوئی جو کہ لونڈیاں مغنیہ خرید کر کے اُن سے راگ سنا کرتے تھے اور بعض کا قول ہے کہ یہ ہر لہو و لعب میں اُتری اور بعض کا قول ہے کہ شرک کے بارہ میں اُتری۔[127]

ماحصل کچھ یوں اخذ کرتے ہیں۔

> "جب اتنے موارد آیت مبارکہ کے ہوئے تو صرف ایک ہی مورد کو لے کر مقام استدلال میں الفاظ محتملۃ المعانی کو لانا نامناسب ہے۔ علماء کا قول ہے اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال یعنی جب احتمال آ جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے"۔[128]

اب آپ اس آیت میں لہو الحدیث سے غنا ہی مراد لئے جانے کے تفسیری اقوال سے اپنے موقف کو ثابت کرتے ہیں کہ بالفرض مان لیا جائے کہ اس آیت سے مراد غنا ہی ہے جیسا کہ بعض صحابہ اور بعض تابعین کا قول ہے تاہم جناب کے مدعا کا اثبات اس سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آیت شریفہ میں لہو الحدیث جن جن قیود کے ساتھ مقید ہے سب کے سب ملحوظ ہوں گے۔ قیودات ثلاثہ کو ذکر کرتے ہیں۔ لہو الحدیث سے مراد ایسا غنا ہے جو بغرض لہو ہو۔

> "لہو کی اضافت حدیث کی طرف جس کا مفاد یہ ہے کہ غنا بغرض لہو ہو

جیسا کہ علامہ شامی نے اس کی تصریح فرمائی ہے اس کی حرمت میں تو اتفاق ہے"۔[129]

قید ثانی یہ ہے کہ راگ کو اس وجہ سے خریدے تا کہ اللہ کے راستہ سے گمراہ کر سکے۔

"لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ میں جو لام ہے وہ علّیہ ہے یعنی اشتراء لہو الحدیث کی علت اضلال عن سبیل اللہ ہو جس کا مفاد یہ ہے کہ لہو الحدیث کو اس غرض سے خرید کرتا ہے تا کہ اللہ کے راستہ (دین اسلام) سے گمراہ کرے اور سننے قرآن شریف سے اغوا کرے۔ مطلب اس کا یہ ہو کہ قرآن شریف بے رونق اور اسلام کمزور ہو جائے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا راگ جس کی قرآن شریف نے وصف بیان کی ہے اس کی حرمت میں کوئی اہل اسلام بھی شک نہیں کر سکتا"۔[130]

قید ثالث یہ ہے کہ آیات قرآنی پر استہزا بنانے کی غرض سے گانے بجانے کو خریدے۔ ایسی صورت میں بھی غنا حرام ہی ہو گا۔

"وَيَتَّخِذَهَا هُزُواً یعنی آیات قرآنی پر استہزاء بنانے کی غرض سے راگ کو خرید کرے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسے راگ کی حرمت میں کون اہل اسلام شک کر سکتا ہے۔ بلکہ اگر اسی غرض سے قرآن شریف پڑھا جاوے تو بھی حرام ہے غنا کی خصوصیت نہیں۔ تو جس غنا میں یہ تینوں اوصاف نہ پائے جائیں اُس کی حرمت کہاں سے آئی"۔[131]

موسیقی اور آلات موسیقی سے متعلق سید احمد الدین گانگوی کی آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مسائل میں لوگوں کو یسر اور سہولت فراہم کرنے کے داعی تھے۔

زیادہ تر وہ مسائل جن کا تعلق عوام سے ہوتا اس میں آپ لوگوں کی آسانی کے پہلو کو اختیار کرتے۔ عرف وعادت کا اعتبار کرتے ہوئے عامۃ المسلمین کے لئے دین اسلام پر عمل کرنے کو آسان بنادیتے۔

خلاصہ بحث:

فقہی مسائل میں سید احمد الدین گانگوی کی جن آراء نے تفرد اور امتیاز حاصل کیا ان میں مسجد آریہ کا عدم جواز اور موسیقی و آلات موسیقی کا جواز زیادہ اہم ہے۔

ہندو مسلم اتحاد کو مضبوط کرنے کے لیے میانوالی میں لالہ ہیمراج موتی لال نے مسلمانوں کے اشتراک سے ایک مسجد بنانا چاہی جو بعد ازاں موتی مسجد کے نام سے معروف ہوئی۔ سید احمد الدین گانگوی نے اسے ناجائز قرار دیا اور الشعلۃ الجباریہ لاحراق مسجد آریہ کے نام سے ایک مبسوط تاریخی فتویٰ جاری کیا۔ جس میں بیس سے زائد علماء پنجاب کی تقاریظ شامل تھیں۔ دلائل کے اعتبار سے مولانا گانگوی کا فتویٰ اگرچہ درست تھا مگر عملاً مسجد کی تعمیر جاری رہی اور مسجد آج بھی موتی مسجد کے نام سے مین بازار میانوالی میں موجود ہے اس اعتبار سے مولانا گانگوی کا فتویٰ ایک تفرد کی حیثیت اختیار کر گیا۔

سید احمد الدین گانگوی نے موقف اختیار کیا کہ مسجد کے تعمیر کنندہ کے لیے بعض صفات کا ہونا ضروری ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے ساتھ ایمان رکھتا ہوں یہ صفت اس واسطے لازم ٹھہرائی کہ مسجد اس مقام کا نام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے تو جب تک اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہ ہو تو اس کی عبادت کی جگہ ہرگز نہیں بنا سکتا اور قیامت کا ایمان اس لئے ضروری ہے کہ عبادت

الٰہی کا فائدہ قیامت میں ملے گا جو شخص قیامت کا منکر ہو گا وہ ہر گز عبادت الٰہی نہ کر سکے گا اور جو شخص خود عبادت نہ کرے گا وہ عبادت خانہ کیا بنائے گا۔ تعمیر کنندہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ نماز بھی پڑھتا ہو یہ اس لئے کہ مسجدوں کے بنانے سے مقصد اعظم یہ ہے کہ ان میں نماز پڑھی جائے تو جب وہ خود نماز کے وجوب کا قائل نہ ہو گا وہ مسجد میں کیسے بنا سکے گا۔

یہ بھی ضروری ہے کہ وہ زکوٰۃ بھی دیتا ہو، زکوٰۃ کا دینا فرض ہے اور مساجد کی بناء نفل اور انسان جب تک ادائیگی فرض سے سبکدوش نہ ہو نفل کی ادائیگی میں مصروف نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ انسان جب تک زکوٰۃ ادا نہ کرے مسجدوں کی بناء نہیں کرتا۔ تعمیر کنندہ سوا اللہ تعالیٰ کے دوسرے کسی سے خوف نہ کرے احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ مسجد کی بناء ریا وسمعہ کی غرض سے نہ ہو اور نہ اس لئے کہ کہا جائے فلاں مسجدیں بنا رہا ہے بلکہ محض بغرض رضاء الٰہی و تقویت دین مولیٰ کے ہو۔

آپ نے موقف اختیار کیا کہ جب ہندو تمام مسلمانوں کے بر خلاف لڑتے ہیں اور اسلام اور بانی اسلام پر طرح طرح کے ناجائز اور شرمناک حملے کرتے ہیں اور ملک ہندوستان کو صرف ہندوؤں سے مخصوص کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہاں سے نکالنے کا اعلان کر چکے ہیں اب ان سے موالات اور ارتباط نص قرآنی کی خاص مخالفت ہے۔ مولانا گانگوی اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ تاریخ اسلامی میں شاید یہ پہلی مسجد ہو گی جو ہندو مسلم کے اشتراک سے تعمیر ہو گی اور مسجد کی دیوار پر ایک جانب اللہ اور دوسری جانب اوم تحریر ہو گا۔

مسجد آریہ کے عدم جواز پر سید احمد الدین گانگوی نے قرآن و حدیث اور فقہاء

کی آراء سے درجنوں دلائل دیئے مذکورہ مسجد کو افتراق و انتشار بین المسلمین کا ذریعہ قرار دیا۔ اپنی تحقیق پر معاصر علماء سے رائے بھی لی اور مذکورہ عمارت کو مسجد کہنے کو بھی ناجائز قرار دیا۔ مگر اس سب کے باوجود وہ مسجد تعمیر ہوئی اور کم و بیش ایک صدی گزرنے کے بعد آج بھی مین بازار میانوالی کے وسط میں موتی مسجد کے نام سے معروف ہے اور یوں سید احمد الدین گانگوی کی درست رائے نے بھی ایک تفرد کی حیثیت اختیار کرلی۔

بیسوی صدی کے ابتدائی عشروں میں مسئلہ سماع پر درجنوں کتب و رسائل تالیف کئے گئے۔ جن کی وجہ سے صوفیہ ء چشت کے لئے اپنے معمولات پر عمل مشکل بنادیا گیا۔ فاضل بریلی سے سید عین القضاۃ حیدر آبادی تک کئی علماء نے عدم جواز پر دلائل دیئے۔ چشتی خانقاہوں کے علمی مراکز میں آستانہ عالیہ سیال شریف کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور مجاہد اعظم خواجہ ضیاء الدین سیالوی پنجاب میں امارت شرعیہ کو قائم کرچکے تھے۔ قاضی القضاۃ اور مفتی اعظم کے فرائض سید احمد الدین گانگوی کے سپرد تھے۔ برصغیر کے کئی علماء و صوفیہ نے مسئلہ سماع پر خواجہ ضیاء الدین سیالوی سے وضاحت چاہی۔ خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے ایماء پر سید گانگوی نے اس مسئلہ پر انتہائی مبسوط اور مدلل کتاب لکھ کر تمام پہلوؤں کو انتہائی شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیا۔ مسئلہ سماع پر مولانا گانگوی کی یہ کتاب پہلی مرتبہ 1924ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کے شائع ہوتے ہی پورے برصغیر میں اخبارات و جرائد میں اس پر تبصرے شائع ہوئے۔

سید احمد الدین گانگوی نے اس معرکتہ الاراء کتاب میں موسیقی اور آلات موسیقی کے جواز پر دلائل دیئے۔ سید گانگوی نے نہ صرف غنا کو جائز قرار دیا بلکہ

آلات غنا یعنی مزامیر اور معازف کو بھی جائز قرار دیا۔ اس حوالے سے آپ کی آرا کا تفرد ظاہر و باہر ہے۔

آپ کا موقف یہ ہے کہ فی نفسہ تمام معازف حلال ہیں۔ مگر عوارض مذمومہ کی وجہ سے ناجائز ہوتے ہیں۔

مولانا گانگوی آلات موسیقی میں دف کے ساتھ بربط کو معازف کی ایک قسم قرار دیتے ہیں اور اس حولے سے صحابہ کرام کے معمول کو دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ عود اور ڈھول کے جواز کو ثابت کرتے ہیں اور دف و عود پر باقی جمیع اقسام مزامیر و معازف کو قیاس کر کے حلال و مباح سمجھتے ہیں۔

فصل دوم

سید احمد الدین گانگوی کی امتیازی خصوصیات

ہر گزرتے دن کے ساتھ مسلمانوں میں اختلاف رائے کی بجائے مخالفت در مخالفت کا سلسلہ بڑھ رہا ہے اور شدت پسندی کے رجحان میں اضافے کا سبب ہے۔ فرقہ واریت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس سے اسلام دشمن عالمی طاقتیں مسلم امہ کو رنگ و نسل، زبان اور وطن کے نام پر تقسیم کرنے اور مسلمانوں کو فرقہ واریت میں مبتلا رکھنے اور ان کے اتحاد و وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں کامیاب ہو رہا ہے۔

موجودہ زمانے میں ہر کوئی اپنی رائے کو صائب اور درست سمجھتا ہے اور اسے دوسروں پر نافذ کرنے کا خواہاں بھی ہے۔ یہ طرز عمل نہ تو ہمارے اسلاف کا تھا اور نہ ہی مہذب معاشروں میں اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ علمی اور فکری اختلاف ایسے مہذب، مؤدب اور شائستہ انداز سے ہو جو امت کے لئے باعث رحمت ہو اور اس اختلاف سے بچنا چاہئے جو امت کے درمیان تفریق کا باعث ہو۔

1۔ سید احمد الدین گانگوی کے اختلاف رائے کی نوعیت:

سید احمد الدین گانگوی انتہائی شائستہ انداز میں اختلاف رائے کا اظہار کیا کرتے۔ آپ نے شرعی مسائل کے استنباط اور استخراج میں متقدمین اور معاصرین اہل علم سے

دلائل کی بناء پر اختلاف کیا ہے۔ آپ کا حسن استدلال حسن اختلاف کا آئینہ دار ہے۔

حسن استدلال:

سید احمد الدین گانگوی مصادر اربعہ یعنی قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس کے ساتھ ساتھ مشائخ اور صوفیہ کے اقوال سے بھی استدلال کو فقہی مسائل میں استعمال کرتے ہیں۔ مصادر شریعت کے بعد مشائخ کی تصریحات کو زیادہ اہمیت کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یہ اصول ان کے حسن استدلال کو ظاہر کرتا ہے۔ لوامع الضیاء فی علوم سید الانبیاء میں آپ لکھتے ہیں۔

> "رہا دوسرا امر وہی ہمارے اس رسالہ کا موضوع اور مبحوث ہے اور اسی کے اثبات میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ چار قسم کے دلائل پیش کریں گے۔(1) آیات قرآنی، (2) احادیث رسول ربانی (3) تصریحات محققین علماء شریعت (4) توضیحات مشائخ طریقت "[132]

حفاظت الایمان میں ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

> "اب قارئین کرام کو خوب اندازہ ہو گیا ہو گا کہ جس امر کا ثبوت نہ قرآن شریف میں ہے اور نہ ہی احادیثِ صحیحہ میں اور نہ اجماع امت اور نہ قیاس مجتہدین میں اس کا ذکر ہے اور نہ مشائخ عظام کا فرمان ہے پھر اس کو لازم قرار دینا اور عند شرع شریف کا حکم بھی ساتھ لگا دینا کیسی گستاخی اور افتراء علی اللہ ہے سچ ہے اذالم تستحی فاصنع ماشئت، بے حیاء باش وہر چہ خواہی کن "[133]

آپ نے علماء اور دینی مدارس کے طلباء کے ذوق کو ملحوظ رکھتے ہوئے لغوی

اشتقاق، حدیثی، فقہی، کلامی، تفسیری، علمی اور نحوی مباحث کو بھی جا بجا بیان کیا اور معانی اور مطالب کے تعین میں قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ لغت سے سند مہیا کی مختلف اطلاقات کی بحث میں قرآن سے دلائل پیش کئے۔ فقہی احکام کا استخراج بھی قرآن و حدیث سے کیا۔ احادیث نبویؐ، آثار صحابہ و تابعین سے بھی استناد کیا ہے۔ آپ نے مفسرین، محدثین، فقہا، متکلمین اور اکابر مشائخ صوفیہ کی تحقیقات سے بھی استفادہ کر کے بطور سند ذکر کیا ہے۔

شیخ عبد الحئ فرنگی محلی کے فتویٰ میراث پر نقد و نظر اور ادب اختلاف:

شیخ الاسلام عبد الحئ فرنگی محلی کے والد شیخ الاسلام عبد الحلیم فرنگی محلی سید احمد الدین گانگوی کے اساتذہ میں شامل ہیں۔ سید گانگوی اس بنیاد پر فرنگی محلی علماء سے عقیدت و ادب کا رشتہ استوار رکھتے تھے۔ مگر اس کے باوجود فقہی آراء میں آپ نے شیخ عبد الحئ فرنگی محلی سے بارہا دفعہ اختلاف کیا۔ لیکن کس انداز سے اختلاف کیا اس کا اندازہ حسب ذیل فتویٰ پر نقد و نظر سے لگایا جا سکتا ہے۔

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں زید نے وارث ذیل چھوڑ کر انتقال کیا۔ پس ترکہ زید کتنے سہم پر تقسیم ہو گا۔ زوجہ ایک، دو دختر۔ ایک بھائی اخیافی۔ ایک ما(ماں)

ھو المصوب: صورت مسئولہ میں بعد ادائے ماتقدم علیٰ الارث ورفع موانع ارث کل ترکہ 27(ستائیس)سہام پر منقسم ہو گا۔ من جملہ اس کے تین سہام زوجہ کو اور آٹھ آٹھ سہام ہر ایک دختر کو اور چار سہام ما(ماں) کو اور اسی قدر بھائی اخیافی کو ملے گا۔[134]

واللہ اعلم حررہ راجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحئی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی

سید احمد الدین گانگوی کا مذکورہ فتویٰ پر نقد و تبصرہ:

واضح ہو کہ میری دانست ناقص میں یہ آتا ہے کہ یہ فتویٰ صحیح نہیں ہے۔ شاید قلم ناسخین سے غلطی ہو گئی ہو۔ اصل جواب اس مسئلے کا یہ ہے کہ کل ترکہ بعد ادائے ماتقدم علیٰ الارث (160) ایک سو ساٹھ حصہ پر تقسیم کیا جائے گا۔ (20) بیس حصہ زوجہ کو، (56) چھپن حصہ ہر ایک دختر کو، (28) اٹھائیس حصہ ماں کو اور بھائی اخیافی بوجہ اولاد میت کی محروم ہے۔ جیسا کہ سراجی وغیرہ کتب میراث میں موجود ہے۔ واللہ اعلم [135]

حررہ المسکین احمد الدین عفی عنہ

سید احمد الدین گانگوی نے السیوف العتابیہ میں شیخ عبد الحیٔ فرنگی محلی کے مجموعہ فتاویٰ کے متعلق لکھا۔

> "میں کہتا ہوں کہ مولانا عبد الحیٔ صاحب فی الواقع بڑے فاضل، محقق، مدقق تھے اور ان کی تصانیف نہایت مفید اور معتبر۔ مگر مجموعۃ الفتاویٰ چونکہ آپ کے انتقال سے (کے) بعد متفرقہ فتویٰ جمع کئے گئے ہیں جن میں صحت کا التزام نہیں۔ لہٰذا پایہء احتجاج سے ساقط۔"[136]

مولانا یار محمد بندیالوی کے فیصلہ رویت ہلال پر نقد و نظر اور ادب اختلاف:

مولانا یار محمد بندیالوی آپ کے وہ معاصر عالم ہیں جن سے ادب اور محبت کا رشتہ کئی نسلوں سے چلا آتا ہے کیونکہ مدرسہ بندیال، مدرسہ گانگی سے چند کلو میٹر کے فاصلے پر واقع تھا اور دونوں مدارس کے علماء ایک دوسرے سے رابطے میں رہا کرتے۔ مولانا بندیالوی اگر میانوالی تشریف لایا کرتے تو مولانا گانگوی سے ضرور ملاقات

کرتے۔ اسی طرح مولانا گانگوی بندیال تشریف لے جاتے اور مولانا بندیالوی سے ملاقات کیا کرتے۔ مولانا حسین علی واں بھچروی اور مولانا عبد اللہ چکڑالوی کے خلاف مولانا گانگوی اور مولانا بندیالوی کا پلیٹ فارم مشترکہ تھا۔ اس کے باوجود احکام ومسائل میں اگر کہیں پر آراء کا اختلاف ہوتا تو سید احمد الدین گانگوی اس کا کھل کر اظہار کیا کرتے۔ یہاں مولانا بندیالوی سے آپ کے اختلاف رائے کو بیان کرنے کے لئے سید احمد الدین گانگوی کی قلمی تحریر کو ذکر کیا جاتا ہے۔ جس میں مولانا گانگوی نے مولانا بندیالوی کے فیصلہ رویت ہلال پر نقد کرتے ہوئے اختلاف کیا ہے۔

سید احمد الدین گانگوی لکھتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونشکرہ ونصلی ونسلم علیٰ حبیبہ الکریم، اما بعد فاقول وباللہ التوفیق!

کیا اچھا ہوتا کہ جس طرح اس مستفتی کی تحریر ہمارے پاس پہنچی ہے اس طرح دوسرے فریق کی تحریر یا زبانی حال بھی پہنچ جاتا پھر تو مکمل رائے قائم کرنے کا موقع مل جاتا۔ مگر ایسا نہ ہونے سے اب مستفتی کی اشک شوئی کے لئے صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہے۔ کہ اگر فی الواقع مولوی یار محمد صاحب کا مکتوب سہ کس گواہان (جن کے سامنے رویت ہلال کی شہادت اور مولوی صاحب نے ان کی شہادت پر اعتبار کر کے افطار کا حکم صادر فرمایا) لے کر وہاں پہنچے اور اس حکم پر شہادت ادا کر دی۔ تو اس پر اعتبار کر کے روزے کھول دینے اور عید کرنے میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں بلکہ کرنا بھی ایسا ہی تھا جیسا کیا گیا۔

اب دوسرا فریق جس نے اس حکم کو تسلیم نہیں کیا اگر ان کے پاس کوئی وجہ

شرعی ہے مثلاً اس مکتوب کا شرائط کتاب القاضی الی القاضی سے معریٰ ہونا اور ایسے خط کو قابل اعتبار نہ سمجھنا جیسا کہ فقہا کا قول ہے الخط یشبہ الخط یا بوجہ غیر عادل ہونے گواہان حکم کے یا بعض فقہا کے قول پر عمل کرنے سے جو فرماتے ہیں کہ شہر کی رویت اپنی ہی قابل اعتبار ہے جیسا کہ تاتار خانیہ میں ہے ۔ اھل بلدۃ اذا رؤ الھلال ھل یلزم فی حق کل بلدۃ اختلفوا فیہ فبعضھم قالوا لا یلزمھم فان المعتبر فی حق اھل بلدۃ رویتھم الخ - علی ہذا القیاس کوئی شرعی وجہ مد نظر رکھ کر احتیاطاً روزہ نہیں توڑا تو اس میں معذور بلکہ ماجور ہوں گے۔ اور اگر کوئی وجہ شرعی مد نظر نہیں تھی بلکہ خالی ضدیت تھی تو شرعاً ملام ہیں توبۃ النصوح لازم واضح ہو کہ تاتار خانی والی روایت کو اگرچہ بعض فقہا مرجوحہ قرار دیتے ہیں مگر جب اس کے ساتھ دیگر قرائن حالیہ مل جائیں تو قابل عمل ہو سکتی ہے۔ غرض ان دونوں فریقوں میں سے جس ایک یا دونوں نے قواعد شرعیہ کو مد نظر رکھ کر عمل درآمد کیا ہے تو اس پر مواخذہ شرعیہ عائد نہیں ہوتا ولکل وجھۃ ھو مولیھا ۔ اور جس نے نفسانیت کو پیش نظر رکھ کر مخالفت قواعد شرعیہ کی ہے وہی قیامت کے دن جواب دہ ہو گا۔ واللہ الہادی (137)

یہ سب کچھ تو فریقین کے کارناموں کے متعلق تھا اب مستفتی جی کے مولوی صاحب کی نسبت بھی سن لیجئے۔ سوال یہ ہے کہ وہ سہ کس گواہان حکم جو مکتوب لے کر وہاں آئے کیا وہ ہر سہ مولوی صاحب کے نزدیک عادل تھے یا غیر عادل اگر غیر عادل تھے تو ان کی شہادت کیوں لی۔ اور اگر عادل تھے تو ان کی شہادت پر اعتبار نہ کرتے ہوئے ان سے حلف کیوں لی گئی، دوسرا سوال یہ ہے کہ شہادت لیتے وقت ان سے لفظ اشہد کہلایا گیا یا نہیں۔ اگر نہیں کہلایا گیا تو لفظ اشہد رکن شہادت نہ ہونے کی وجہ

سے شہادت باطل جیسا کہ در المختار میں ہے ور کنھا لفظ اشھد لاغیر اور اگر کہلایا گیا ہے۔ تو چونکہ لفظ اشہد قسم کو متضمن ہے پھر حلف دینے سے تکرار یمین ہو گیا حالانکہ تکرار یمین مدعاعلیہ پر بھی جائز نہیں چہ جائے کہ شاہد پر۔ اب فقہا حنفیہ کی تصریحات بھی سن لیجئے۔

جس بعض علماء کا یہ قول ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں تزکیہ شہود کا متعذر ہے اس لئے ان کو قسم دی جائے۔ اس قول کو محققین فقہاء نے رد کر دیا ہے۔ جیسا کہ اشباہ والنظائر میں ہے:

وفی التهذیب فی زماننا بما تعذر التزکیة لعلة الفسق اختار القضاة استحلاف الشهود کما اختاره ابن ابی لیلی انتهی [138]

پھر اس کی تردید میں لکھتے ہیں

وفی مناقب الکردری فی باب ابی یوسف اعلم ان تحلیف المدعی والشاهد امر منسوخ باطل والعمل بالمنسوخ حرام وقد ذکر فی فتاوی القاعدی و خزانة المفتیین ان السلطان اذا امر قضاته بتحلیف الشهود یجب علی العلماء ان ینصحوا السلطان ویقولوا له لاتکلف قضاتك امراً ان اطاعوك یلزم منه سخط الخالق وان عصوك یلزم منه سخطك انتهی [139]

اسی طرح در المختار ج4 ص358 میں بھی ہے [140]۔ تو حاصل یہ ہے کہ گواہان سے حلف لینی بالکل نامشروع ہے۔ اس لئے علماء کا قول ہے کہ کسی گواہ کو گواہی دینے کے لئے طلب کیا جائے تو بموجب فرمان الٰہی جل وعلاشانہ گواہ کو فوراً حاضر ہو کر گواہی دینا ضروری ہے اگر کچھ بھی بلا عذر توقف کیا تو فاسق اور غیر مقبول الشہادۃ ہو

جائے گا ہاں اگر اس گواہ کو معلوم ہو جائے کہ قاضی یا حاکم اس شہادت میں اس سے قسم لے گا تو اس کو شہادت کے لیے حاضر ہونا ضروری شرعاً نہیں۔ در المختار میں ہے

برھن المدعی علیٰ دعواہ ای ان قال لان الخصم لایحلف مرتین فکیف الشاھد لان لفظ اشھد عندنا یمین ولا یکرر الیمین لانا امرنا باکرام الشھود ولذا لو علم الشاھد ان القاضی یحلفہ ویعمل بالمنسوخ لہ الا متناع عن اداء الشھادۃ لانہ لایلزمہ بزازیہ انتھی۔[141] بناءً

مستفتی جی کے مولوی نے گواہان حکم سے حلف لینے میں بڑا ظلم کیا ہے جس سے قیامت میں جواب دہ ہوں گے۔

اور جن فقہا کی عبارت میں مفوض الی رای الامام یا الی رای القاضی مذکور ہے اس سے ہر امام مسجد یا قاضی مراد نہیں بلکہ جو صاحب رائے یعنی مجتہد ہوں جیسا کہ علامہ شامی نے لکھا ہے

ای بان کان اذارای واما اذا لم یکن لہ رای فلاط عن ابی السعود والمراد بالرای الاجتھاد انتھی۔[142]

چونکہ زمانہ حال میں اجتہاد مفقود ہے تو ضرور ہے کہ ہم فقہا سابقین کے اقوال پر عمل کریں۔

اور مستفنی جی کا یہ کہنا کہ وہاں کے 95 فیصدی لوگوں نے روزے کھول دیئے ہیں۔ یہ جناب کے دریا دلی کے کرشمے ہیں ہمیں انہیں روزے کھولنے والوں پر تو کوئی تعجب نہیں اگر تعجب ہے تو ان پانچ فیصدی لوگوں پر ہے کہ ایسی فیاضی اور دریا دلی سے محروم رہ کر اپنے استقلال و استقامت کو نہ چھوڑا۔

2۔ فقہی تبحر، وسعت نظر اور دقت نظر:

سید احمد الدین گانگوی کی وسعت نظر اور فقہی تبحر اہل علم پر مخفی نہ تھا۔ اس لئے اشکالات کے حل کے لیے آپ ہی کی طرف رجوع کیا جاتا۔ مفتی کفایت اللہ دہلوی کے ایک فتویٰ کے حوالے سے آپ کی طرف رجوع کیا گیا تو آپ نے نقد و محاسبہ کرتے ہوئے اس فتویٰ کو ناجائز قرار دیا۔ یہاں مفتی کفایت اللہ دہلوی کا قلمی فتویٰ اور اس پر مولانا گانگوی کے تعاقب کو بیان کیا جاتا ہے۔

فقہ المناکحات سے متعلق مفتی کفایت اللہ دہلوی کے فتویٰ پر نقد و نظر

مفتی کفایت اللہ دہلوی کا فتویٰ:

میانوالی

24-06-41

عالی جناب حضرت مولانا مولوی مفتی محمد کفایۃ اللہ صاحب، صدر جمعیت علماء ہند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مندرجہ ذیل امور کے بارے شرعی فتویٰ صادر فرما کر ممنون احسان بنایا جائے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ بختاور اپنے نواسے غازی اور نواسی مہرائی کو دودھ پلا دیتی ہے یہ دونوں یعنی غازی مہرائی آپس میں خالہ زاد رشتہ رکھتے ہیں یعنی غازی کی ماں اور مہرائی کی ماں آپس میں سگی بہنیں ہیں، مہرائی کی ایک اور بہن (س) بھی ہے کیا یہ (س) جو مہرائی کی بہن ہے۔ غازی کے نکاح

میں آسکتی یا نہ واضح طور سے مطلع فرمایا جائے۔ والسلام، ایک لفافہ خالی ارسال خدمت ہے۔

العبد غلام احمد ولد سلطان احمد قوم تنیلا اوان سکنہ میانوالی محلہ غلام حسین خان زادے خیل

الجواب: غازی اور مہرائی کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا اور مہرائی کی بہن (س) سے غازی کا نکاح جائز ہے۔

محمد کفایۃ اللہ کان اللہ لہ دہلی

مہر جمعیت العلماء(143)

سید احمد الدین گانگوی کا نقد و نظر:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ حبیبہ الکریم

مفتی جی کا فتویٰ بوجہ مخالفت اصول شرعیہ کے غیر صحیح ہے۔ شاید آپ نے سوال کی تشریح پر نظر غائر مبذول نہیں فرمائی۔ میرے ناقص خیال میں اس سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ از روئے قواعد شرعیہ غازی کا نکاح ہمراہ مہرائی کے جائز اور نہ ہی ہمراہ (س) کے، مفتی صاحب نے مہرائی کے عدم جواز نکاح میں تو صحیح کہا مگر (س) کے جواز نکاح میں فاش غلطی کی ہے۔ کیونکہ حسب تصریح مسائل امور ذیلہ ثابت و محقق ہیں (1) مسماۃ بختاور کا غازی اور مہرائی و (س) ہر سہ کسان کی حقیقی جدہ ہونا (2) غازی کی والدہ اور مہرائی و (س) کی والدہ کا سگی بہن ہونا (3) مہرائی و (س) کا آپس میں سگی بہنیں ہونا (4) بختاور جدہ کا دودھ غازی اور مہرائی نے پینا یہ دونوں اس کے نواسہ نواسی ہیں۔ اب اس قدر تشریح کی تسلیم پر معاملہ بالکل صاف ہوگیا کہ غازی نہ مہرائی کو نکاح

کر سکتا ہے اور نہ (س) کو اس کی وجہ یہ ہے کہ غازی نے جب بختاور کا دودھ پیا تو یہ اس کا رضاعی بیٹا بن گیا اور مہرائی و (س) کی والدہ کا رضاعی بھائی اور ان دونوں کا رضاعی ماموں اور شرع شریف میں جس طرح ماموں بھانجی نسبی کا باہمیں عقد مناکحت حرام ہے اسی طرح ماموں بھانجی رضاعی کا بھی۔ یحرم من الرضاع مایحرم من النسب حدیث متفق علیه وفی روایة مایحرم من الولادة وفی روایة مایحرم من الرحم بہر کیف شیر دہ کی جانب سے تمام اقربا شیر خوار کے اقربا ہو جاتے اس کا قانون شرح وقایہ کے اس شعر میں مندرج ہے۔

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند
وز جانب شیر خار زوجان و فروع

بناءً علیہ بختاور کی تمام اولاد مادہ یعنی دختران ودختران دختران و دختران پسران بلا استثناء احد غازی پر حرام ہو گئیں عینی شرح کنز وہدایہ ودرالمختار وعالمگیریہ کی عبارتیں۔
مسکین احمد الدین[144]

شیخ محمد احمد علی کانپوری کی آراء پر نقد و نظر:

سید احمد الدین گانگوی نے شیخ احمد علی کانپوری کی کتاب رفاہ المسلمین فی شرح مسائل اربعین کے بعض مسائل سے اختلاف کیا اور اپنی فقہانہ رائے پیش کی۔ ایسے دو مقامات پیش خدمت ہیں۔

نکاح میں ایجاب و قبول کے متعلق علامہ کانپوری نے لکھا۔

”اور ایجاب و قبول ایک بار کہنا کافی ہے کچھ تکرار کی حاجت نہیں۔“[145]

سید گانگوی نے اس پر لکھا:

قولہ ایجاب و قبول ایک بار کہنا آہ اقول بحبل اللہ تعالیٰ۔ تکرار ایجاب و قبول میں بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ بسا اوقات زوج قبل از نکاح مرتکب حلف طلاق اضافی کا ہوا کرتا ہے۔ اندریں صورت بدون تکرار ایجاب و قبول کے نکاح ہر گز جائز نہیں ہوتا۔ جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں شرحاً وارد ہے۔ واللہ اعلم۔ احمد الدین گانگوی۔

ایک اور مقام پر علامہ کانپوری لکھتے ہیں۔

> "تئیسواں سوال، نکاح کے بعد قاضی کو یعنی نکاح خوان کو یا وکیل اور شاہدوں کو جو دلہن کی طرف سے نکاح کر دینے کو آتے ہیں اپنی خوشی سے بغیر مانگے کچھ دینا درست ہے یا نہیں۔ جواب: ان لوگوں کو بغیر مانگے کچھ دینا مباح ہے اور اگر جبر کریں اور کد و اصرار سے مانگیں تو مباح نہیں"۔ (146)

سید احمد الدین گانگوی نے اس پر نقد کرتے ہوئے لکھا

> قولہ، یہ مباح نہیں ہے۔ اقول بحبل اللہ تعالیٰ وتوفیقہ، قاضی کو اجرت نکاح لینے شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ خصوصاً جبکہ زوجین بالغہ ہوں۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ کتاب ادب القاضی میں ہے

> وکل نکاح باشرہ القاضی وقد وجب مباشرته علیه کنکاح الصغار والصغائر فلا یحل له اخذ الاجرة علیه وما لم یجب مباشرته علیه حل له اخذ الاجرة علیه کذا فی المحیط واختلفوا فی تقدیرہ المختار للفتویٰ انه اذا عقد بکرا یأخذ دیناراً وفی الثیب نصف دینار ویحل له وذلك هکذا قالوا کذا فی البرجندی انتهی۔ احمد الدین عفی عنه (147)

3۔ لغزش و خطا پر تنبیہات:

سید احمد الدین گانگوی اگر کسی عالم کے فتویٰ میں کوئی خطا دیکھتے تو ناصحانہ طریق سے تنبیہ فرمایا کرتے آپ کا موقف تھا کہ اگر کسی مسئلہ میں کسی عالم سے کوئی لغزش ہو جائے تو بجائے ضد اور ہٹ دھرمی کے اسے اپنے قول سے رجوع کر لینا چاہیے اور یہی علمی دیانت کا تقاضا ہے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ علماء کے ہاں اس دیانتدارانہ روایت کے زوال پذیر ہونے پر آپ نہایت افسوس کا اظہار کرتے۔

علامہ عطا محمد بندیالوی کے فتویٰ پر نقد و نظر:

آستانہ عالیہ سیال شریف سے مولانا عطا محمد بندیالوی اور مولانا احمد بخش ضیائی کے فتاویٰ بغرض رائے زنی آپ کی طرف ارسال ہوئے۔ آپ نے ان فتاویٰ پر اپنی آراء دینے سے قبل وقوع خطا کی صورت میں اسلاف کے کردار و عمل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا۔

> امابعد! مسکین احمد الدین حنفی چشتی سیالوی عرض پرداز ہے کہ انقلاب زمانہ نے ملک میں تہلکہ برپا کر دیا ہے۔ مجھے وہ وقت یاد ہے کہ علمائے کرام سے اگر کوئی لغزش یا خطا فیصلہ یا فتویٰ میں واقع ہو جاتی اور دوسرا عالم اس کو متنبہ کر دیتا تو اس کے نہایت ممنون و شکر گزار ہوتے تھے۔ اور عام اجلاس میں اعلان کر دیتے کہ مجھ سے فلاں مسئلہ میں غلطی ہوئی تھی۔ اب فلاں مولوی صاحب کے افہام سے متنبہ ہو گیا ہوں اور اپنے اس فتویٰ سے تائب ہوتا ہوں تمام مسلمان اس کے گواہ رہو اللہ مجھے معافی دے۔ نہ ضد ہوتی تھی اور نہ ہی عناد اب اس کے

برعکس یہ صورت ہوگئی ہے کہ اگر کسی عالم سے کوئی غلطی یا کوئی خطا واقع ہو جائے۔ ہزار عالم اس کو حق کی طرف توجہ دلائیں تو اپنی ہٹ پر رہ کر مقابلہ پر اتر آتا ہے۔ اور ان علماء سے ایسا عناد رکھتا ہے جو باہمی سلام و کلام کا بھی تارک۔ اور مجھے حسب عادۃ قدیمہ کسی عالم کی غلطی دیکھنے سے بیان کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ اسی لیے تمام علماء نواح میرے مخالف اور معاند ہیں۔ اسی بنا پر دربار عالیہ سیال شریف کا فیصلہ اور پھر اس فیصلہ پر جرح پھر اس جرح کا جواب ہر سہ قسم کے کاغذات بغرض رائے زنی کے میرے پاس پہنچے۔ ان کاغذات میں دو مولوی صاحبان (جو کہ فاضل اجل ہیں اور میرے پیر بھائی بھی) کا تبادلہ خیالات درج ہے۔ ان میں سے ایک مولانا حافظ عطا محمد صاحب اور دوسرے مولوی احمد بخش صاحب ہیں ہر دو یکے بعد دیگرے دار العلوم ضیا شمس الاسلام سیال شریف کے مدرس رہ چکے ہیں۔ زمانہ حاضرہ کی رفتار کی رو سے میں نے ان ہر دو صاحبان کی رنجش برداشت نہ کرسکنے کے لئے معاملہ کو تسویف میں رکھا۔ اور نیز بوجہ ضعف دماغی وکمزوری و نحافت بدنی جو مقتضائے سن شیخوخت کے ہیں۔ اس میدان میں قدم رکھنا نہ چاہا۔ حضرت حافظ شیرازیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں رو
رندی وقدح خواری در عہد شباب اولیٰ

مگر محبی مخلصی مولوی غلام مصطفیٰ خان صاحب سلمہ نے جو میرے

پرانے احباب میں سے ہیں۔ میرے تمام عذرات پیش کردہ کو ٹھکرا
دیا۔ بحالت مجبوری لکھنا پڑا۔ علی اللہ توکلت والیہ انیب
دونوں مولانا صاحبان کی خدمت میں التماس ہے کہ مجھ پر ناراض نہ
ہوں۔کیونکہ یہ ایک مشورہ ہے کسی صاحب پر زد اور حملہ نہیں۔
گر قبول افتد زہے عزو شرف[148]

وجہ نزاع اور مولانا بندیالوی کا فیصلہ:

سید احمد الدین گانگوی نے وجہ نزاع اور مولانا عطا محمد بندیالوی کے فیصلے کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہوئے لکھا۔

اس نزاع کی بنا یہ ہے کہ مولانا احمد بخش صاحب، مولوی غلام مصطفیٰ خان صاحب کے داماد ہیں۔ مؤخر الذکر صاحب اپنے داماد کے گھر ایک دفعہ گئے اور داماد کی غیر حاضری میں اپنی لڑکی کو اپنے ہمراہ لے کر اپنے گھر پہنچے۔وہ لڑکی جس عرصہ تک اپنے والدین کے گھر رہی اس کو واپس لانے کے لئے نہ خود مولوی احمد بخش آئے اور نہ ہی اس کو واپس لانے کا بندوبست یا انتظام شرعی طریقہ پر کیا۔ ازیں وجہ اس لڑکی نے تنگ آکر اپنے زوج پر دعویٰ دائر عدالت شرعیہ کر دیا۔ اس مقدمہ کے دو حصے ہیں۔ ایک تو نفقہ ان ایام کا جو والدین کے گھر میں گزارے۔ اور دوسرا جو مولوی احمد بخش صاحب نے بوقت شادی یا قبل از شادی زیورات وغیرہ دیئے تھے۔ ان تمام کی ملکیت کا استحقاق منجانب لڑکی۔ اس کا باپ مولوی غلام مصطفیٰ خان صاحب وکیل مقرر ہوئے۔ فریقین نے بالاتفاق مولانا حافظ عطا محمد صاحب کو حکم اور فیصل قرار دیا۔ حکم صاحب نے بحاضری فریقین تحقیقات کرنے کے بعد ہر دو جزو مقدمہ میں مدعیہ کو

کامیاب اور مدعاعلیہ کے بر خلاف فیصلہ کر کے حکم سنادیا اس مقدمہ کے حصہ اول یعنی نفقہ کی بنا مدعیہ کے ناشزہ یا غیر ناشزہ ہونے پر ہے۔ مدعاعلیہ نے اس کو ناشزہ قرار دے کر لزوم نفقہ کا انکار کر دیا۔ اور وجہ یہ بیان کی کہ میرے اذن کے بغیر میرے گھر سے چلی آئی ہے لہٰذا ناشزہ ہے اور فقہا کا قول مسلم ہے لا نفقۃ للناشزۃ اور حکم صاحب نے اس کو غیر ناشزہ قرار دے کر خرچہ ڈگری کر دیا۔[149]

سید احمد الدین گانگوی کا نقد و نظر اور ناشزہ کی تعریف و توضیح:

سید گانگوی نے علامہ بندیالوی کے فیصلے کو غلط قرار دیا اور وضاحت کی کہ مولانا موصوف کو ناشزہ کی تعبیر میں غلط فہمی لاحق ہوئی۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے اور مختلف کتب فقہ سے استفادہ کرتے ہوئے آپ نے لکھا۔

> بعد ملاحظہ دلائل فریقین کے اور ورق گردانی کتب فقہ کے جو میرے ذہن ناقص میں آیا ہے کہ صورت مذکورہ بالا میں مدعیہ شرعاً ناشزہ قرار نہیں دی جاسکتی۔ اور نہ اس پر ناشزہ کی تعریف صادق آتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ کتب فقہ میں ناشزہ کی تعریف بالفاظ مختلفہ وارد ہے۔ بعض کتب میں ہے هی التی خرجت من منزل الزوج بغیر اذنه بغیر حق (کما فی فتاوی قاضی خان وجوہرہ نیرہ) اور بعض میں ہے هی الخارجة من بیته بغیر حق کما فی شرح الکنز للعلامة الطائی والدر المختار وشرح وقایه وغیرها ۔ یہاں اذن کا نام ندارد ہے۔ صرف بغیر حق ہے اور بغیر حق کی تفسیر مولانا عبد الحئی صاحب نے شرح وقایہ کے حاشیہ بین السطور میں لکھا ہے۔

ای بغیر وجه اللہ شرعی الخروج اور کتب فقہ میں بالتصریح مذکور
ہے کہ زوجہ اپنے زوج کے اذن کے بغیر اپنے والدین کے گھر میں
جاسکتی ہے جس سے وہ ناشزہ نہیں ہوتی درالمختار میں ہے۔
ولها النفقة بعد المنع ولها السفر والخروج من بيت زوجها
للحاجة ولها زيارة اهلها بلا اذنه مالم تقبضه اى المعجل ولا
تخرج الالحق لها اوعليها اولزيارة ابويها كل جمعة مرة الخ[150]

جب والدین کے گھر کے جانے کے لئے ازروئے قواعد شرعیہ زوج کے اذن کی ضرورت بھی نہیں۔ بلکہ وجہ مشروع ہے۔ لہٰذا بغیر اذن زوج کے والدین کے گھر جانے سے ناشزہ ہرگز نہ ہوگی۔ اور زوج پر اس کا نفقہ لازم ہوگا۔ اس کی نظیر وہ عورت ہے جس نے خاوند کو اپنے پاس آنے سے بوجہ قبض مہر معجل کے روک رکھا ہے یا اس کے گھر سے چلی گئی ہے۔ اس کو شرعاً ناشزہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ حق شرعی کے لیے اس نے یہ رکاوٹ کی ہے۔ اور نفقہ اگر جزائے احتباس کے لیے مانا جائے تو یہاں احتباس حکمی قرار دیا جائے گا۔ اگر ملکیت یا زوجیت کی جزا مانی جائے تو احتباس حقیقی قرار دیا جائے گا۔

مطالبہ طلاق سے ناشزہ ہونے کا استدلال:

یہاں پر سید احمد الدین گانگوی وارد ہونے والے ایک شبہ کا ذکر کرتے ہیں کہ مدعیہ اور اس کے والدین کی طرف سے طلاق کا مطالبہ کیا گیا یا قتل کی دھمکی یا نفقہ کا مطالبہ ہوتا رہا۔ لہٰذا مدعیہ ناشزہ ہے۔ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے آپ نے لکھا۔

الغرض جبکہ بحکم شرع شریف عورت کی غیر حاضری ہو تو وہاں نشوز کا کوئی

دخل نہیں اس کا نفقہ زوج پر لازم ہو گا۔ ہاں اگر مدعا علیہ، مدعیہ کے لانے کے لیے اس کے پاس جاتا اور وہ اس کے ہمراہ آنے کا انکار کر دیتی تب ضرور ناشزہ ہوتی۔ مگر یہاں زوج سے وہ بھی نہ ہو سکا۔ اور مدعا علیہ کا یہ کہنا کہ میرے پاس خطوط اور پیغامات مدعیہ یا اس کے والدین کی طرف سے طلب طلاق یا قتل کی دھمکی یا نفقہ کا مطالبہ ہوتا رہا ہے۔ ازیں وجہ وہ ناشزہ ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ملک کے رواج کے مطابق کوئی عورت اپنے والدین کے گھر میں ہوتے ہوئے نہ وہ اور نہ اس کے والدین اس مضمون کا پیغام یا خط اس کے زوج کے پاس نہیں بھیجتے کہ آکر اپنی زوجہ کو لیجا۔ کیونکہ اس کو عار سمجھتے ہیں۔ البتہ اس مطلب کو الفاظ کنایہ سے ادا کرتے ہیں۔ ان کا طلاق کا مطالبہ یا قتل کی دھمکی یا نفقہ کا تقاضا اس غرض سے تھا کہ مدعا علیہ جوش میں آکر یہاں سے اپنی بیوی لے جائے۔ اس سے نشوز پر کوئی دلالت نہیں اور نہ ہی اس کا قرینہ ہے۔

اس کے بعد سید گانگوی زوج کے ذمہ زوجہ کے نفقہ کے متعلق مختلف کتب فقہ سے تصریحات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

> اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر مدت کثیر گزر جائے اور زوج اپنی زوجہ کا نفقہ ادا نہ کرے تو جب تک اس کا نفقہ بقضائے قاضی یا بصلح زوجین پہلے سے مقرر ہوا ہو تو عورت کا وہ نفقہ زوج پر لازم الادا نہیں ۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عورت کا نفقہ من وجہ صلہ ہے اور من وجہ عوض احتباس اور صلہ کا لزوم سوائے مؤکد کے نہیں ہوتا اور یہاں مؤکد یا قضائے قاضی ہے یا صلح زوجین۔

نفقہ کے متعلق فتح القدیر اور دیگر کتب فقہ سے عبارات ذکر کرنے کے بعد سید

گانگوی لکھتے ہیں۔

ان تمام عبارات کا حاصل یہ ہے کہ تھوڑی مدت میں عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوتا۔ البتہ زیادہ مدت گزرنے سے جب تک قضائے قاضی یا صلح بین الزوجین کے ذریعہ سے نفقہ مقرر نہ کیا گیا ہو۔ تو اس نفقہ کا لزوم ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ اس عورت کے مطل کی سزا ہے۔ کہ اس نے اس مدت تک نفقہ اپنے خاوند سے کیوں نہیں طلب کیا۔ اس کی نظیر کتب فقہ میں عدم سماع دعوی بعد مضی خمسة عشر سنتہ ہے۔ عند نہی سلطان عن سماعہا۔ اس کہ وجہ بھی وہی مطل ہے جب کہ در المختار علی حامش رد المختار میں ہے۔

حتی لو امر السطان بعدم سماع الدعوی بعد خمسة عشر سنة فسمعها لم ینفذ[151]

لیکن یہ نہی سلطان کی حیات تک محدود ہے۔ اب اگر وہ سلطان فوت ہو کر اس کے بجائے دیگر سلطان مقرر ہوا تو تجدید نہی کی ضرورت ہے۔ اگر سلطان ثانی نے نہی کا حکم نہ دیا تو سماع دعوی سے ممانعت نہ ہو گی۔ جیسا کہ صفحہ مذکور پر علامہ شامی لکھتے ہیں:

ونقل فی الحامدیة فتاوی من المذاهب الا ربعة بعدم سماعها بعد النهی المذکور لکن هل یبقی النهی بعد موت السلطان الذی نهی بحیث لا یحتاج من بعده الی نهی جدید افتی فی الخیر یة بأنه لا بد من تجدید النهی ولا یستمر النهی بعده...الخ[152]

وجہ اس کی یہ ہے کہ حقوق العباد میں دعوی زائد المیعاد ہونے کی وجہ سے اگرچہ ناقابل سماع ہو جاتا ہے جو قاضی اس دعوی کو سن سکتا ہے اور نہ اس پر عمل کر سکتا ہے

لیکن فی الحقیقت جو حق شرعی ہے وہ ساقط نہیں ہوتا۔ پس اگر مدعا علیہ بدون مخاصمت عند القاضی اپنی طرف سے خوفاً من اللہ وہ حق مدعی کو ادا کر دے تو عند اللہ ماجور ہو گا۔ پھر اگر وہی مدعا علیہ مدعی سے وہ حق ادا کردہ واپس کرنا چاہے تو واپس نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حق بحق دار رسید اسی طرح زوج اگر اپنی زوجہ کو خرچہ ان ایام کا جو قضاءً ساقط ہو۔ اگر خوفاً من الیہ زوجہ کو ادا کر دے تو یہ بھی واپس نہیں لے سکتا۔ اشباہ والنظائر میں ہے۔

الحق لا یسقط بتقادم الزمان قذفا او قصاصاً اولعانا و حقا للعبد کذا فی لعان الجوهرة[153]

الغرض مردوں کو اپنی عورتوں پر احسان کرنے کا تاکیدی حکم ہے۔ لہٰذا جس قدر ہو سکے۔ احسان اور حسن معاشرت سے کام لیں۔ ھذا مما علمنی اللہ تعالیٰ وشرح قلبی والعلم الحقیقی عند اللہ عزا اسمہ (154)

سید فخر الزمان شاہ کے فتویٰ پر نقد و نظر:

سید فخر الزمان شاہ کا فتویٰ مسئلہ زوجۃ المفقود بغرض تصحیح آپ کے پاس آیا اس مسئلہ میں مذہب احناف کو چھوڑ کر مالکیہ کے مذہب پر عمل کے حوالے سے جن شرائط کی رعایت ضروری تھی ان شرائط کے فقدان کی طرف آپ نے توجہ مبذول کرائی۔ سید احمد الدین گانگوی کی مفصل رائے حسب ذیل ہے۔

امابعد! فتوی مولانا فخر الزمان صاحب فی نفسہا صحیح اور قابل تصحیح ہے۔ مگر اس میں چند فرو گذاشتیں ہیں جن کا ذکر کر دینا یہاں بہت ضروری ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مفقود کے بارے میں ہمارے ائمہ کرام

رحمہم اللہ تعالیٰ نے بڑے احتیاط کو ضروری قرار دے رکھا ہے ایسا نہیں کہ زوجۃ المفقود یا اس کے طرف داروں نے زبانی یا تحریری مفقود کے فقدان کا قصہ کسی مولانا صاحب کے پیش کیا اور مولوی صاحب نے اس قصے پر اعتبار کر کے امام مالکؒ کے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت دے دی او ر نکاح خوان نے اس فتویٰ کے روسے کسی دوسرے شخص کے ساتھ اس زوجۃ المفقود کا نکاح پڑھ دیا۔ بلکہ قاعدہ مسلمہ عند الفقہاء اور متفقہ علیہا کہ کسی مسئلہ میں دوسرے امام کا قول لینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں اس امام کے نزدیک جو شرائط ہوں ان سب کی رعایت کی جائے کمافی الدر المختار ان الحکم الملفّق باطل بالا جماع فلہٰذا اس مسئلہ میں حضرت امام مالکؒ کے مذہب میں جس قدر شرائط و قیود ہیں ان سب کا لحاظ رکھنا لازم۔ اب چونکہ ہمارے ملک میں بوجہ عدم وجدان مقلدین مذہب مالکیہ کے اس مذہب کی کتب کا دستیاب ہونا دشوار ہے جس سے ان شرائط و قیود کا پتہ چل سکے تو جس ملک میں یہ مذہب مروج ہے مثلاً حرمین شریفین و عراق وغیرہ وہاں کے مفتیان مذہب ملکی سے دریافت واستصواب کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اب اس فریضہ کو اس سے پہلے مولانا اشرف علی تھانوی و مولانا محمد شفیع صاحب و دیگر علماء دیوبند نے بخوبی ادا کیا ہے شکر اللہ تعالیٰ سعیہم الجمیل جو مفتیان مالکیہ حرمین شریفین سے دربارہ سہ بارہ دریافت فرما کر ان قیود و شرائط کی مکمل تشریح حاصل کر کے حیلہ ناجزہ کے ص 49 میں لکھ دی ہے جزاہم اللہ

تعالیٰ خیرا۔ اب ان قیود وشرائط کو نمبروار ذکر کیا جاتا ہے جن کی پابندی اس مسئلہ میں بنابر مذہب حضرت امام مالکؒ کے ضروری ہے۔

قیود وشرائط:

1۔ زوجۃ المفقود قاضی کے پاس آکر اولاً اس مفقود کے ساتھ اپنے نکاح کا ثبوت پیش کرے بعدہ اس مفقود کے لاپتہ ہونے پر گواہ پیش کرے بعد ازاں قاضی خود بھی مفقود کی تفتیش وتلاش کرے اور جب پتہ ملنے سے مایوس ہو جاوے (جائے) تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم دے۔ پھر اگر ان چار سال تک بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جاوے (جائے) گا۔ نیز ان چار سال ختم ہونے کے بعد عورت کو چار ماہ دس دن عدت گزارنے کے بعد دوسرے مرد کے نکاح کرنے کی گنجائش ہو گی اور اب چار سال گزرنے کے بعد دوبارہ قاضی کی عدالت میں درخواست دینا اور عدت وفات کے لئے حکم حاصل کرنا مالکیہ کے نزدیک ضروری نہیں۔ بلکہ قضاء قاضی صرف اول بار بوقت تاجیل ضروری ہے۔

2۔ حاکم جو چار سال کی مدت مقرر کرے گا اس کی ابتداء اس وقت سے کی جاوے (جائے) گی جس وقت حاکم خود بھی تفتیش کر کے پتہ چلنے سے مایوس ہو جاوے (جائے) اور قاضی کی عدالت میں پہنچنے اور اس کی تفتیش سے قبل خواہ کتنی ہی مدت گزر چکی ہو اس کا کچھ اعتبار نہ ہو گا۔

3۔ زوجہ مفقود کسی صورت میں اس کے نکاح سے خارج ہونے میں خود مختار نہیں بلکہ ہر حال میں قضاء قاضی شرط ہے۔ اور تفتیش کے مصارف کی بابت علماء مالکیہ میں اختلاف ہے بعض کا قول ہے کہ عورت کے ذمہ ہے اور بعض بیت المال کے ذمہ

لگاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ گر عورت کے پاس مال ہو تو مصارف اس کے ذمہ ورنہ بیت المال کے ذمہ ہوں گے۔ اور جہاں بیت المال نہ ہو یا ہو مگر یہ مصارف اپنے ذمہ نہ لگائے تو مسلمانوں سے چندہ لے کر خرچ کیا جائے۔

4۔ قاضی کو صرف عورت یا اس کے طرف داران کی بات پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے بلکہ خود بھی کوشش سے تلاش اور تفتیش کرے اور جہاں جہاں اس مفقود کے جانے کا احتمال ہو وہاں اپنے معتبر آدمی بھیج کر خوب تسلی کرے۔

5۔ جن بلاد میں قاضی شرعی نہ ہو تو وہاں وہ حکام جو حکومت کی طرف سے اس قسم کے معاملات کے فیصلہ کا اختیار رکھتے ہوں اگر وہ مسلمان حاکم نہ ہو یا مسلمان تو ہو مگر فیصلہ شریعت کے مطابق نہ کرتا ہو تو پھر بنا بر مذہب مالکیہ کے دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت پنچایت کر کے حسب بیان مذکور تحقیق کرے اور تحقیق کامل کے بعد فیصلہ صادر کر دے تو یہ فیصلہ بھی قضاء قاضی کے حکم میں ہو جاوے (جائے) گا لیکن پنچایت کا تقرر حسب ذیل شرائط کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ ملتقطاً[155]

جماعت مسلمین کی شرائط:

اس جماعت کو قاضی کے قائم مقام کرنے کے لئے چند شرائط ہیں جس جماعت میں یہ شرطیں موجود نہ ہوں وہ شرعاً معتبر نہ ہو گی۔

1۔ کم از کم تین آدمیوں کی جماعت ہو۔ ایک یا دو آدمی فیصلہ کریں تو وہ معتبر نہیں۔

2۔ اس جماعت کے سب ارکان کا عادل ہونا شرط ہے یعنی کبائر سے مجتنب ہو اور صغائر پر مصر نہ ہو۔

3۔ فیصلہ میں علماء کی شرکت لازم اور شرط ہے صرف عوام کی جماعت کا فیصلہ قضاء

قاضی کا حکم نہیں رکھتا۔

4۔ جماعت کے سب ارکان بالاتفاق فیصلہ دیں اور اگر رائے مختلف ہو جائیں اور کثرت رائے کے بنا پر فیصلہ کرنا چاہیں تو وہ فیصلہ شرعاً معتبر نہ ہو گا۔ اب اگر ارکان میں اختلاف ہو جائے تو مقدمہ خارج کر دیا جائے۔ ملتقطاً[156]

یہ ہیں مذہب مالکیہ پر مسئلہ مفقود میں عمل کرنے کے قیود اور شرائط جن کی پابندی کرنے کے بغیر عمل کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ اب موجودہ صورت مسئولہ عنہا میں زوجہ مفقود کسی قاضی مولیٰ یا حاکم کے پاس جاکر درخواست گزاری ہے اور مفقود کے تلاش کرنے اور پھر لاپتہ ہونے کے گواہ پیش کئے اور کسی قاضی یا حاکم نے مفقود کی تلاش میں آدمی بھیجے اب اگر ان میں سے کوئی کام بھی نہیں کیا تو پھر بموجب مذہب مالکی کے سابق ہوتے ہوئے دوسرے سے کس طرح نکاح کرنے کی مجاز ہو سکتی ہے۔ بہر کیف عورت مذکورہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نہ مذہب حنفی میں نکاح کر سکتی ہے اور نہ ہی مذہب مالکی میں۔ ہاں اگر شرائط مذکورہ بالا کی تکمیل کر دے تو مالکی مذہب کے مطابق نکاح جائز ہو گا۔[157]

مفتی محمد حسین شوق پپلانوی کے فتویٰ پر نقد و نظر:

مسئلہ وقف میں مفتی محمد حسین شوق پپلانوی کے ایک فتویٰ پر تنقید کرتے ہوئے آپ نے ایک مفصل رسالہ تحریر کیا۔ جس کے بعض حصوں کو یہاں درج کیا جاتا ہے۔ اس رسالہ کی ابتداء میں سید احمد الدین گانگوی لکھتے ہیں۔

اما بعد! باعث تسوید سطور ہذہ یہ ہے کہ شہر ہرنولی کی ایک مسجد قدیم کے احاطہ میں عرصہ دراز سے غسل خانے بنے ہوئے تھے۔ جن کو

امام مسجد نے ناجائز طور پر اکھیڑ کر دوسری جگہ بنادیا اور وہاں اپنا ذاتی مفاد کے لئے کوٹھابنالیا جس کی پشت مسجد کی طرف اور دروازہ دوسری طرف کر دیا گویا اس زمین کو حدود مسجد سے علیحدہ کر کے اپنا مملوکہ ومقبوضہ قرار دے دیا۔ یہ مسئلہ پہلے بغرض تصفیہ میرے پاس آیا میں نے مختصر طور لکھ دیا کہ اراضی مذکورہ بالا بوجہ داخل ہونے اندر حدود مسجد کے وقف ہے اور وقف زمین پر شرعاً کوئی شخص خواہ متولی ہو یا غیر متولی تصرف مالکانہ نہیں کر سکتا۔ خواہ اہل محلہ کی اجازت سے ہو یا نہ جب اہل محلہ خود اس زمین کے مالک نہیں تو تملیک کس طرح کر سکتے ہیں۔

مفتی محمد حسین شوق پپلانوی کا فیصلہ:

سید احمد الدین گانگوی مولانا شوق پپلانوی کے فیصلہ کے بعض حصوں کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

بعدہ اسی مسئلہ کے فیصلے کے لئے مولانا غلام محمود صاحب ساکن پپلاں کے صاحبزادہ مولوی محمد حسین صاحب، حکم مقبولہ فریقین ہوکر موقعہ پر تشریف لائے اور تحقیقات کے بعد جو فیصلہ کیا اس کے چند فقرات ذیل ہیں

(1) میں حکم مقبولہ فریقین ہوں

(2) متولی مسجد نے مسجد کے غسل خانے اکھیڑ کر ناجائز طور وہاں اپنا مکان تعمیر کر لیا ہے

(3) اراضی مذکورہ صحیح طور پر وقف نہیں ہے کیونکہ اس میں وقف کے رکن وشرط

موجود نہیں۔

(4) لیکن متولی نے اراضی ضرورت مسجد پر غضب کیا ہے۔

(5) اس مکان کے اکھیڑنے میں مسجد کی مصلحت کوئی نہیں۔ یہ تو تھے تحقیقاتی فقرے آگے اس کا فیصلہ کرتے اس کے چند فقرات بھی قابل غور ہیں۔

☆ اس مکان کی جگہ کے بدلہ میں دوسری اراضی بہتر مفید مسجد اس سے لے لی جائے۔

☆ یااس جگہ کی قیمت زیادہ لے کر مصالح مسجد پر صرف کی جائے جس کی سند میں درالمختار کی یہ عبارت پیش کر دی یفتی بالضمان فی غصب عقار الوقف وغصب منافعه ۔ پھر فتاوی قاضی خان کی عبارت کا ترجمہ لکھ دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ مسجد کے اوقاف پر سواء متولی کے دیگر کوئی شخص تصرف نہیں کر سکتا۔ اگر کریں بھی تو حاکم ان تصرفات میں سے جس میں مسجد کی مصلحت ہو اس کو بحال رکھ سکتاہے غاصب اہل محلہ سے طلباء لے کر مکان کو مسجد کے حوالہ کرنے کو تیار ہے یہ اہل محلہ کا اختیار ہے۔

سید احمد الدین گانگوی کا فیصلے پر تعاقب و محاسبہ:

سید احمد الدین گانگوی نے مفتی محمد حسین شوق پپلانوی کے مذکورہ فیصلے پر نقد کرتے ہوئے بڑی تفصیل سے وقف کے اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں کو بیان کیا آپ کا تجزیہ و تبصرہ حسب ذیل ہے۔

اقول وبالله التوفيق عزیز محترم کی خدمت میں التماس ہے کہ
براہ ہمدردی نہ بغرض مقابلہ آپ کے فیصلہ کی تنقید کی جاتی ہے
آپ کو ناراض نہیں ہونا چاہیے بلکہ ممنون ،کیونکہ آپ ایسے

معاملات میں ناتجربہ کار ہیں۔ آئندہ سنبھل کر اور سوچ کر فیصلہ کرنا چاہیے مثل مشہور ہے من صنف قد استھدف لغزشات تو بہت ہیں مگر یہاں بطور نمونہ چند پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

تحکیم صرف حقوق العباد میں ہوتی ہے:

(1) چونکہ احکام مسجد حقوق اللہ میں سے ہے جیسا کہ ارشاد عالی ہے ان المساجد للہ اور تحکیم صرف حقوق العباد میں ہوتی ہے نہ حقوق اللہ میں لہٰذا آپ اس مسئلہ میں نہ حکم ہو سکتے ہیں۔ اور نہ ہی تحکیم جائز جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ ج3 ص267 میں ہے کہ

التحکیم فیما یملکان فعل ذلك بانفسهما وهو حقوق العباد ولا یصح فیما لا یملکان فعل ذلك بانفسهما وهوحقوق الله تعالیٰ۔" [158]

بناءً علیہ آپ کو حکم مقبولہ فریقین قرار دینا لغو۔

متولی کی حیثیت کا تعین:

(2) غاصب کو متولی مسجد قرار دینا غلط بلکہ وہ امام مسجد ہے جس کا تقرر و عزل اہل محلہ کے اختیار میں ہے بخلاف متولی کے اس کا تقرر و عزل واقف یا حکومت کے اختیار میں ہوتا ہے اس میں اہل محلہ کا کوئی دخل نہیں۔ نیز یہ اوقاف کا معزز و محترم ہونا ضروری بخلاف امام مسجد کے جس کی عزت اہل محلہ کے نزدیک ایک کمی کی حیثیت میں ہوتی ہے۔ فتاوی عالمگیریہ ج2 ص506 میں ہے

"لابدان یکون المتطرف من الاماثل رئیس المحلة ومتصرفها کذا فی الذخیرة"۔ [159]

شرائط وقف کا فقدان:

(3) آپ کا یہ کہنا کہ اراضی صحیح طور پر وقف نہیں ہوئی کیونکہ اس میں وقف کے رکن وشرائط موجود نہیں۔ فضول آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ اس وقف میں رکن یعنی تلفظ بالفاظ خاصہ اور شرائط یعنی عقل بلوغ حریۃ تابید وغیرہ وقت ایقاف ناموجود تھے کیا آپ اس وقت حاضر تھے۔ یا اب آپ کے سامنے وقف کیا جارہا ہے کلاو حاشا۔ غایۃ الامر آپ کو رکن وشرائط کے وجود کا علم نہیں ہوا۔ تو کیا عدم العلم عدم الوجود کو مستلزم ہے۔ جیسے آپ بصیغہ تیقن کہہ رہے ہیں کہ رکن وشرائط ناموجود تو اس حساب سے روئے زمین کی تمام مساجد صحیح طور پر وقف نہ ہوں جن میں رکن وشرائط کے وجود کا آپ کو علم نہیں۔ پھر تو اوقاف کا آپ نے بڑا احترام کیا بلکہ مساجد قدیمہ کا تخم اڑادیا۔

عزیز من میں بتادوں ناراضگی معاف مساجد قدیمہ اوقاف مشہورہ میں سے ہیں اور اوقاف مشہورہ میں اگر کسی چیز کا اشتباہ یا تردد واقع ہو جائے تو اس کے سابقہ زمانہ کے معہودہ حال پر قیاس کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ ج2 ص495 میں ہے۔

"سئل شیخ الاسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه وقدر مایصرف الی مصارفه قال ینظر الی المعهود من حال فیما سبق من الزمان ان قوامها کیف یعملون فیه والی من یصرفون و کم یعطون فیبنی علی ذلك کذا فی المحیط"[160]

بناءً علیہ بانی مسجد یا قوامین سابقین نے اس زمین کو مسجد کے غسل خانوں کے لئے معین کر رکھا تھا۔ تو اب بھی اس کے مطابق عمل پیرا ہونا چاہیے۔ بغیر ضرورت اس کا تغیر تبدل شرط واقف کی مخالفت ہے جو شرعاً ممنوع ہے نیز ایسے اوقاف میں کسی

مزید ثبوت کی ضرورت نہیں صرف ان کے نگران یا من فی یدہ کا کہنا کہ یہ وقف ہے اس کے وقف ہونے کے لئے کافی ہے نہ یہاں کسی رکن کی ضرورت اور نہ ہی شرط کی جیسا کہ عالمگیریہ ج2 ص496 میں ہے۔

"قول من فی یدہ الارض وقف اقرار بالوقف ولیس ابتدا وقف حتی لاتشترط شرائط الوقف کذافی المحیط"(161)

علاوہ بریں ہمارے اس ملک بلکہ تمام علاقوں میں مساجد کی بنااور ہیئات مخصوصہ ایسی مقرر ہو چکی ہے کہ صرف اس کے دیکھنے سے یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ یہ مسجد ہے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ یہ مسجد ہے یا نہیں اور صحیح طور پر وقف یا مسجد بنائی گئی ہے یا نہیں مثلاً محراب و منبر اذان، منبر خطبہ و مینار و غسل خانے وضو گاہ چٹائیوں اور مصلوں و کوزوں کا ہونا یہ سب کچھ دیکھ کر کون شخص تردد کر سکتا ہے کہ شاید یہ مسجد صحیح طور مسجد نہ ہو۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب!

(4) پھر آپ نے یہ بات کہ اس میں وقف کے رکن و شرائط موجود نہیں کس بنا پر کہدی حالانکہ بلفظ بالفاظ مخصوصہ اگر رکن ہے تو باقی او قاف کے لیے ہے مسجد اس سے بنابر قول صحیح کے مستثنیٰ ہے جیسا کہ اشباہ والنظائر ص67 میں ہے

"ومنھا الوقف ولو مسجداً لابد من اللفظ الدال علیہ"(162)

اس کی شرح حموی میں ہے ،قولہ ومنھا الوقف اقول یستثنی من الوقف وقف المسجد لما فی فتح القدیر اذا احیی ارضاً مواتا بنیة جعلھا مسجداً کانت مسجد أبمجرد النیة ولا یحتاج الی لفظ انتھی

(5) پھر یہ کہنا کہ متولی نے اراضی ضرورت مسجد پر غصب کیا ہے ٹھیک نہیں کیونکہ ضرورت تو غسل خانوں کی تھی اور اس غاصب نے یہ ضرورت پہلے پوری کر دی جو اس

نے غسل خانے دوسری جگہ بنا دیئے بلکہ یوں فرمایئے کہ اس نے زمین وقف مسجد کو غصب کیا ہے۔

(6) پھر یہ کہنا کہ اس مکان کی جگہ کے بدلہ میں دوسری اراضی بہتر مفید مسجد اس سے لے لی جائے یہ بھی غلط کیونکہ اند حدود مسجد اور فنا المسجد میں سواء ضروریات مسجد کے دیگر کوئی مکان نہیں بنایا جاسکتا خواہ بنانے والا قیم المسجد بھی ہو اور فناء المسجد حکم مسجد میں ہے جیسا کہ مسجد میں کوئی شخص اپنا مکان نہیں بنا سکتا اس طرح فناء مسجد میں کوئی مکان نہیں بنایا جاسکتا۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ ج2 ص506 میں ہے۔

لمسجد لایجوز له ان یبنی حوائیت فی حد المسجد وفی فنائیه لان المسجد اذا جعل حانوتاً ومسکناً یسقط حرمته وهذا لایجوز والفناء تبع للمسجد فیکون حکمه حکم المسجد کذا فی محیط السرخسی"۔[163]

بلکہ اگر زمین موقوفہ علی المسجد ایسی ناکارہ ہو جائے جو کھیتی باڑی کا کام نہیں دے سکتی تو اس میں اگر حوض یا کوٹھا عوام کے پانی پینے پلانے کے لئے بنایا تو کسی مسلمان کو اجازت نہیں کہ اس سے انتفاع حاصل کریں کیونکہ یہ زمین مسجد کی ہے عوام کی نہیں جیسا کہ فتاوی عالمگیریہ میں ہے۔

" ارض وقف علی المسجد صارت بحال لاتزرع فجعلها رجل حوضاً کلعامة لایجوز للمسلمین الانتفاع بماء ذلك الحوض کذا فی القنیه"[164]

اب اگر اس غاصب سے اس زمین مسجد کا بدلہ کوئی اور زمین لی جائے تو اس کا مطلب یہ

ہو گا کہ یہ مکان اس کا مملوکہ قرار دیا جائے حالانکہ مسجد کا کوئی حصہ مملوکہ نہیں ہو سکتا۔

(7) پھر یہ کہنا اس جگہ کی قیمت زیادہ لے کر مسجد کے مصالح پر صرف کی جائے بالکل غلط کیونکہ اس وقت اس کا یہ مفاد ہو گا کہ مسجد کی زمین کا ایک ٹکڑا قیمتاً فروخت کیا گیا۔ حالانکہ لا یباع ولا یوہب تمام متون فقہا کا متفقہ ہے۔

(8) درالمختار کا حوالہ آپ کو مفید نہیں کیونکہ اس میں اراضی صرف وقفیہ کا حکم اور ما نحن فیہ اراضی مسجد کی بحث ہے۔ اور اراضی مسجد کو باقی اراضی او قاف پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

(9) اور فتاویٰ قاضی خان کی روایت میں اراضی موقوفہ علی المسجد کا ذکر ہے نہ اراضی مسجد وفناء المسجد کا وبینہما بون بعید۔ نیز یہاں تصرف فی المنافع ہے اور ما نحن فیہ میں تصرف فی ذات الارض ہے فافترقا۔

الغرض فقہا میں سے کوئی بھی اس امر کا قائل نہیں کہ مسجد یا فناء مسجد کی زمین کو جب کسی نے غصب کر کے اس پر مکان بنالیا ہو تو وہ زمین اسی غاصب کو دی جائے اور اس کے عوض میں کوئی اور زمین اس سے لی جائے یا قیمت اس زمین کی غاصب سے لے کر وہ زمین موقوفہ مغصوبہ غاصب کو دی جائے۔ بلکہ فقہا تو یہ لکھتے ہیں ایسی صورت میں غاصب سے وہ زمین واپس کر لی جائے اگر انکار کرے تو اس کو قید کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ زمین واپس کرنے پر راضی ہو جائے جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ ج2 ص499 میں ہے

"لو غصبہا من الوقف او من والیہا غاصب فعلیہ ان یردہا الی الواقف فان وثبت غصبہ عند القاضی حبسہ حتی رد"۔[165]

باقی رہا مکان بنالینا سو اس کی نسبت فقہا کا یہ فرمان ہے کہ غاصب اپنا ملبہ اٹھا کر زمین کو فارغ کر کے واپس کر دے جیسا کہ عالمگیریہ کے اسی صفحہ میں ہے

"وان كانت الزيادة مالاً متقوماً كالبناء والشجر يومر الغاصب برفع البناء وقلع الشجر ورد الارض فلم يضر ذلك بالوقف" (166)

(10) پھر یہ لکھنا کہ وہ صاحب مکان اس بات پر بھی تیار ہے کہ ملبہ کی قیمت اہل محلہ دیدیں تو وہ مکان مسجد کو دینے کے لیے تیار ہے۔ یہ صورت تب ہو سکتی تھی جب مکان سے ملبہ اتارنے سے زمین کو نقصان پہنچتا جیسا کہ عبارت سابقہ عالمگیریہ کے آگے ہے

"وان اضر بالوقف بان حزب الارض بقلع الاشجا ر والدار برفع البناء لم يكن للغاصب ان يرفع البناء اويقلع الشجر الا ان القيم يضمن قيمة الغراس مقلوعة والبناء مرفوعاً ان كان للوقف غلة في يد المتولي يكفي لذلك الضمان الخ" (167)

صورت موجودہ میں چونکہ ملبہ اکھیڑنے سے زمین وقفی کو کوئی نقصان نہیں آتا لہٰذا اہل محلہ کو کوئی تکلیف نہیں دی جاسکتی۔ ہاں اگر اہل محلہ اپنی خوشی سے اس ملبہ اکھاڑے ہوئے کی قیمت دے کر وہ سالم مکان لے لیں تو شرعاً کوئی حرج نہیں بہر کیف وہ ارض مغصوبہ غاصب کے قبضہ سے چھڑا کر مسجد کے قبضہ میں دیا جانا ضروری اور لازمی ہے۔

فوائد ضروریہ:

(1) وقف خصوصاً مساجد چونکہ حقوق اللہ میں سے ہے ان میں تحکیم جائز نہیں۔ کمامر

(2) اوقاف میں شہادۃ حسبہ بدون دعویٰ مقبول ہے جیسا کہ درالمختار میں ہے والذی تقبل فیہ الشهادة حسبةً بدون الدعوىٰ اربعة عشر منها الوقف على ما في

الاشباہ

(3) او قاف قدیمہ میں اگرچہ واقف معلوم نہ ہو تاہم بروایت صحیحہ شہادت جائز ہے جیسا کہ شامی ج 3 ص 415 میں ہے

(4) او قاف قدیمہ میں شہادت علی الشہادۃ وشہادہ الناس مع الرجال وشہادۃ بالشہرۃ یعنی بالتسامع بھی جائز ہے جیسا کہ درالمختار میں ہے۔

(5) وقف کے جس مسئلہ میں علما کا اختلاف ہو وہاں اس قول کا فتویٰ دیا جائے جس میں وقف کا نفع ہو درالمختار ج 3 ص 414۔415 یہاں شامی کی ایک جزی لکھ کر تقریر کو ختم کیا جاتا ہے

وفی الخیریۃ وقف قدیم مشہور لایعرف
واقفه استولی علیه ظالم فادعی المتولی انه
وقف علی کذا مشهور وشهدا بذلك فالمختار
انه یجوز آه والله تعالیٰ اعلم واحکم بالصواب

استفتاء: جبکہ امام مسجد نے مسجد کی زمین پر ناجائز تسلط کر لیا جس کو حکم صاحب بھی مانتے ہیں کیا ایسا کرنے سے وہ فاسق ہو گیا یا نہ اگر فاسق ہے تو وہ امامت کرا سکتا ہے یا نہ۔

الجواب: باسمہ عزاسمہ۔ ایسا کرنے سے فاسق ہو گا اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمہ ہے جیسا کہ عامہ کتب فقہ میں موجود ہے ہاں اگر وہ ارض مغصوبہ فارغ کر کے مسجد کے حوالے کر دے اور آئندہ کے لیے بسر اجلاس توبہ النصوح کرے تو توبہ کا دروازہ کھلا ہے التائب من الذنب کمن لاذنب له والله اعلم (168)

حررہ المسکین احمد الدین عفاعنہ گانگوی، میانوالی بقلم

3۔ فیصلوں کی تائید و توثیق:

462 سید احمد الدین گانگوی، خواجہ ضیاء الدین سیالوی کے دور سجادگی میں قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز ہوئے اور خواجہ قمر الدین سیالوی کے زمانہ خانقاہی میں بھی آپ مفتی اعظم کے منصب جلیلہ پر فائز رہے۔ لہٰذا آستانہ عالیہ سیال شریف کی طرف سے شائع ہونے والے اکثر فتاویٰ، فیصلے آپ کی تحریر و توثیق سے مزین ہوا کرتے۔ شاید ہی کوئی ایسا فیصلہ جاری ہوا ہو جس میں آپ کی تائید و توثیق شامل نہ ہو۔ اس اعتبار سے سید احمد الدین گانگوی کا یہ امتیازی وصف تھا کہ نصف صدی سے زائد عرصہ تک آپ کے زیر نگرانی فتاویٰ و فیصلے جاری ہوتے رہے۔ یہاں صرف دو مثالوں کو ذکر کیا جاتا ہے۔

سجادہ نشینی کا تنازعہ میں خواجہ قمر الدین سیالوی کا فیصلہ اور سید احمد الدین گانگوی کی توثیق:

حضرت خواجہ سید امیر علی شاہ خوارزمیؒ کے وصال شریف کے بعد ان کے پسران میں سجادہ نشینی اور بعض دیگر خانگی معاملات اور امور وغیرہ کے متعلق تنازعہ پیدا ہو گیا۔ حضرت خواجہ سید محمد اکرام شاہ خوارزمیؒ کے عرس سراپا قدس منعقدہ 26 ذی قعدہ کے موقع پر خواجہ قمر الدین سیالویؒ کی تشریف آوری پر جملہ برادران نے آپ کے فیصلہ کو حتمی اور آخری ماننے کا فیصلہ کیا، اس تحریر کو یہاں من و عن نقل کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! آج مورخہ 26 اپریل 1930ء مطابق 26 ذی قعد

1347ھ کو بر موقع عرس حضرت اکرام اللہ شاہ صاحب مرحوم ساکن سلھو کی شریف بوقت تشریف آوری خواجہ غریب نواز حضرت سجادہ نشین سیال شریف جناب خواجہ محمد قمر الدین صاحب سیالوی بعد مشورہ متعدد حاضرین مجلس قرار پایا کہ من مظہر ان کا جو کچھ باہمی تنازعہ خانگی معاملات وغیرہ کے متعلق ہے، اس کے متعلق حضرت سجادہ نشین صاحب موصوف جو فیصلہ اس بارہ میں صادر فرمائیں گے وہ مجلس کو منظور و مقبول ہو گا جس کے خلاف شرعی یا قانونی کسی قسم کا اعتراض کرنے کا مجلس کو کوئی حق نہ ہو گا۔

غلام فرید شاہ

محمد علی شاہ

غلام حسین شاہ

از سلھوکے تحصیل وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! فقیر نے سید غلام فرید شاہ صاحب و دیگر ان کی قوم سے غلام حسین شاہ صاحب، ان کے بھائی اور ان کے چچا محمد علی شاہ صاحب سے امور متنازعہ فیہما کے متعلق کافی تحقیق و تدقیق کے ساتھ دریافت کیا نیز اس گدی کے متوسلین جو کہ فریقین کے خیر خواہ تھے، سے بھی پوری وضاحت سے پوچھا، علاوہ ازیں جملہ اس معاملہ کے متعلق جو فیصلے پہلے ہو چکے ہیں، پورے غور وخوض کے ساتھ پڑھے پھر موقع دیکھنے کا بھی اتفاق ہوا جس پر فقیر اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ جو فیصلہ محترمی سید فضل شاہ صاحب سجادہ نشین جلال پور شریف کی جانب سے چند معزز حضرات نے مثلاً مولوی ظہور احمد بگوی، غلام قادر ذیلدار کوٹ بھاگہ، رحمت خان ذیلدار سلھو کی، اللہ

دتہ امام مسجد مشرقی، کیاہے وہی قابل نفاذ ہے، فقیر فیصلہ کنند گان کی حق رسی اور عدالت کا معترف ہے۔ البتہ جو تنازعات اس فیصلہ کے بعد ظاہر ہوئے ہیں مثلاً غلام فرید شاہ صاحب سجادہ نشین کے چھوٹے بھائی غلام حسین شاہ صاحب کا دعویٰ خلافت (گو اس کی حقیقت ہو یانہ ہو) اور شاہ صاحب کے ناناصاحب سید اکرام شاہ صاحب مرحوم کے عرس کا ایک ہی وقت میں دو جگہ ہونا، ان دوہی امور کے متعلق فقیر ایک فیصلہ کرتا ہے جس کی مخالفت، مخالف کی سرکشی پر دال ہے جس کا ثمرہ مخالف کے حق میں نہایت ہی برا ثابت ہو گا۔

1۔ سجادہ نشینی ایک ایسے عہدہ اور منصب کانام ہے جس کا مقصد مرکزیت اسلامی اور ایک جمعیت مذہبی کا تقرر ہے تاکہ مختلف اطراف کے مختلف لوگوں کو امور مذہبیہ میں تبادلہ خیالات کا موقع ملے اور وہ احکام اسلام کی تعمیل بہت خوبی اور تنظیم سے کر سکیں اور سجادہ نشین اس ذمہ دار ہستی کو کہتے ہیں جو اس محکمے کا صدر ہونے کی حیثیت سے احکام الٰہی سناتے ہوئے آیۃ کریمہ **واعتصموا بحبل اللہ** (169) کا نعرہ لگائے اور جو کہ اسلام کا اصل رکن ہے اور تمام اسلامی احکام کی زندگی وحدۃ پر منحصر ہے جس کو فرمان افضل البریہ علیہ الف الف صلوۃ وسلام نے یوں مزین فرمایا ہے۔ **علیکم بالجماعۃ من شذ شذ فی النار او ید اللہ علی الجماعۃ** نیز مسجد ضرار کو اس وجہ سے مسجد کا حکم نہیں دیا گیا۔ اب اگر ایک چھوٹے سے چھوٹے مقصد میں عناد اور دورائیں مقرر ہو جائیں تو جملہ نظام درکنار رہی سہی طاقت بھی خاک میں مل جائے گی۔ اس بناپر یہ لکھنانہایت ضروری ہے کہ بغیر سید غلام فرید شاہ صاحب کے اور کسی کو حق سجادگی نہیں یعنی موضع سلہو کے میں صرف غلام فرید شاہ صاحب ہی سجادہ نشین ہو

سکتے ہیں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

2۔ عرس دوسری جگہ کرنا بھی اس مقصد کے لئے بے حد مضر ہے جس کی تصدیق مسجد ضرار کا فیصلہ کر سکتا ہے، دوسری جگہ صرف خیرات کرنے کا اختیار ہے باقاعدہ مجلس سماع کا تقرر اور ختم شریف یا باقی لنگر وغیرہ کے متعلق تمام امور صرف سجادہ نشین کے ذمہ ہیں۔

فقیر قمر الدین غفرلہ، مع مہر آستانہ عالیہ سیال شریف

یہ ناچیز اس تمام تحریر کو جو طبعزاد حضور قبلہ عالم حضرت سجادہ نشین صاحب سیال شریف ہے تمام حرف بحرف کی تصدیق کرتا ہے، تمام متعلقین دربار کو اسی پر ثابت قدم اور پابند ہونا ضروری ہے اور اس کی مخالفت باعث خسران وخذلان دارین ہے۔[(170)]

فقط 14 محرم 1349ھ

مسکین احمد الدین عفی عنہ، مفتی دربار عالیہ سیال شریف

حرمت مصاہرہ پر مفتی عطا محمد رتوی سے اختلاف اور خواجہ ضیاء الدین سیالوی کا حکم تنفیذ:

حضرت مفتی رتوی سے اختلاف اور سید احمد الدین گانگوی کا فتویٰ:

اسلامی فقہ میں حرمت مصاہرہ ایک معروف اور متفقہ مسئلہ ہے۔ بعض اوقات کسی خاص واقعہ کی تفصیلات بیان کرنے میں جو اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اس کی

بناء پر فقیہ اور مفتی کا فیصلہ مختلف اور متنازع بن جاتا ہے۔ غالباً 1926ء کا واقعہ ہے جب موضع ٹھٹھی جنکا علاقہ چکوال ضلع جہلم کے ایک شخص مسمی سلطان کی بہو پر مولانا مفتی عطا محمد رتوی نے حرمت مصاہرہ عائد کر دی۔ فیصلہ غیر معمولی تھا۔ بات پھیلتی چلی گئی۔ جب مولانا ظہور احمد بگوی کے پاس یہ معاملہ پیش ہوا تو زمینی صورت حال مختلف بیان ہوئی۔ اس کے مطابق مولانا بگوی کا فیصلہ مفتی صاحب کے فیصلے سے مختلف اور اختلافی تھا۔ چنانچہ مولانا بگوی ان کے ہم نوا علماء نے درج ذیل استفتاء کیا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مفتی عطا محمد صاحب رتوی نے مطلق مس پر حرمت مصاہرہ کا حکم دیا ہے، جیسا کہ ان کے فیصلہ کی نقل سے ظاہر ہے۔ کیا ایسا فیصلہ واجب العمل اور درست ہے۔ بینو و توجروا۔

فتویٰ: استفتاء مولانا محمد اسحاق مانسہری اور عبد الرحیم سیکرٹری مجلس خلافت راولپنڈی کے دستخطوں سے جاری ہوا۔ مولانا مفتی عطا محمد رتوی کے فیصلے کیخلاف جن علماء نے تردید کی اور تائید دستخط کئے، ناظم مجلس خلافت ضلع راولپنڈی کی جانب سے جہازی سائز کے اشتہار (مطبوعہ گروہر سٹیم پریس ہسپتال روڈ لاہور) میں ان کے نام یہ ہیں:

مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری صدر مدرس دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی کفایت اللہ مدرس مدرسہ امینیہ وصدر جمعیت علماء ہند دہلی، مولانا محمد شفیع مدرس مدرسہ مولوی عبد الرب مرحوم دہلوی، مولانا غلام محمد مقیم گولڑہ شریف امام مسجد حضرت قبلہ عالم صاحب مدظلہ، مولانا محمد عبد الحق ہزاروی صدر مدرس مدرسہ احیاء العلوم راولپنڈی، مولانا وحید حسین مدرسہ امینیہ دہلی، مولانا محمد زردی پشاور، مولانا عبد الرؤف سکنہ کھڑی پشاور، مولانا محمد یوسف جلالوی، مولانا محمد عبد الحنان کامل پوری، مولانا فضل الرحمن سکنہ گاڑ ضلع پشاور، مولانا

محمود سکنہ گاڑ ضلع پشاور، مولانا عبد القدیر سکنہ تورڈ ہر، مولانا سلطان محمود مدرسہ فتح پوری دہلی، مولانا سعد الدین جلالوی، مولانا عبد اللہ جلالوی، مولانا فضل شاہ ازڈریالہ، مولانا احمد الدین جیالوی، مولانا احمد سعید ناظم جمعیۃ العلماء ہند دہلی، مولانا خدا بخش بھیروی مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، مولانا ولایت احمد دہلی، مولانا شبیر احمد عثمانی مدرس دار العلوم دیوبند، مولانا محمد رسول خان مدرس دار العلوم دیوبند، مولانا احمد علی مدرس مدرسہ قاسم العلوم لاہور، مولانا گل احمد غور غشتی، مولانا محمد قطب الدین غور غشتی، مولانا عبد الحق غور غشتی، ملا باجوڑ، مولوی محمد یونس دھمتوڑی علاقہ ہزارہ، مولانا عبد الکریم، مولانا قاضی محمد اعظم میر پوری (ہزارہ)، مولوی محمد ہمایوں سلطان پوری (ہزارہ)، مولوی محمد ایوب الانصاری از توہال (ہزارہ)، مولانا عبد الرحیم (ہزارہ)، مولانا محمد جعفر جاولیوالہ، مولوی فضل الرحمن نزیل راولپنڈی، مولانا عبد الاحد خان پوری، مولانا محمد نعیم خطیب جامع مسجد راولپنڈی، مولانا ابو المحمود ٹمن۔

فتویٰ دربار عالیہ سیال شریف:

درج بالا علماء کی تائید و توثیق کے بعد سیال شریف کی طرح سے جاری کردہ فتوی کا خلاصہ درج کیا گیا ہے۔ اس کے نیچے چوکٹھوں میں مندرجہ ذیل علماء کے دستخط ہیں ۔ مولانا احمد الدین گانگوی، مفتی دربار عالیہ سیال شریف، مولانا غلام محمد، مولانا محمد حسین سجادہ نشین مرولیانوالہ شریف، مولانا قاضی سید رسول سکنہ موہڑہ قاضیاں، مولانا ظہور احمد بگوی خطیب و متولی جامع مسجد بھیرہ، مولانا محمد جعفر چاولیوالہ حال مقام کریالہ۔

یہ فتویٰ مولوی احمد دین صاحب مفتی دربار سیال شریف نے مرتب کرکے فقیر کو پیش کیا۔ میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اس کے نافذ کرنے کی سفارش

کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ صحیح اور قابل عمل ہے۔

الراقم: حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی،

سجادہ نشین دربار عالیہ سیال شریف[171]

4۔ علم حدیث میں کمال اور قوت استنباط و استدلال:

جو بھی کمال فقاہت کا حامل ہو اور استدلال و استنباط کی غیر معمولی صلاحیت رکھتا ہو اس کے لئے علم حدیث کی مہارت ایک لازمی چیز ہے۔ علم حدیث میں رسوخ کے بغیر کوئی فقیہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن فقاہت کے بغیر محدث ہو سکتا ہے۔ فقیہ احادیث کو بھی جانتا ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ ان سے کہاں اور کس طرح استفادہ ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی یہ کہ قوت و ضعف، قبول و رد اور حسن و صحت کے لحاظ سے ان کا درجہ و مقام کیا ہے۔ علم حدیث میں سید احمد الدین گانگوی کی مہارت و رسوخ کے ثبوت میں ان کی کتب اور فتاویٰ سے بے شمار شواہد و نظائر پیش کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں مولانا حسین علی واں بھچروی کے استدلال بالحدیث پر آپ کی جرح کو بطور نظیر پیش کیا جاتا ہے۔

فقہ البیع سے متعلق مولانا حسین علی واں بھچروی کی تردید اور احادیث کی توضیح:

سید احمد الدین گانگوی، مولانا حسین علی واں بھچروی کی فقہی و کلامی آراء کے نقاد تھے۔ مولانا حسین علی کی آراء پر محاسبہ کے لئے معاصر علماء آپ ہی کی طرف رجوع کرتے۔ مولانا حسین علی کا ایک رسالہ اباحت انتفاع، مولانا نور محمد ہاشمی نے آپ تک پہنچایا اور مولانا حسین علی کے استدلال بالحدیث پر تنقید کا مطالبہ کیا۔ جس پر آپ

نے الحق المبین کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا۔ اس کی ابتداء میں آپ لکھتے ہیں۔

اما بعد یہ مسکین احمد الدین کان اللہ لہ عرض پرداز ہے کہ مدت دراز سے منافع رہن کی نسبت علماء کرام کے اختلافات بکثرت واقع ہوتے چلے آئے ہیں اور طرح طرح کے رسائل وفتاویٰ اس میں تصنیف ہوتے رہے ہیں، الادور جدید نے عجیب طرح کے علماء نمودار کئے جنہوں نے تحقیقات علماء محققین وتصریحات فضلائے مدققین کو بالائے طاق رکھ کر نیا ڈھنگ بنا کر نیا رنگ دیکھایا چنانچہ زمان حال میں ایک رسالہ مؤلفہ جناب مولونا مولوی حسین علی صاحب سکنہ واں بھچراں ضلع میانوالی اباحت انتفاع مرتہن لمرہون کے بارہ میں بذریعہ مولانا مولوی نور محمد صاحب امام مسجد شیڈ کندیاں میری نظر سے گزرا گو یہ رسالہ اس منصب کا تو نہیں ہے کہ اس کی تردید لکھی جاوے کیونکہ نہ اس کی طرز تقریر موزوں ہے اور نہ ہی اس کا مضمون مگر چونکہ عوام کالانعام جو اس وقت سود خواری میں اشد مبتلا ہیں اور بفحوائے الغریق یتشبت بکل حشیش اس رسالہ کو اپنے دستور العمل کا مستند بنا رکھا ہے اس لئے مناسب نظر آتا ہے کہ اس مسئلہ کی تحقیق کماحقہ کر کے حق کو روز روشن کی طرح ظاہر کر دیا جائے تاکہ کوئی ان پڑھ مسلمان دھوکہ نہ کھائے قبل ازیں اس رسالہ کی تردید تو جناب مولوی صاحب مولوی نور محمد صاحب موصوف نے بھی کر دی ہے لیکن میری اشتعال طبع وغیرت اسلامیہ نے مجھے اس پر اکتفا نہ کرنے دیا اور مستقل رسالہ بنانے کا عزم کر لیا۔(172)

مقصد تالیف ذکر کرنے کے بعد سید احمد الدین گانگوی نے مولانا واں بھچروی کی مستدل حدیث کو بیان کیا اور اس حوالے سے استدلال بالحدیث میں نقص کو

بیان اور واضح کرتے ہوئے آپ نے لکھا۔

> چونکہ ماہر محرر نے اپنے اثبات مدعا کے لئے یہ حدیث جس کو ترمذی وابوداؤد نے روایت کیا ہے پیش کر کے اپنے زعم میں سبکدوش ہو بیٹھے ہیں اور ان کے پیروان نے بڑے ناز سے فخر کر رہے ہیں لہذا بہت مناسب نظر آتا ہے کہ اس حدیث کی تشریح و تحقیق حسب تصریح محدثین وفقہا وائمہ دین ہدیہ ناظرین کر دی جائے جس سے قارئین کرام خوب اندازہ لگا سکیں گے کہ ماہر محرر نے کس قدر کجروی اختیار کی ہے اس حدیث کو ابن ماجہ وابوداؤد وترمذی وبخاری ودار قطنی وحاکم وغیرہ نے بروایت ابی ہریرہ بالفاظ متقاربہ ذکر کیا ہے مرفوع اور موقوف دونوں طرح مروی ہے الا موقوف واضح ہے جیسا کہ دار قطنی اور بیہقی میں ہے اور اس سے انتفاع بالمرہون کی اجازت مل سکتی ہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ راہن کے واسطے یا مرتہن کے واسطے اجازت ہے اب چونکہ الفاظ حدیث متحمل الوجہین ہیں اس لئے امام احمد بن حنبل وغیرہ نے اس سے مرتہن کی اجازت حاصل کی ہے اور امام شافعی نے راہن کی۔ جیسا کہ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی نے مرقاۃ الصعود فی شرح ابی داؤد میں لکھا ہے۔(173)

حدیث قابل احتجاج نہیں:

مسئلہ رہن میں مولانا واں بھچروی نے جس حدیث سے استدلال کیا اس کو متحمل الوجہین قرار دینے کے بعد سید گانگوی نے اس بات کو بیان کیا کہ یہ حدیث قابل حجت نہیں۔ حدیث مذکورہ سے احتجاج نہ کرنے کو دیگر اصح روایات سے ثابت کرتے

ہوئے آپ نے لکھا۔

حاصل تقریر یہ ہے کہ حدیث مذکورہ جس کو ماہر محرر نے اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے نقل کیاہے وہ قابل حجت نہیں بچند وجوہ۔ اول الفاظ اس حدیث کے مجمل محتمل الوجہین ہیں جن کو امام شافعی راہن اور امام احمد بن حنبل مرتہن کے منافع پر محمول کرتے ہیں جیسا کہ مذکور ہوا۔ دوئم۔ یہ حدیث منسوخ ہے جمہور علماء کے نزدیک بتعدد الناسخ (1) پہلے آیۃالربوا سے جیسا کہ مذکور ہوا(2) دوسرا حدیث لا یغلق الرہن جس کو امام شافعی نے مرسلاً ومتصلاً ذکر کیاہے(3) تیسرا حدیث لاتحلب ماشیۃ امر البغیر اذنہ جس کو علامہ قسطلانی نے ابن عبد البر سے ارشاد الساری میں نقل کیاہے۔ سوم، باالفرض المحال مان لیا جائے کہ یہ حدیث صرف منافع مرتہن پر محمول ہے اور دوسرا احتمال بھی نہیں اور نہ ہی منسوخ ہے جیسا کہ ماہر محرر کا خیال ہے تاہم قابل عمل نہیں کیونکہ اس حدیث کی معارض حدیث کل قرض جربہ نفعاً فھو ربواً ہے جس کو علامہ بدر الدین عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں حضرت علی سے مرفوعاًروایت کیاہے۔ اگرچہ اس حدیث کی سند میں کلام توہے لیکن چونکہ آثار صحابہ وعمل الائمہ کے ساتھ مقترن ہے لہذا قابل عمل وحجت ہوگی علاوہ برایں متعددہ والفاظ متقاربہ سے مروی ہے ہدایہ میں بلفظ ان النبی ﷺ نہی عن قرض جر نفعاً اور مسند حارث بن ابی اسامہ میں بلفظ قال رسول اللہ ﷺ کل قرض جربہ نفعاً فھو رباً جیسا کہ فتح القدیر میں ابن ہمام نے ذکر کیاہے۔

لیکن اصح الروایات وہ ہیں جو صحابہ سے منقول ہیں جیسا کہ ابن ابی شیبہ نے اپنی مسند میں عطاء سے روایت کیا ہے بلفظ کانوا یکرہون کل قرض جر منفعۃ اور بیہقی نے معرفۃ میں فضالہ بن عبید سے موقوفاً بلفظ کل قرض جر منفعۃ فہو وجہ من وجوہ الربوا روایت کیا ہے۔(174)

5۔ اقوال میں تطبیق وترجیح:

سید احمد الدین گانگوی کو یہ فقیہانہ مہارت بھی حاصل تھی کہ وہ مختلف اقوال میں درست تطبیق دیا کرتے اور ان سب کا ایسا مفہوم بیان کرتے کہ جس سے عبارات کا ظاہری اختلاف ختم ہو جاتا۔ اس کے شواہد ان کی تصانیف میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

جہاں ایک فقیہ کے لئے اقوال میں تطبیق قائم کرنے کے فن کی مہارت کا ہونا ضروری ہے۔ وہیں مختلف اقوال میں ترجیح بھی انتہائی اہم ہے۔ فقہا اور ائمہ ترجیح نے اپنی فقاہت اور وسعت علم کے سہارے بڑی عالی ہمتی سے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے لیکن جہاں ان سے کوئی ترجیح منقول نہ ہو وہاں قول راجح کا استنباط انتہائی مشکل امر ہے مگر سید احمد الدین گانگوی اس فن کو بڑی آسانی سے نبھاتے ہیں۔

یہاں اسلامی بیت المال سے اقوال میں تطبیق وترجیح کے حوالے سے ایک نظیر پیش کی جاتی ہے۔ مسئلہ عشر وخراج میں امام ابویوسف اور امام محمد کے اختلافی اقوال ذکر کرنے کے بعد سید احمد الدین گانگوی امام ابویوسف کی روایت کو راجح ثابت کرتے ہوئے اور امام محمد کی روایت کے مرجوح ہونے کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

روایت امام ابویوسف بہ نسبت روایت امام محمد کے راجح اور زیادہ معتبر ہے، بچند

وجوہ ذیل:

(1) یہ روایت تمام متون معتبرہ عند الفقہاء میں موجود ہے چنانچہ کنزالدقائق، وقایہ، ملتقیٰ، بخلاف روایت امام محمد کے کہ وہ صرف قدوری و ملتقیٰ میں گو موجود ہے مگر وہ بھی تبعاً۔

(2) اس روایت پر الفاظ افتاوترجیح فقہائے حنفیہ سے بکثرت منقول ہیں بخلاف دوسری روایت کے۔ الحاصل روایت امام ابویوسف پر الفاظ افتاوترجیح بکثرت موجود ہیں جیسا کہ شامی میں، ھوالمعتمد اور دار المنتقیٰ میں بہ یفتیٰ واقع ہے اور درالمختار بحث رسم المفتی میں ہے کہ جس روایت پر لفظ صحیح یاماخوذ یابہ یفتیٰ کا ہو تو اس پر اعتبار کرنا چاہیے اور اس کی مخالف روایت کی طرف التفات نہ کی جائے۔ بلکہ طحاوی میں ہے کہ جس روایت پر فتویٰ ہو وہ ظاہر الروایت پر مقدم ہوتی ہے۔

(3) ملتقیٰ البحر میں کہ التزام ہے کہ مسئلہ اختلافیہ میں جس روایت کو پہلے ذکر کرے وہ بہ نسبت دوسری کے راجح ہوتی ہے اور اس مسئلہ میں روایت ابویوسف کی روایت پر مقدم کیا ہے۔

(4) اسی روایت کو مختار بنا کر فقہا نے فتویٰ دیا۔ جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمختار میں لکھا

(5) جب آباد کنندگان مسلمان ہیں تو عشر ہی کے مستحق ہیں نہ کہ خراج کے۔

(6) وجوب عشر کا سبب زمین پیداوار دہندہ ہے تو جب سبب موجود ہے تو وجوب عشر کیوں مفقود ہو گیا۔

(7) عشر کی فرضیت نص قطعی سے ثابت ہے اس کا ثبوت یقینی ہے اور پانی خراجی کی وجہ سے اس کا سقوط ظنی کیونکہ یہ صرف ایک
روایت ہے وہ بھی غیر مفتیٰ بہا اور یقین شک سے زائل نہیں ہوتا۔

(8) احتیاط بھی اسی روایت میں ہے ،غرض بالفرض المحال مان لیا جائے کہ مسئلہ اختلافی ہے اور دونوں شق مساوی الدرجہ ہیں۔ مگر تاہم احتیاط ادائے عشر میں ہے۔ کیونکہ اگر حقیقت میں واجب تھا تو ادائے واجب ہو گیا اور اگر واجب نہیں تھا تو ثواب اتفاق تو کہیں نہیں جاتا اور اگر ادا نہ کیا گیا ہو تو بصورت وجوب کے سخت مواخذہ ہو گا۔

(9) یہ روایت اکثرین کا قول ہے جیسا کہ تواتر نقول متون وشرح سے ظاہر ہے اور رد المختار میں ہے کہ جس روایت میں اختلاف ہو تو اکثریت کے قول کا اعتبار ہوتا ہے۔

(10) جس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد کا آپس میں اختلاف ہو سوائے ان صور کے جن میں علماء متاخرین نے امام محمد کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے ۔امام ابو یوسف کے قول کو چھوڑ کر امام محمد کے قول پر فتویٰ دینا اور عمل کرنا جہل اور خرق اجماع ہے۔

اس تحقیق سے صاف ثابت ہو گیا کہ اراضی انہار پنجاب جن کو اہل اسلام نے آباد کیا ہے وہ عشری ہیں نہ خراجی۔[175]

6۔ حسن ایجاز واختصار:

اہل بصیرت ہمیشہ معانی کی جلالت اور افادیت سے مصنف کا درجہ و مقام متعین کرتے ہیں۔ مگر کچھ لوگ الفاظ کی کثرت اور کتاب کی ضخامت سے مصنف کا قد ناپنے کے عادی ہوتے ہیں۔ سید احمد الدین گانگوی کو حسن اختصار اور ایجاز کی مہارت بدرجہ اتم حاصل تھی۔ مختصر سی عبارت میں کتنے ہی پیچیدہ اختلاف و اشکال کی دل پذیر عقدہ کشائی کرتے ہیں۔

قرآن پاک میں مذکور لفظ دعا کے مختلف محامل اور احکام کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دعا کا لفظ قرآن شریف میں متعدد مواقع پر بکثرت وارد ہے لیکن اس کے معانی بھی متعدد (1) عبادت، یعنی بندگی کرنا (2) خواندن، یعنی بلانا (3) خواستن، یعنی کسی سے کچھ مانگنا۔ جن جن مواقع میں یہ الفاظ وارد ہے ۔وہاں ان تین معنوں میں سے جو معنی سیاق وسباق کے مطابق ہو اور علماء تفسیر نے اس معنی کا تعیین کر دیا ہو وہی معنی مراد ہو گا نہ یہ کہ ہر جگہ ایک معنی لیا جائے جیسا کہ ملاحدہ کی چال ہے۔

تمام قرآن شریف میں جس جگہ دعا کا لفظ ہے ان تین معنوں میں ہے جو معنی مناسب سیاق کلام کے ہو وہی مراد ہو گا۔ اب اس لفظ دعا کے استناد لغیر اللہ میں تفضیل ہے یعنی دعا بمعنی عبادت لغیر اللہ قطعاً حرام بلکہ کفر و شرک اور دعا کے دوسروں معنوں یعنی بلانا اور مانگنا میں بھی تفصیل ہے یعنی اگر مدعو عند اللہ مذموم ہستی ہے جیسا کہ بت و آگ و پانی وغیرہ معبودان باطلہ تو ان کو نہ کسی حاجت براری کے لئے بلانا جائز ہے اور نہ ہی ان سے حاجت کا مانگنا بلکہ یہ بھی قطعاً حرام و کفر و شرک اور قرآن شریف میں جس قدر آیات غیر اللہ کو پکارنے یا دعا مانگنے کی ممانعت آتی ہے۔ ان تمام آیات کا محمل یہی معبودان باطلہ ہیں جیسا کہ تمام سیر معتبر وھم عن دعاۓھم غافلون میں ھم کا مرجع اصنام بتاتے ہیں۔ اور اگر مدعو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز و محترم ہستی ہے مثلاً انبیاء، شہداء، اولیاء تو اس میں بھی تفصیل ہے اگر ان حضرات کو

> مستقل متصرف الامور قرار دے کر دور یا نزدیک سے پکارے یا اسی نیت سے ادنیٰ حاجت براری طلب کرے تو بھی شرک ہے کیونکہ فعال مطلق ذات پاک الٰہی جل جلالہ ہے اس میں کسی کی شرکت نہیں۔ اور اگر ان حضرات کو اپنی حاجت براری کے لئے جناب الٰہی میں وسیلہ قرار دے کر جناب میں خود عرض کرے ان سے جناب باری وعزاسمہ کے دربار میں انجاح مرام کے لیے عرض کی درخواست کرے خواہ حاضرانہ ہو یا غائبانہ بہر کیف جائز و مشروع نہ اس میں شرک اور نہ کفر۔(176)

7۔ مختلف علوم میں مہارت:

سید احمد الدین گانگوی کو تفسیر، حدیث، فقہ، اصول غرضیکہ جملہ علوم دینیہ میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ جس بھی فن پر ان کی کوئی تحقیق دیکھی جائے تو اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ علوم و فنون میں جس قدر گہرائی اور گیرائی سے مہارت رکھتے تھے۔ علوم میں حاصل مہارت کو آپ نے فقہ و فتاویٰ اور عقائد و کلام وغیرہ کے دقائق و رموز کے حل میں جا بجا استعمال کیا ہے۔ آپ سے عقائد کے باب میں چند ایک سوالات دریافت کئے گئے جس پر آپ نے رسالہ العقائد تصنیف کیا۔ استوا علی العرش کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں آپ نے تفسیر و حدیث کے دلائل سے اپنے کلامی موقف کو ثابت کیا۔ یہاں آپ کے مفصل جواب کو درج کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا عرش پر بیٹھنا اور عرش کا بوجھ سے چرچر کرنا اور اللہ تعالیٰ کا نیچے نہ اترنا ان تمام باتوں میں ایسے ہی اعتقاد رکھنا اور اللہ تعالیٰ کو جہت و مکان سے منزہ سمجھنے

کو بدعت و گمراہی جاننا یہ تمام امور تمام علماء اہل السنۃ والجماعۃ کے برخلاف ہونے سے علاوہ مخالف نص قرآن واحادیث سید الانس والجان بھی ہیں۔ کیونکہ جن آیات اور احادیث میں استواء وفوقیت ومعیت اقرب ونزول واحاطہ وید ووجہ وساق وقدم وعین ویمین واصبع ونفس واتیان واطیط العرش وغیرہ وارد ہیں۔ تمام علماء اہل الحق ان اوصاف کو محکم اللفظ ومتشابہ المعنی قرار دے کر ان کی تاویل کے درپے نہیں ہوتے اور گو بعض فرق اسلامیہ اس کی تاویل تو کرتے ہیں مگر وہ بھی اہل الحق کی شمار سے خارج ہیں اور ظاہری معانی پر محمول کرنا تمام امت محمدیہ کے برخلاف ہے اور خود نص قرآنی نے ان کا فیصلہ فرمادیا ہے جو کسی چوں چرا کی گنجائش نہیں ۔

هُوَ الَّذِيَ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ في قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاء الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاء تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الألْبَابِ[177]

یعنی وہ خدا تعالیٰ ہے جس نے آپ پر کتاب یعنی قرآن نازل فرمایا جو اس میں سے بعض آیات محکمات ہیں جو کہ اصل کتاب ہیں اور دوسری آیات متشابہات ہیں پس جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ تو متشابہات کے تابع ہوتے ہیں۔ فتنہ اور تاویل کی غرض سے اور سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی شخص اس کی کوئی تاویل نہیں جانتا اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں تمام اللہ تعالیٰ کا فرمان حق ہے اس سے کوئی شخص نصیحت پذیر نہیں ہوتا مگر صاحب عقل۔ اب قرآنی فیصلہ نے تمام

جھگڑے ختم کر دیئے کہ آیات متشابہات کی تاویل اور اس کے معنی میں خوض کرنا کجروں کا کام اور علماء حق ان کے ساتھ ایمان لاتے ہیں اور معنی کے درپے نہیں ہوتے اور اس کی پابندی صرف وہی لوگ کرتے ہیں جن کا عقل صاف ہے۔ جو وہابی لوگ اس کے پابند نہیں قرآن نے ان کو بے وقوف اور بے عقل قرار دے رکھا ہے ان سے مناظرہ یا مکالمہ بے سود۔ تفسیر مدارک میں تحت لفظ واخر متشابہات کے لکھا ہے۔

ومثال ذالك الرَّحۡمَنُ عَلَى الۡعَرۡشِ اسۡتَوٰى(سورة طه)
فالاستواء یکون بمعنی الجلوس وبمعنی القدرة والاستیلاء
ولایجوز الاول علیٰ الله تعالیٰ بدلیل محکم وهو قوله لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ[178]

یعنی متشابہات کی مثال الرحمن علی العرش استواء ہے اور استواء کا معنی جلوس بھی ہے اور قدرت وغلبہ بھی۔ اب پہلا معنی دوسری نص صریح قرآنی کے برخلاف ہے۔ وہ یہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ جیسی کوئی چیز نہیں ہے تو اگر خداوند عالم عرش پر بٹھلا کر اس (سے) عرش کی چرچراہٹ ثابت کی جائے تو اس کی دیگر اجسام حادثہ سے مماثلت ثابت ہو جائے گی۔ علیٰ ہذا القیاس اگر ذات باری تعالیٰ شانہ کو جہت اور مکان سے منزہ نہ سمجھا جائے تو پھر بھی اس کی اجسام حادثہ کے ساتھ مماثلت اور مماثلت کی نفی صریح آیت قرآنی میں موجود ہے۔ بہر حال یہ اعتقاد مذکورہ سوال نص قرآنی کے برخلاف ہے۔[179]

9۔ جزئیات کی فراہمی واستخراج واستحضار:

سید احمد الدین گانگوی کبھی ایک اصل کے تحت بہت سی جزئیات جمع کر دیتے ہیں جو مختلف کتب فقہ میں منتشر طور پر ملتی ہیں اور کبھی اصول کی روشنی میں نئی

جزئیات کا بھی استخراج کرتے ہیں جس سے ان کے استحضار کا پتہ چلتا ہے۔

سید احمد الدین گانگوی وہ اجناس جن میں عشر ہے یا نہیں ہے کی بحث میں لکھتے ہیں۔

گھاس اگر کسی زمین میں ایسی حالت میں ہے کہ وہ مقصودی پیداوار اس زمین کی شمار کی جاتی ہے اس میں عشر لازم ہو گا اور جو گھاس کے طبعاً کسی کھیتی میں ہو کہ اس سے پیداوار مقصود تو اس میں عشر لازم نہ ہو گا۔ (فائدہ)اس کلیہ سے معلوم ہو گیا کہ گھاس کسی اراضی میں کاشت کر کے چارا لیا جائے جیسا کہ بھس، میتھی، مٹر جوار، گنوار وغیرہ ان میں عشر لازم ہے اور جو گھاس کسی کھیتی میں خود بخود اگ جائے یا تخم ڈال کر طبعاً بویا جائے لیکن قبل از تیاری فصل اسے کاٹ کر کھلایا جائے جیسا کہ گندم میں سرشف یا روئی میں روانہہ یا موٹھ جو پیداوار شمار نہیں کی جاتی ان میں عشر نہیں اور گندم جوار وغیرہ کی سبزی جو اوپر سے کاٹی جاتی ہے جس کو حوید کہتے ہیں اور اصل اس کا بدستور رہتا ہے جس سے پھر وہ بحال ہو جاتی ہے اس سبزی میں عشر نہیں اور اگر اس طرح کاٹی جائے کہ پھر وہ بحال نہ ہو سکے اور سر تک جاری جائے تو اس میں عشر لازم ہو گا۔ کیونکہ یہی منافع مقصودہ ہیں واللہ اعلم۔[180]

10۔ مذہب حنفی کی تائید وترجیح:

امام شافعی کے اس قول ،لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں ، میں صراحت ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مذہب صحیح کو دوسرے مذاہب پر فضیلت حاصل ہے۔ امام اعظم کا مذہب امت مسلمہ سے حرج کو زیادہ دور کرنے والا ہے اور یہ بھی

وصف اسلام ہی کا طرہ امتیاز ہے۔ سید احمد الدین گانگوی نے امام اعظم کے مذہب صحیح کی تائید و ترجیح ثابت کرنے کے لئے عربی زبان میں نور الایمان فی تائید مذہب النعمان کے نام سے ایک معرکۃ الاراء کتاب تالیف کی جس میں امام اعظم کی سیرت و کردار اور فقہ حنفی کی ترجیح پر دلائل دیئے۔ مسائل فقہ میں بھی آپ نے حنفی فقہ کی ترجیح کو ہمیشہ ثابت کرنے کی کوشش کی۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ سید احمد الدین گانگوی ایک وسیع فکر و نظر کے حامل فقیہ تھے ۔ مسائل و عقائد کو مصادر شریعت سے ثابت کیا کرتے۔

حوالہ جات

1۔ رازی، محمد بن ابو بکر بن عبد القادر، مختار الصحاح، تحقیق: محمود خاطر، بیروت، دار الفکر، 2006ء، ص208

2۔ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، تاریخ میانوالی، ص207

3۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، ص2

4۔ ایضاً، ص3

5۔ ایضاً

6۔ سورہ توبہ:17

7۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، ص4

8۔ ایضاً

9۔ ایضاً

10۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، ص4

11۔ سورہ توبہ:18

12۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، ص5

13۔ ایضاً

14۔ امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر جلد4 ص410

15۔ ایضاً

16۔ ایضاً

17۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، ص5

18۔ ایضاً

19۔ امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر جلد4 ص409

20۔ سورۃ آل عمران:28

21۔ سورۃ ممتحنۃ:1

22۔ سورۃ ممتحنۃ:9

23۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص6

24۔ سورۃ مائدہ:51

25۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، ص7

26۔ ایضاً

27۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، ص7

28۔ شیخ نظام الدین، فتاویٰ عالمگیریہ ج2 ص457 / سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2 ص8

29۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص9

30۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص9

31۔ علی بن محمد بغدادی، تفسیر خازن، ج2، ص209

32۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری سورۃ توبہ ص1

33۔ امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر ج4 ص209

34۔ ایضاً

35۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص11

36۔ ملاجیون، نور الانوار ص845

37۔ شیخ نظام الدین، اصول شاشی ص14

38۔ سورہ الاحزاب، 56

39۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص12

40۔ ملاجیون، نور الانوار ص84

41۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، ص12

42۔ ایضاً

43- شیخ نظام الدین، اصول شاشی ص16، تلویح ص93

44- سورہ التوبہ،28

45- سورہ توبہ:17

46- سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص13

47- ایضاً

48- قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری سورۃ توبہ ص11

49- امام فخر الدین رازی، تفسیر کبیر ج4 ص409

50- ایضاً

51- علی بن محمد بغدادی، تفسیر مدارک بر حاشیہ تفسیر خازن ج2 ص409

52- سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص14

53- سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص15

54- تاج الشریعہ محمود بن صدر الشریعہ، وقایہ، ج 2 ص 243 / سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص15

55- سورہ اعراف،12

56- قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری سورۃ اعراف ص6

57- سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص16

58- ایضاً، ص17

59- سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص17

60- ایضاً

61- سورہ التوبہ،107

62- سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص17

63- شیخ نظام الدین، فتاوی عالمگیریہ ج2 ص504

64- سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص19

65- ایضاً

66۔ ایضاً، ص20

67۔ ایضاً، ص21

68۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص21

69۔ ایضاً، ص22

70۔ ایضاً

71۔ ایضاً، ص23

72۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص23

73۔ ایضاً

74۔ ایضاً

75۔ ایضاً

76۔ ایضاً

77۔ ایضاً، ص24

78۔ ایضاً

79۔ سید احمد الدین گانگوی، الشعلۃ الجباریہ، قلمی، م2، ص24

80۔ ایضاً، ص42

81۔ ایضاً

82۔ سورۃ الزمر: 18-17

83۔ سورۃ الروم 15

84۔ بخاری، امام محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب فضائل القرآن، رقم الحدیث، 31

85۔ بخاری، امام محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب عیدین، رقم الحدیث 3

86۔ شیخ ابو القاسم القشیری، رسالہ قشیریہ، 365

87۔ ایضاً

88۔ ایضاً، 368

89۔ شیخ ابو القاسم القشیری، رسالہ قشیریہ، 369

90۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ص24

91۔ ایضاً، ص19

92۔ ایضاً، ص50

93۔ ایضاً، ص30

94۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ص30

95۔ ایضاً، ص206

96۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ص217

97۔ ایضاً، ص217

98۔ سورۃ لقمان:6

99۔ سورۃ النجم:61

100۔ سورۃ الاسراء:64

101۔ شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ج2، ص217

102۔ بریلوی، امام احمد رضا، احکام شریعت,لاہور: نظامیہ کتاب گھر، ص206

103۔ حیدر آبادی، سید عین القضاۃ، الاغناء فی حرمت الغناء، مطبوعہ لکھنو، ص3

104۔ دبیر، مولانا کرم الدین، ہدیہ الاصفیاء فی مسئلہ سماع الصلحاء، لاہور، مسلم پرنٹنگ پریس، س ن، ص5

105۔ حاجی مرید احمد چشتی، فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، ج2، ص352

106۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص79

107۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص80

108۔ ایضاً، ص86

109۔ ایضاً، ص87

110۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص88

111۔ ایضاً

112۔ ایضاً

113۔ ایضاً، ص89

114۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص89

115۔ ایضاً

116۔ ایضاً

117۔ ایضاً، ص90

118۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص90

119۔ ایضاً

120۔ ایضاً

121۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص94

122۔ سورہ حدید:23

123۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص95

124۔ ایضاً

125۔ سورہ لقمان:6

126۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص98

127۔ ایضاً

128۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص99

129۔ ایضاً

130۔ ایضاً

131۔ ایضاً

132۔ سید احمد الدین گانگوی، لوامع الضیاء فی علوم سید الانبیاء، قلمی، ص38

133۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص47

134۔ شیخ عبد الحئ فرنگی محلی، مجموعۃ الفتاویٰ، ج1، ص401

135۔ سید احمد الدین گانگوی، مجموعہ فتاویٰ قلمی، ف1

136۔ سید احمد الدین گانگوی، السیوف العتابعیہ، قلمی، ص185

137۔ سید احمد الدین گانگوی، مجموعہ فتاویٰ قلمی، ف2
138۔ ابن نجیم مصری، اشباہ والنظائر، ص339
139۔ ایضاً
140۔ ابن عابدین شامی، در المختار، ج4، ص358
141۔ ایضاً، ص442
142۔ ایضاً، ص358
143۔ سید احمد الدین گانگوی، مجموعہ فتاویٰ قلمی، ف4
144۔ ایضاً، ف5
145۔ کانپوری، محمد احمد علی، رفاہ المسلمین فی شرح مسائل اربعین، کانپور، مطبع مجیدی، ص70
146۔ محمد احمد علی کانپوری، رفاہ المسلمین فی شرح مسائل اربعین، ص73
147۔ سید احمد الدین گانگوی، مجموعہ فتاویٰ قلمی، ف6
148۔ ایضاً
149۔ ایضاً
150۔ علاء الدین حصکفی، درالمختار ج2 ص369
151۔ ابن عابدی شامی، در المختار علی حامش رد المختار جلد4 ص356
152۔ ایضاً
153۔ ابن نجیم مصری، اشباہ والنظائر ص318
154۔ سید احمد الدین گانگوی، مجموعہ فتاویٰ قلمی، ف9
155۔ تھانوی، اشرف علی دیوبند، دارالاشاعت، 1934ء، حیلہ ناجزہ ص50
156۔ اشرف علی تھانوی، حیلہ ناجزہ ص138-139
157۔ ۔سید احمد الدین گانگوی، مجموعہ فتاویٰ قلمی، ف10
158۔ شیخ نظام الدین، فتاویٰ عالمگیریہ، ج3 ص267
159۔ شیخ نظام الدین، فتاویٰ عالمگیریہ، ج3 ص267
160۔ ایضاً ج2، ص495

161۔ ایضاً

162۔ ابن نجیم مصری، اشباہ والنظائر ص67

163۔ شیخ نظام الدین، فتاویٰ عالمگیریہ، ج2، ص506

164۔ ایضاً، ج6 ص507

165۔ شیخ نظام الدین، فتاویٰ عالمگیریہ،، ج2 ص499

166۔ ایضاً

167۔ ایضاً

168۔ سید احمد الدین گانگوی، مجموعہ فتاویٰ قلمی، ف13

169۔ سورۃ آل عمران:103

170۔ چشتی، مرید احمد، فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، جہلم، بزم شمس الاسلام جامعہ رضویہ احسن القرآن دینہ، 2005ء، ج3، ص465-467

171۔ تذکار بگویہ، صاحبزادہ انوار احمد بگوی، جلد اول، ص551-553

172۔ سید احمد الدین گانگوی، الحق المبین، قلمی، ص1-2

173۔ ایضاً، قلمی، ص4

174۔ سید احمد الدین گانگوی، الحق المبین، قلمی، ص9-8

175۔ سید احمد الدین گانگوی، اسلامی بیت المال، ص109-114

176۔ سید احمد الدین گانگوی، حفاظت الایمان، ص191-192

177۔ سورۃ آل عمران:7

178۔ سورۃ الشوریٰ:11

179۔ سید احمد الدین گانگوی، العقائد، قلمی، ص

180۔ سید احمد الدین گانگوی، اسلامی بیت المال، ص92-93

شہرِ مردم خیز میانوالی کے معروف محلے گانگوی کی ایک گلی جس میں نادرِ روزگار ہستیوں کا بسیرا رہا، میں واقع جامع مسجد گانگوی میں داخل ہوں تو بر کنارِ صحن اک دل آرا و دل کشا مقبرے کے اندر دو قبریں موجود ہیں۔ اندر ہمہ وقت موجود اک سحر انگیز سکوت و سکون انسان کو اپنی گرفت میں لے کر سانسیں بھی آہستہ کر لینے پر مجبور کر دیتا ہے۔ شاید یہ سپاسِ نیاز کا اک الوہی انتظام ہے! قبروں میں علم و عرفاں کے دو ہمالے محوِ استراحت ہیں۔ مولانا سیّد احمد الدین گانگوی اور ان کے فرزند فلک کمند مولانا سیّد فخر الدین گانگوی۔ اول الذکر یکے از فاضلین فرنگی محل و دہلی اور ثانی الذکر مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے شاگرد مجید ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ہر دو حضرات کے لئے کوئی بھی روایتی ذکر آفریں مجلس بصورتِ عرس وغیرہ انعقاد پذیر نہیں ہوتی لیکن میانوالی کے دینی حلقہ جات میں کوئی بھی محفل ان کے ذکر سے خالی نہیں ہوتی۔ علمی پایہ مسلّم ہے اور ان کا علمی اثاثہ اس پر شاہدِ عادل ہے۔ معاشرے پر اپنے ہمہ گیر اثرات و گرفت کے حوالے سے آخر الذکر معروفِ خلائق ہیں۔ بیسویں صدی ہجری میں پوری تابانی سے چمکنے اور ابھرنے والے آفتاب آج بھی پوری طرح ضوفشاں ہیں۔ ان کا نہ ختم ہونے والا اجر انہیں ہر لمحہ نئی زندگی بخشتا رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے کام اور نام یوں زندہ رہ کر موت کو شرمندہ کرتے رہتے ہیں۔ زیرِ دست کتاب کے مطالعے سے لطف اندوز ہوں اور مزید انقلاب آفریں کتب کی اشاعت کا انتظار فرمائیں اور دعا گو ہوں ان لوگوں کے لئے جو ان کتب کی اشاعت کا باعث بنے! سیّد نعیم الدین شاہ گانگوی، علامہ عطاء المصطفیٰ اور ان کی پوری ٹیم کو ہدیہ تبریک پہنچے۔ اللہ کرے ان کی یہ عرق ریزی، امت خیزی کا وسیلہ ثابت ہو، امین! بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

محمد ریاض بھیروی

عکس

AKSPUBLICATIONS
Ground Floor Mian Chamber 3-Temple Road,Lahore.
Ph:042-37300584,Cell # 0300-4827500-0348-4078844
E-mail:publications.aks@gmail.com

9 789697 311095